الاسلام

حصہ اوّل

اس میں ہر پہلو سے اسلام کا نعمت خدا ہونا دکھایا گیا ہے۔ تمام مسائل اسلام بیان کئے گئے ہیں اور ان کی خوبیوں کی توضیح کی گئی ہے۔ معترضوں کے جواب بھی شستہ زبان میں دیئے گئے ہیں اور تمام غلط فہمیاں رفع کی گئی ہیں۔

از

علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

نفیس اکیڈیمی

بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی

قیمت دس روپے مجلد

ناشر

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک

نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس۔ کراچی

فون:- ۲۳۴۹۵۶

باہتمام ——— خالد اقبال گاہندری

طبع اول ——— ۱۵۷۵۹ مارچ ۱۹۶۹ء
ج-۱

مطبوعہ

آغا زپرنٹرز فریئر روڈ۔ کراچی

یہ کتاب

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ

الْاِسْلَامَ دِیْنًا

کی تفسیر ہے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

وہ بھی کیا وقت تھا جب میں تاریخ اسلام لکھتا تھا۔ مسلمانوں کے پچھلے کارناموں کے دیکھنے سے دل تھا کہ سینہ میں پھولا نہیں سماتا تھا اور موجودہ حالت کے لحاظ سے وہ اس طاؤس کا سا تھا جس کی نظر حالت رقص میں پاؤں پر جا پڑے اور وہ مرجھا جائے۔ مسلمانوں کا ایک زمانہ وہ تھا کہ تمام عالم میں ان کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور اب ان کی حالت جیسی ہے ظاہر ہے۔ جہاں دیکھئے مایوسانہ اور جدھر دیکھئے باعث عبرت۔ عربوں کی سلطنت (یا خلافت) اللہ۔ اللہ شان کبریا تھی۔ غیر متعصب عیسائی مورخوں کی تحریریں پڑھئے جب بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء خلقت سے آج تک کسی قوم نے عربوں سے بہتر سلطنت نہیں کی۔ گویا نیاضی، مروت، عدل اور بے تعصبی عربوں کے ساتھ خاص مناسبت رکھتی تھی۔ علمی، اخلاقی اور ملکی معاملات میں وہ مقتدار سے عالم خیال کئے جاتے تھے۔ اب وہی عرب ہیں کہ گویا مادر گیتی کے فرزند ہی نہیں ہیں۔ صورت بین عالم مہرس۔ عربوں کی نسل ہندوستان میں جابجا پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ روئے سخن ان کی طرف ہے۔ یہ بے چارے کس شمار میں ہیں۔ یہ تو خیر آب وہوائے ہند کے مارے ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ عرب بھی جو اب تک اصلی مقام پر ہیں اور مذہبی خیال سے مایۂ ناز سمجھے جاتے ہیں کوئی ادا اپنے بزرگوں کی نہیں رکھتے اور نہ ان میں کوئی امر ایسا پایا جاتا ہے جس سے یہ اپنے اسلاف کا پتہ دے سکیں۔ ترک جو کسی زمانے میں عربوں کے جانشین تھے آزادی اور سیر چشمی کے سوا تمام باتوں میں ان کے قدم بہ قدم تھے۔ ان کے

کارنامے پڑھیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا فنا ہو جائے گی لیکن یہ فنا نہ ہوں گے۔ یہ بھی اس طرح
مٹے کہ کوئی نام اپنا نہ چھوڑا۔ دور نہ جایئے ہندوستان ہی میں دیکھیئے۔ شاہان تغلق کی شہنشاہی
العظمۃ للّٰہ۔ تمام ہندوستان ان کی مٹھی میں اس طرح تھا جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے اور اب
ان کے لڑکے تغلق آباد دہلی میں گھاس کے گٹھے اپنی بیبیوں کے سامنے جب گھڑی رات گئے یہ کہتے
ہوئے لاگراتے ہیں کہ آج کوئی کمبخت مفت میں بھی لینے والا نہ تھا اور بیبیاں مایوسانہ نظر سے انکی طرف
دیکھ کر کہتی ہیں کہ بچے آج رات بھر سونے نہ دیں گے تو فاعتبروا یا اولی الابصار کا نقشہ کھنچ جاتا ہے
ہندوستان کی تخصیص نہیں ہے کم وبیش یہی حالت ایشیاء کے تمام ترکوں کی ہے۔ یورپ میں کچھ
حالت ان کی اچھی ہے لیکن وہ بھی صرف ہمارے دیکھنے میں ہے ورنہ فی الواقع وہ جس حالت میں
ہیں خود ہی خوب جانتے ہیں۔ مغلوں نے اسلام قبول کر کے جو تہذیب عالم میں پھیلائی تھی عجائب
روزگار سے تھی۔ لیکن بالآخر ان کا زمانہ بھی ایسا پلٹا کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ ان کی اولاد جہاں
ہے زبان حال سے کہہ رہی ہے۔

ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

میں لکھتا تو تھا تاریخ اسلام۔ لیکن ان واقعات کے سلسلہ نے مجھے مسلمانوں کی ترقی و
تنزل کے اسباب کی طرف متوجہ کیا۔ آخر کار برسوں کے غور وفکر کے بعد میری رائے قائم ہوئی کہ مسلمان
جب تک قرآن پر عمل کرتے رہے دنیا کے پیشوا بنے رہے۔ اور جب احکام قرآنی سے الگ ہوئے
اپنی پیشوائی کھو بیٹھے۔ دوسری قوموں نے ان کے گزشتہ طریقوں پر عمل کرنا شروع کیا اور اس
طرح ان کے اعمال احکام قرآنی کے مطابق ہونے لگے تو دنیا کی پیشوائی بھی ان کی طرف منتقل ہوئی
مسلمان مقتدی ملازم یا غلام رہ گئے۔ قضیہ بالکل منعکس ہو گیا۔ جب ان کے اخلاق اچھے تھے تو یہ مقتدائے
عالم تھے اور جب بگڑے تو تقلید کی بھی قابلیت ان میں نہ رہی۔

جس زمانے میں قرآن اترا عیسائی قومیں بھی یہود اور کفار عرب کی طرح تمام اخلاقی برائیوں کی
سرچشمہ تھیں۔ اسلام ان پر "الحق یعلو ولا یعلی" کے اعتبار سے غالب آیا۔ آنحضرت محمدؐ نے کوئی

نیا مذہب یا انوکھا دین جاری نہیں کیا۔ عیسائیت میں جو نقصانات پیدا ہو گئے تھے زائد تران کی اصلاح کی۔ صدیوں کے بعد جب عیسائیوں کو مسلمانوں کے اثر صحبت سے اپنی حالت کا امتیاز ہوا تو ان کو تلافی مافات کی فکر ہوئی اور اس غرض سے انھوں نے مسلمانوں کی تمام عمدہ باتیں جو قرآن نے تعلیم کی تھیں اختیار کیں۔ وہ اعلانیہ طور پر مقر نہیں ہوئے ورنہ وہ مسلمان ہی نہ کہلاتے۔ بلکہ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی پیروی کئے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہے تو انکی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے تقلید شروع کی میدان تقلید میں وہ بڑھتے بڑھتے مسلمانوں کی برابر پہنچے اور پھر ان سے بھی بڑھنا شروع ہوئے۔ مسلمانوں کو خواب غفلت نے ایسا گھیرا کہ کہیں کے نہ رہے۔ وہ خواب سے چونکے بھی تو کب جب عیسائی بہت دور نکل گئے تھے۔ اور اب اس دور میں جب تک کہ عیسائیوں پر خواب غفلت طاری نہ ہوگا یعنی وہ اخلاق حسنہ (احکام قرآنی) کی پیروی ترک نہ کریں گے۔ مسلمان ان کے برابر نہ ہو سکیں گے میرے نزدیک ہزار کیا لاکھ دانہ تسبیح پر کوئی رات دن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا کرے لیکن بھولے سے احکام الٰہی کا دھیان نہ کرے اور افعال و اقوال نبیؐ کی پیروی معیوب سمجھے تو وہ ہرگز برابری نہیں کر سکتا۔ اس غیر مذہب والے کی جو نہ خدا کو ایک مانتا اور نہ پیغمبر کو برحق جانتا لیکن عملاً کرتا ہے انہی کی جو قرآن میں محکوم ہے اور جن کو پیغمبر خدا پسند کرتے تھے۔ محض یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ نفاق کے پیدا ہونے۔ اور بہادری کے چلے جانے سے مسلمان تباہ ہوئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جب یہ احکام خدا اور رسولؐ کے پیرو نہ رہے تو انکے اخلاقی اوصاف جاتے رہے اور اخلاقی صفات کے جانے سے عادات میں کمینہ پن خیالات میں غلامی پیدا ہوئی جسکا دوسرا نام ہے نفاق اور کم ہمتی۔

بہر حال غور کرنے کے بعد نہایت استواری سے میں اس رائے پر قائم ہوا کہ اسلام کے اصول کی پیروی اس زمانے کے مسلمانوں نے ترک کر دی ہے اور غیروں نے اسے اختیار کر لیا ہے یہی باعث ہے ایک کے تنزل اور دوسرے کی ترقی کا اس کتاب میں ان باتوں کی طرف جا بجا توجہ دلائی گئی ہے۔ جن کے کھو دینے سے مسلمان بگڑ گئے اور جن کے پانے سے یورپین قومیں بن گئیں تاکہ مسلمان خود کو درست کریں اور زمانہ حال کے عیسائیوں کی عمدہ باتوں کے اختیار کرنے میں تعصب

کو راہ نہ دیں اور ہمیں ان سے حاصل کردہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں یہاں تک پہنچ کر مجھ کو ایک حد تک
اطمینان ہوا لیکن طبیعت نے اس پر قناعت نہ کی اور اب مجھے یہ فکر ہوئی کہ مسلمانوں کی ترقی کے
زمانہ کا... عیسائیوں کے ترقی کے زمانے سے مقابلہ کروں اور یہ دیکھوں کہ مسلمانوں کی بعض باتوں
کے اختیار نہ کرنے سے اس وقت کی عیسائی قوموں میں کوئی کمی ہے یا نہیں۔ یا دوسرے لفظوں
میں اسلام کی پوری پوری تقلید کئے بغیر عیسائی اپنے زمانہ ترقی میں گزشتہ مسلمانوں کی برابری کر
سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ میں نے معلوم ہوا کہ عیسائی اس وقت کو اپنی تمام خوبیوں کی وجہ سے سرتاج
ہیں لیکن سابق مسلمانوں کے برابر ان کی تہذیب مکمل نہیں ہے اور اسی لئے تہذیب کی تمام شاخوں
پر جدا جدا بحث کر کے مجھے یہ دکھانا پڑا کہ اسلام کی پیروی جہاں از حد ضروری ہدف ہے وہاں یورپین
تہذیب بھی اس وقت ناقص ہے اور کوئی قوم تمام امور دنیا میں اپنی تہذیب کو درجہ کمال تک نہیں
پہنچا سکتی جب تک وہ تمام مسائل اسلام کی پیروی پورے طور پر نہ کرے۔ کیونکہ اسلام ہی ایک
مکمل دین ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم
الاسلام دیناً۔ ترجمہ: "مسلمانو! میں نے تمہارا دین مکمل کیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کی اور تمہارے
لئے اسلام کا دین میں نے پسند کیا"۔ اس امر کا فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اسلام کے تمام اہم مسائل
کا ذکر کر کہاں تک انکا اپنی نوعیت میں مکمل ہونا یا باعتبار اثر کے نعمت خدا ہونا میں دکھا سکا۔
اس بحث سے میری غرض یہ ہے کہ غیر مذہب والوں کے لئے مواد بہم پہنچاؤں اور مذہب
اسلام کی طرف جو ان کے دل میں نفرت ہے اسے دور کروں اور بجائے اس کے محبت
پیدا کراؤں تاکہ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر افسوس کریں اور خیال کریں کہ نہایت عمدہ قوم کے بگڑے
ہوئے لوگ یہ ہیں اور اسی لئے ہمدردی کے مستحق ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب اس قابل سمجھی جا
کر یورپ کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو اور یورپ میں مذہب اسلام پھیلنے کا باعث
ہو۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ترجمہ کی اشاعت میں بھی کوشش کروں گا۔ السعی منی والاتمام
من اللہ۔

تعلیم یافتہ گروہ کے بعض اشخاص کہتے ہیں کہ اسلام وحشی قوموں کے لئے ہے مہذب قوموں کے لئے نہیں ہے۔ اس خیال کے دور کرنے کی طرف بھی میں نے توجہ کی ہے اور اسی سلسلے میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں جو غیر مذہب والوں یا لامذہبوں سے میں نے سنے ہیں یا کتاب میں دیکھے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ منصف مزاج معترضین اس کتاب کو پڑھ کر تسلیم کریں گے کہ ہر قرن اور ہر درجہ کے لوگوں کو تہذیب سکھانے کے لئے دین محمدی سے اچھا دین یا اسلام سے اچھا فلسفہ طائرِ خیال کی حد پرواز سے باہر ہے۔ یہ کتاب ان مسلمان نوجوانوں کے لئے نہایت کارآمد ہے جو مذہبی تعلیم سے معرّیٰ رہنے کی وجہ سے دین اسلام کی طرف سے مختلف وسوسے دل میں رکھتے ہیں۔ ان نوجوانوں سے میری درخواست ہے کہ اس کتاب کو لغور پڑھیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسکے پڑھنے کی ترغیب دیں اور جب وہ خوب اچھی طرح سمجھ جائیں تو اپنے عیسائی اور ہندو بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کیونکہ اچھی باتیں دنیا میں اسی طرح پھیلتی ہیں۔ ہر سمجھ والے پر فرض ہے کہ ناواقفوں کو عمدہ باتوں سے واقف کرے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کتاب میں میں نے دین محمدیؐ کے تمام مسائل کا اجمالی ذکر کر کے دنیا کی مختلف قوموں کے قاعدہ اور رسوم سے مقابلہ کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ اسلام کی تمام باتیں ایسی ہیں کہ ان سے اچھی صورت ذہن میں نہیں آسکتی اور نہ دنیا میں خوش رہنے کے لئے اس سے اچھے قاعدے بن سکتے ہیں۔ ان قاعدوں پر جو قوم جتنا ہی زیادہ عمل کرے گی اتنا ہی زیادہ خوش رہے گی اور اسی لئے دین اسلام برحق ہے۔

واضح رہے کہ یہ کتاب اپنی نوعیت میں انوکھی ہے اور غالباً اس طرز پر بزرگان دین کی کوئی کتاب نہ نکلے گی۔ شاید وہ لکھنا چاہتے بھی (نعوذ باللہ) تو نہ لکھ سکتے۔ قدر عافیت کسے داند کہ بامصیبتے گرفتار آید۔ نہ وہ اس ذلیل حالت میں تھے جیسی کہ ہماری ہے نہ معترضین اس وقت پیدا تھے کہ اعتراض کرتے۔ اسلام نعمت خدا کی صورت مجسم موجود تھا۔ جو دیکھتا تھا "آمنّا برب محمدؐ" کہہ کر دوڑا چلا آتا تھا۔ ضرورت تو اب پیدا ہوئی کہ مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان گوروں میں ہیں

ہاں زمانہ حال کے مسلمان لکھنا چاہیں تو اس کتاب سے کہیں اچھی کتاب لکھ سکتے ہیں۔ مجھ جیسے کم بضاعت نے اتنا لکھا تو بڑے بڑے علما اس سے کہیں زائد اور کہیں اچھا لکھ سکتے ہیں اور ان سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اپنے خیالات سے وقتاً فوقتاً اطلاع دیتے رہیں گے یا اخباری دنیا میں انھیں شائع کریں گے تاکہ اس کتاب کی اشاعت بزبان انگریزی میں مجھے مدد ملے۔ کچھ میری غلطیوں کی اصلاح ہو اور کچھ اصل مضمون پر اضافہ ہو۔ کیونکہ بزرگان دین کی کتابیں گو ان کو ضرورت نہ تھی پھر بھی ہر قسم کے مباحث سے بھری پڑی ہیں۔ ان کا تلاش کرنے والا بے حد اور بے بہا اضافہ اس کتاب میں کر سکتا ہے۔

اے کرۂ ارض کے باشندو۔ کبھی ہم بھی اس دنیا میں تھے اور کبھی ہم بھی کچھ رکھتے تھے جب ہم تھے تو دوسرا نہ تھا اور جو چیز ہمارے پاس تھی کسی دوسرے کے پاس نہ تھی۔" تلک الایام نداولہا بین الناس "۔ خدا کہتا ہے کہ ہم لوگوں کے دن پھیرتے رہتے ہیں۔ اب ہماری حالت جیسی ہے وہ ظاہر ہے۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے ہمارے لئے اچھی ہے یا بری ہے لیکن دوسروں کے لئے ضرور باعث عبرت ہے۔ ہمیں کوئی کتنا ہی برا کہے کچھ پروا نہیں۔ ہم برے ہیں سنے گا کون لیکن ہم یہ نہیں سن سکتے کہ ہمارے بزرگان دین برے تھے اور ان کی روش خراب تھی۔ زمانہ بدلا۔ تعلیم پھیلی۔ خیالات میں آزادی آئی۔ ہم کس سے بحثیں اور کس کا جواب دیں۔ زمانہ کی ضرورتوں نے ہمیں مجبور کیا کہ اپنے خیالات یکجا کر دیں اور جب موقع ہو کتاب کا حوالہ دے کر خود کو الگ رکھیں۔

ہم نے اس کتاب میں یہ دکھلایا ہے کہ ہم میں تمام برائیاں ہیں۔ لیکن ہمارے اسلاف ان برائیوں سے پاک تھے۔ ملکی اور اخلاقی معاملات میں وہ لاثانی تھے۔ سیاست میں وہ بے مثل تھے۔ طریقہ عبادت ان کا بہت اچھا تھا۔ شخصی معاملات اور طریقہ عدل گستری میں ان کی روش خردمندانہ تھی۔ عقائد اور علمی معلومات میں کوئی انکا سا نہ تھا۔ اور یہ سب باتیں ان کو اسلام نے سکھائی تھیں اور جب تک مسلمان اسلام کی رسی مضبوط پکڑے ہوئے تھے ان میں تمام برکتیں دنیا کی موجود

تھیں۔ میں نے برکات اسلام کو اس کتاب میں یکجا جمع کر دیا ہے اور اس کو جمع کرنے میں بے تعصبی کو میں نے سب پر مقدم رکھا ہے۔ مجھ کو کسی مذہب سے تعصب نہیں ہے اور نہ میں کسی مذہب کو اس کی اصلی حالت میں برا سمجھتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جس طرح دو نقطوں کے درمیان ایک ہی خط مستقیم کھنچ سکتا ہے اسی طرح خدا کی راہ ایک ہی ہے اور ہر قوم اپنے عروج کے زمانے میں اسی راہ پر تھی یا اس کے قریب تھی۔ اہل ہند، ایرانی، بنی اسرائیل، اہل مصر، اہل یونان اہل روم باری باری سے اس راہ مستقیم پر آئے اور جب تک وہ اس راہ مستقیم پر تھے خدا ان کا مددگار رہا۔ خدا فرماتا ہے "ولقد کتبنا فی الذبور ان الارض یرثہا عبادی الصالحون" ہم نے زبور میں لکھ رکھا ہے (یعنی شروع سے یہی دستور ہے) کہ بندۂ صالح وارث ارض ہوتا ہے۔ جتنی قومیں ہم نے اوپر بیان کیں وہ سب اپنے زمانہ ترقی میں خدا کی محبوب تھیں۔ اسی لئے ان کے دستور اچھے تھے۔ اور جب ان کے دستور بگڑے تو وہ راندۂ درگاہ ہوئیں۔ اب عیسائی اسی راہ مستقیم پر ہیں یا اس کے قریب تر ہیں اور وہی باتیں زائد تر کرتے ہیں جو خدا کو پسند ہیں۔ جب تک وہ خدا کی پسند کے موافق کام کریں گے وہ اسی طرح با اقبال رہیں گے۔ جو قومیں ان سے گری ہوئی ہیں وہ صرف اسی لئے گری ہوئی ہیں کہ راہ مستقیم سے دور ہیں اور جب وہ راہ مستقیم پر آنے کی کوشش کریں گی تو ان کو زیادہ تر اسی دستور پر چلنا ہوگا جس پر عیسائی قومیں اسوقت چلتی ہیں اصطلاح شرع میں راہ مستقیم کا نام اسلام ہے۔ جتنی قومیں اوپر بیان کی گئیں ہیں وہ سب اپنے عروج کے زمانہ میں طریقہ اسلام پر یا اس کے قریب تر تھیں اور اب اسی طریقہ پر عیسائی قومیں ہیں۔ لیکن میرا دعویٰ یہ ہے کہ امت محمدیؐ جب اس راہ مستقیم یعنی اسلام پر تھی تو سب سے زائد رونق تھی اور میں اس کتاب میں اپنے دعوے کو حتی الوسع ثابت کروں گا۔

میں نے یہ کتاب ملکی اور اخلاقی معاملات سے شروع کی ہے" فـ اصول جہانداری " جس پر مسلمانوں کا عمل تھا۔ چند صفحات میں لکھ کر میں نے دکھایا ہے کہ ملکی معاملات میں محض راست بازی پر بھروسہ کرنا اور حکمت عملیوں سے پرہیز کرنا خاص مسلمانوں کا حصہ تھا۔ اور یہی سبب

تھا ان کی ابتدائی ترقیوں کا۔ مسلمانوں نے سب سے خراب نمونہ ہندوستان میں دکھایا ہے اسی لیئے ہند اور اہل اسلام کی ایک جدا فصل قائم کر کے دکھایا جاتا ہے کہ برے سے برے مسلمان بھی اپنے ہم عصروں سے بدرجہا اچھے تھے۔ مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ بزور تلوار ان کا مذہب پھیلا لیکن غور کرنے سے اس الزام کی کوئی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو بغیر تلوار کی مدد کے ۳۰ برس کے اندر دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے تلواریں ضرور چلائیں۔ محض مسلمانوں کی حفاظت کے لیئے نہ کہ کسی کو بہ جبر مسلمان کرنے کی غرض سے۔ سیرت اور اسلام کو بغور پڑھیے سمجھ میں آجائے گا کہ کس سچائی سے یہ دعویٰ ثابت کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ مشہور ہے اور صحیح مشہور ہے کہ آنحضرت محمدؐ کا سا اخلاق کسی دوسرے فرد بشر میں آج تک نہیں پایا گیا۔ اخلاق محمدیؐ کی ایک جدا فصل لکھ کر میں نے دکھایا ہے کہ اخلاق محمدیؐ کی تعریف میں مسلمان بے وجہ رطب اللسان نہیں ہیں بلکہ اخلاق محمدی ہی نے اسلام پھیلانے میں حیرت انگیز مدد کی تھی نہ کہ زور تلوار نے۔ تمدن اور حسن معاشرت پر جس قدر نصوص قرآنی ہیں ان کو یکجا کر کے میں نے دکھایا ہے کہ قرآن نے کیسا اچھا سبق دیا ہے۔ ماں باپ کی اطاعت ایک بڑا جزو تمدن کا ہے۔ اسلام نے اس کے متعلق جو کچھ تعلیم کی ہے وہ ایک علیحدہ فصل میں بیان کرنے کی چیز تھی اور میں نے ایسا ہی کیا ہے صدقہ اور زکواۃ کے متعلق احکام شرع محمدی کا بیان کرنا اور ان کے مصالح پر توجہ دلانا احادیث نبوی کا ذکر کرنا شرع محمدیؐ کے اسرار اور نکات کا ظاہر کرنا ہے اسی لیئے ایک جدا فصل اس کی قائم کی گئی۔ عربوں کی بہادری۔ مشہور ہے لیکن اس کے اسباب پر غور کرنے والے بہت کم ہیں اس مضمون کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے عربوں کو بہادر بنایا تھا اور ہر قوم اسلام پر عمل کرنے سے بہادر ہو سکتی ہے۔ غلاموں کی حالت۔ مسلمانوں کے قبضہ میں جیسی اچھی تھی بدر خلقت سے اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اس بیان میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مسلمان اپنی تواضع اور رحم دلی کی وجہ سے تمام قوموں کے سردار تھے نہ کہ شقاوت اور بے رحمی کی وجہ

سے عورتوں کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں تھیں انکو میں نے یکجا کر دیا ہے ۔ رفیق ۔ کارمنصبی قومی امتیاز ۔ بخل و اسراف ۔ حسن پرستی ۔ جہاد پر جدا مضامین لکھے ہیں اور ان کے متعلق شرعی خیالات ظاہر کئے ہیں ۔ ایک مضمون یہ بھی لکھا ہے "مسلمانوں کے احسانات دنیا پر" اور اس میں میں نے ثابت کیا ہے کہ دنیا میں اس وقت جتنی قومیں ہیں سب پر مسلمانوں کے احسانات بلواسطہ یا بلاواسطہ ثابت ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں جنگ صلیبی کے تاریخی واقعات لکھ کر میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یورپ میں جس قدر تہذیب پھیلی ہے وہ مسلمانوں سے لی گئی ہے اخوت اسلامی جو اس وقت معدوم ہو رہی ہے ایک جدا فصل میں اس کے حالات دکھائے گئے ہیں ۔

باب دوم میں میں نے تعزیرات کا ذکر کیا ہے ۔ جو سزائیں اسلام نے قائم کی تھیں ان کا بیان کیا ہے اور پھر ان کے مناسب ہونے کے وجوہ دکھائے ہیں ۔ جرائم ۔ سزائے موت ۔ زنا کاری ، شراب خواری ۔ جھوٹی قسمیں ۔ ان سرخیوں میں تمام شرعی مسائل معہ وجوہ کے بیان کئے گئے ہیں اور ایک جدا فصل میں تمام نصوص قرآنی جو جرائم سے متعلق ہیں یکجا کر دیئے گئے ہیں ۔

اسی طرح باب سوم میں عبادت کا ذکر ہے ۔ وضو اور غسل تیمم اور مسح ۔ اذان ۔ نماز روزہ کے متعلق احکام شرعی بیان کر کے ان کی خوبیاں ذکر کی گئی ہیں ۔ عبادات کے متعلق نصوص قرآنی کا بیان ایک جدا فصل میں ہے ۔

باب چہارم میں شخصی معاملات اور ضابطہ عدالت کا بیان ہے اور اس میں جتنی فصلیں ہیں انکی سرخیاں یہ ہیں ۔ شرکت کاروبار ۔ توریث ۔ وصیت ۔ بیع ۔ ہبہ ۔ وقف بکار خیر ۔ نکاح ۔ مہر ۔ طلاق اور خلع کثرت ازدواج ۔ عقد بیوگان ۔ امہات مومنین ۔ ازواج مطہرات رسول ﷺ عدالتی کارروائی ۔ شہادت ۔ ان تمام فصلوں میں احکام شرع بیان کئے گئے ہیں اور پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ ان سے اچھی صورت انسان کی تمدنی حالت درست کرنے کے لئے ہو نہیں

سکتی اس باب کی سرخیوں سے ظاہر ہے کہ دیگر ملکوں کے قاعدہ سے مسائل اسلامی بہت سی باتوں میں مختلف ہیں اور میرا دعویٰ یہ ہے کہ جس قدر اختلاف ہے اسی قدر دوسری قوموں کی حالت باعتبار تمدن مسلمانان گذشتہ سے خراب ہے بلکہ خود ہماری حالتِ تمدن تو اور بھی خراب ہے اس لئے کہ ہم ان مسائل پر بالکل کاربند نہیں ہیں ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ مجھ کو اپنے دعوے کے ثابت کرنے میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے۔

"حقیقتِ اسلام" سے باب پنجم شروع ہوتا ہے۔ اس میں عقائد اور علمی مباحث ہیں۔ زمانے کی ضرورتوں نے اس کے بیان کرنے پر مجبور کیا ورنہ اس کا جاننا عام مسلمانوں کے لئے ضروری نہیں ہے اور کم استعداد والوں کے لئے اس کا پڑھنا اچھا بھی نہیں ہے اس لئے سیدھے سادے مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ اس باب کا پڑھنا ان کو ضروری نہیں خدا کا شکر ہے کہ وہ بغیر اس کے پڑھے ہوئے راہ راست پر ہیں اس کا پڑھنا صرف ان کے لئے ہے جنکو نئی تعلیم نے مذہب سے برگشتہ کر دیا ہے یا ان کے لئے ہے جو لا مذہبی کو مذہب اسلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ مذہب اسلام خدا کی وحدانیت تعلیم کرنے کے متعلق بے انتہا لطائف رکھتا ہے اور بہت کچھ تسکین خاطر اور دلجمعی کا باعث ہوتا ہے لیکن یہ تعلیم اس کی گو لفظوں میں یکساں ہے معنوں میں یکساں نہیں ہے۔ جاہل۔ عالم۔ وحشی اور مہذب قوموں کے ذہن میں خدا کا وجود ایک طور پر نہیں آ سکتا ان کے سمجھنے کے پیرائے ضرور مختلف ہیں۔ لیکن اصولاً ایک ہیں یعنی صرف وہی ذات جو سب طاقتوں سے بالا ہے قابل پرستش ہے اور اس پرستش سے ہمارے دلوں میں قوت ہوتی ہے اور صبر کی قابلیت پیدا ہوتی ہے جس کو اصطلاح شرع میں نور ایمانی کہتے ہیں کارخانہ قدرت میں سب انتہا لطائف ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں کہ وہ ہر درجے کے آدمی سمجھ سکتے ہیں۔ جس کو سعدیؒ نے یوں نظم کیا ہے ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور بعض باتیں ایسی ہیں جو عام فہم نہیں ہیں۔ علوم پڑھنے اور غیر معمولی تجربہ حاصل کرنے کے بعد سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً مفصلۂ بالا شعر ہر درجے کے انسان کے سمجھنے کا ہے۔ عالم وجاہل شاہ وگدا مساوی طور پر سبز ٹہنیوں کے دیدار سے محظوظ ہوتے ہیں اور صانع مطلق کی صنعتوں کا سبق حاصل کرتے ہیں۔ لیکن پانی کے کیڑوں کا مچھر بن کر اڑنا، ایک مکھی کے جسم میں ہزاروں آنکھوں کا ہونا۔ انسان کے دل میں ایک منٹ کے اندر خون کا سیکڑوں بار گردش کرنا دل ودماغ کا جسم انسانی پر حکمران ہونا۔ طاعون کے سیکڑوں کیڑوں کا ایک سوئی کی نوک پر جمع ہو جانا۔ علم کیمسٹری کے متعلق عجیب وغریب مشاہدات کا ہونا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو عام فہم نہیں ہیں اور نہ اُس کتاب میں لکھنے کی ہیں جو ہر طبقے کے انسان کے لئے نازل ہوئی ہو اس لئے کارخانۂ قدرت کی عام فہم باتیں عمدہ سے عمدہ پیرائے میں جہاں تک مناسب تھا قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے متعلق جس قدر آیات قرآنی ہیں وہ اس کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں ان کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس سے اچھے طور پر نیچرل یعنی فطرتی چیزوں کا بیان نہیں ہو سکتا اور بغور پڑھنے سے ایمان میں استواری ہوگی اور غیر مذہب والوں کے دلوں میں قرآن کے مضامین کی وقعت قائم ہوگی۔ حکمت اور فلسفے کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں تھیں وہ سب میں نے یکجا کر دی ہیں انہیں پڑھ کر غیر مذہب والے بھی معترف ہوں گے کہ حکمت اور فلسفہ کے متعلق اس سے زیادہ جاننا انسان کو درکار نہیں ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے بے انتہا لطف سے کہا گیا ہے۔ بعض قوموں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب عین فلسفہ ہے۔ مذہب اسلام کو عین فلسفہ ہونے کا فخر نہیں ہے بلکہ اس کو اس امر کا فخر ہے کہ فلسفہ کے وہمیات سے وہ پاک ہے ہاں حسن معاشرت اور حسن تمدن کے تعلیم ہونے کا فخر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ فلسفہ کا دشمن بھی نہیں ہے۔ جو لوگ اسے دشمن فلسفہ سمجھتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اس مضمون کا پڑھنا ان لوگوں کے لئے بہت ضروری ہے جو مذہب اسلام کو فلسفہ کا دشمن سمجھ کر سرے سے مذہب ہی کو لغو تصور کرتے ہیں۔ دیکھو اسلام اور فلسفہ صفحہ ۴۹۔

آج کل علم ہیئت لڑکوں کو شروع ہی میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان کو علمی استعداد ہو یا نہ ہو وہ کچھ پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ زمین آسمان کے گرد گھومتی ہے اور اس کے خلاف جو کچھ قرآن میں ہے غلط ہے اس لئے "آفرینش ارض و سما" کی ایک جدا فصل قائم کرکے مجھے سمجھانا ناگزیر ہوا کہ قرآن میں نہ انگریزی آسمان کا ذکر ہے نہ یونانی آسمان کا سیدھے طور پر اس میں بدیہیات سے بحث کی گئی ہے۔ نظام بطلیموسی کے ماننے والے اسے اپنے طور پر سمجھے اور اب نظام شمسی کے صحیح ماننے والے اسے اپنے طور پر صحیح سمجھ سکتے ہیں وہ نہ کسی کے موافق ہے اور نہ مخالف ہے بلکہ ایک طور پر یہ معجزۂ قرآن ہے کہ ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسان کا وہ تشفی دینے والا ہے۔

ایک طرف یہ مشہور ہے کہ جادو برحق ہے اور دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ جادوگر اگر با طاقت ہے تو خدا کی طاقت اور قدرت سب ہیچ ہے۔ یہ دو متضاد باتیں اس وقت کے مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہیں اور دونوں کی سند قرآن ہی سے لی جاتی ہے اس لئے لوگوں کے اعتراضات رفع کرنے اور عقائد صحیحہ کے ظاہر کرنے کی غرض سے سحر (جادو) کی تحقیق مذہبی طور پر میں نے کی ہے آیات قرآنی سے جہاں تک اسے تعلق ہے بحث کرکے دکھایا ہے کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر کوئی کچھ شبہ کر سکے۔

مسئلہ جبر و اختیار، ایک اہم مسئلہ شرع کا ہے۔ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے اسلام میں یہ مسئلہ تمام ادیان سے آسان طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ آیات قرآنی اور اقوال بزرگان دین سے سند لے کر میں نے ایک طور پر اسے بیان کر دیا ہے جس سے امید ہے کہ لوگوں کی تشفی ہو جائے گی۔

قصص قرآنی زائد تر تعلیم اخلاق کے لئے بیان کئے گئے ہیں، قصۃ الاولین موعظۃ الآخرین، میں نے تمام قصص قرآنی کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور حتی الوسع ہر قصہ میں جو حکمت اور نصیحت تعلیم کی گئی ہے اس کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ ان قصوں پر جہاں کہیں بھی

مافوق العادۃ ہونے کا شبہ عائد کیا جاتا ہے وہاں متکلمانہ طور پر بحث کر کے دکھا دیا ہے کہ قرآن کے قصوں پر ہرگز جھوٹ ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا۔

قرآن میں شیطان اور جن کے الفاظ بہت آئے ہیں لیکن کہیں بھی شیطان یا جن کی تعریف نہیں کی گئی ہے۔ بعض صاحب شیطان اور جن کے وجود سے منکر ہو کر قرآن کو نہیں مانتے اور بعض حضرات قرآن کے ذریعے سے دنیا بھر کے اوہام باطلہ کو جن کے مٹانے کے لئے قرآن نازل ہوا صحیح مانتے ہیں اس لئے معترضین کے جواب دینے اور گمراہوں کی اصلاح کرنے کے لئے شیطان اور جن سے جہاں تک قرآن اور سائنس کو تعلق ہے میں نے بحث کی ہے اور کہاں تک میں کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔ لیکن بطور خود میں نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ قرآن پاک پر کسی قسم کا اتہام عائد نہیں ہو سکتا وہ تمام عیوب سے پاک ہے اور جو کچھ اس میں ہے صحیح اور درست ہے۔

اسی باب میں قومی ترقی، ضعف اسلام، مذہبی نفاق، دنیا خوش رہنے کی جگہ نہیں۔ بیت الشباب یعود، موت، لذات دنیا، اچھا برا۔ حرص، خلق الانسان ضعیفا، نطق اور دل و دماغ سے اس کا تعلق، ترک حیوانات، آب زمزم، ہند کے مسلمان، جھاڑ پھونک دعا و تعویذ، اسلام اور غلامی، سود خواری، رسم پردہ، روح اور مسئلہ تناسخ، تجہیز و تکفین، مختلف مباحث پر نصوص قرآنی، مسلمانان ہند کی حالت زار، کی سرخیوں سے مسائل اسلام کی توضیح کی گئی ہے اور ان کے متعلق مباحث درج کئے گئے ہیں سب کی تفصیل دیباچہ میں باعث طوالت ہے اصل کتاب سے معلوم ہو گا کہ ان میں کیا بیان ہے۔ سابق فصلوں کی تشریح جو اوپر کی گئی ہے وہ اس قدر اجمالی علم کے لئے کافی ہے کہ میں نے کیا روش اختیار کی ہے۔

بنی نوع انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مذہب کا اختلاف ابتدا میں اختلاف آرا تھا۔ لیکن پولٹیکل ضرورتوں نے ایک کو دوسرے سے نفرت دلائی۔ اب زمانے

کی روش جداگانہ ہے۔ مذہب پولٹیکل جھگڑوں سے پاک ہے۔ ہر ایک کو گورنمنٹ کی طرف سے اس بارے میں آزادی ہے۔ ذی عقل کا کام ہے کہ مذہب حق کی تلاش کرے اسی خیال نے مجھے یہ جرأت دلائی کہ یہ کتاب میں اپنے بھائیوں کے سامنے وہ یورپ میں ہوں یا ایشیا میں ہوں افریقہ میں ہوں یا امریکہ میں ہوں نہایت خلوص نیت سے پیش کرتا ہوں۔ اے خدا تو میری مدد کر اور اس کتاب کو قبول عام بنا۔

ابوالفضل محمد احسان اللہ

گورکھپور۔ ۵ر جولائی ۱۹۰۲ء

باب

ملکی اور اخلاقی معاملات

فصل ۱

اُصولِ جہانداری

اسلام نے وہ تمام باتیں سکھا دیں جنکا جاننا انسان کو بحیثیت انسان کے ضروری ہے۔ عربوں نے ایک بہت ہی چھوٹی حیثیت سے دفعتًا ترقی پائی۔ چرواہے بغیر کسی تعلیم اور تربیت کے دنیا کے بہترین حصہ پر قابض ہو گئے۔ یکایک عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور پھر مبداء فیاض کی فیاضی نے اُن کو اس مشکل اور غیر مانوس راستے میں جو بصیرت عطا کی وہ بے انتہا حیرت افزا ہے اور عجائباتِ دنیا میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی ابتدائی ترقیوں کے مقابلہ میں دنیا کے تمام عجائبات نظرانداز ہو جاتے ہیں۔

خالی کدو منہ بند کر کے قعر سمندر کے اندر رکھ دیا جائے۔ سیکڑوں فٹ پانی کو وہ منٹوں میں نہیں سکنڈوں میں طے کر کے سطح آب پر آجائے گا بس یہی کیفیت مسلمانوں کی تھی "الحق یعلو ولا یعلی"۔ زمانہ ہجرت تک پیغمبرؐ خدا نے اپنی قوم کو آلائش جہالت سے پاک کرنے میں وہی کام کیا جو تمثیلاً کدو کے اندرونی حصہ کے صاف کرنے میں کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے بعد تمام دنیا میں عرب اس سرعت سے پہنچے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ کاغذ پر ایک قطرہ تیل کا ڈال دیا جائے اور پھر ایک گھنٹہ کے بعد دیکھا جائے ایک مربع فٹ کاغذ تیل سے بھرا پڑا ہے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت مسلمانوں کی ترقی سے ظاہر ہوتی ہے۔ سنہ ہجری کے پہلے

سال میں مسلمانوں کے پاس کوئی کنواں پانی پینے کو یا کوئی جگہ نماز پڑھنے کو بھی مدینہ میں نہ تھی ۔ انتہائے بیچارگی ملاحظہ فرمائیے گویا مادر گیتی کے وہ فرزند ہی نہ تھے اور پھر ۲۳ برس کے اندر انھیں بے چاروں کو دیکھیے تو جنوب میں یمن کا حصہ جنوبی ۔ شمال میں بحر اسود، مغرب میں افریقہ کا ساحل شمالی ۔ مشرق میں حدود ہندوستان ۔ اس وسعت میں بس یہی لوگ نظر آتے تھے ۔ یوں تو چنگیز خاں کے حملے، تیمور کے حملے، بونا پارٹ کے حملے اور اس سے پہلے اسکندر اور بخت نصر کی چڑھائیاں بھی مشہور ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ جو حیرت افزا امر ہے وہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کے اندر وہ جہاں تک پہنچ گئے وہاں کے باشندوں کو اپنا ہمدرد اپنا ہم خیال اور اپنا ہم مذہب بنا لیا ۔ کافروں سے بت پرستی، عیسائیوں سے مسئلہ تثلیث گبروں سے آتش پرستی ۔ ستارہ پرستوں سے ستارہ پرستی ۔ وحشیوں سے رمید گی چھڑا دی ۔ رومیوں کی سلطنت بہت مہذب اور مستحکم خیال کی جاتی ہے ۔ اور ایک حد تک یہ خیال سچ بھی ہے ۔ لیکن تاریخوں کے صفحے الٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صدیاں صرف ہوئی تھیں اور پھر بھی تمام جزئیات اور کلیات میں رومیوں کا قانون اسلامی قانون کا سا مکمل اور مہذب نہیں تھا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیسا زمانہ تھا اور کیسے لوگ تھے ۔ کیسا سچا خیال اور کتنا استقلال ان لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتا تھا ۔ آبائی مذہبوں کو ترک کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن معلوم نہیں کہ کیا منتر وہ لوگ پڑھتے تھے کہ غیر قومیں گویا مسحور ہو جاتی تھیں ۔ منتر صرف یہ تھا کہ اپنے طرزِ عمل سے وہ لوگ دکھاتے تھے کہ مسلمان تمام امور میں دنیا کی بہترین قوم ہیں ۔ مذہب گو اخروی خیال سے زیادہ تعلق رکھتا ہے ۔ لیکن عوام کے سمجھنے کے لئے آخر کوئی ذریعہ چاہیئے بس اس سے اچھا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی دنیوی حالت سے لوگوں پر ثابت کر دیا کہ جو قوم دنیا میں ایسی سچی، ایسی خلیق ایسی باقاعدہ، ایسی منکسر المزاج ایسی بے طمع ہے اس کا حشر کیونکر برا ہو سکتا ہے اور جب اسکا حشر برا نہ ہوا تو اس کے ساتھیوں کا حشر کیونکر برا ہو گا ۔

غرض کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا بیش تیس برس کے اندر کیا۔ اور اس کے بعد اسی کے اثر سے اب تک دنیا میں مسلمانوں کا نام چلا جاتا ہے۔ آج تیرہ سو برس گزر جانے پر اور ہر طور سے مٹ مٹا کر اور گر گرا کر بھی مسلمان اچھے سے اچھا لازوال نمونہ دکھانے کی قابلیت رکھتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ اُس زمانے کے دیگر حکمرانوں کے مقابلہ میں وہ مسلمان بدرجہا اچھے تھے۔ ورنہ وہ حکمران کی حیثیت قائم کیونکر رکھتے۔ اتنا تو بلا کسی حجت کے مانا جاتا ہے۔ مگر ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اگلے مسلمان بہترین حکمران عالم ہوئے ہیں۔ اس وقت کی مہذب گورنمنٹوں سے ان کا مقابلہ کیا جائے جب بھی وہ میزان عدل میں زائد نہیں تو برابر ضرور تلیں گے۔

ہم اپنے دعوے کی تائید میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو پیش کرتے ہیں۔ پیغمبرؐ خدا کو صرف اصول جہانداری کی تعلیم کا موقع ملا۔ آنحضرتؐ کی خودمختارانہ حکومت کا زمانہ دس برس سے بھی کم تھا اور وہ بھی زائد تر عرب کے چند حصوں پر محدود تھا۔ خلیفہ اول کا زمانۂ حکومت قریب دو برس کے تھا اور وہ بھی زائد تر اندرونی اصلاح اور استحکام سلطنت کی تدبیروں میں صرف ہوا۔ اس لئے خلیفۂ اول کو یہ موقع نہیں ملا کہ پیغمبرؐ خدا کے پڑھائے ہوئے سبق کے مطابق حکومت کرکے لوگوں کو عملی طور پر دکھا دیں کہ اسلام نے بادشاہت اور حکومت کے متعلق کیا کیا برکتیں سکھائی ہیں اول اول خلیفۂ دوم کو یہ عزت حاصل ہوئی۔ اور اس لئے جب یہ فیصلہ کرنا ہو کہ اسلام نے امور سلطنت کے متعلق کیا بتایا ہے تو صرف خلیفۂ دوم کے زمانہ حکومت کو سند ماننا چاہیئے کہ اسوقت تک پیغمبرؐ خدا کے پڑھائے ہوئے سبق ان کی امّت بھولی نہ تھی یا بھولی بھی تھی تو بہت کم بھولی تھی۔ پیغمبرؐ خدا نے اپنے وقت ہی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ ترجمہ:۔ میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے اس کے بعد میرے زمانے کے دیکھنے والوں کا پھر ان کے دیکھنے والوں کا۔

مسلمانوں میں ہر طرح کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ فاسق، فاجر، ظالم اور لیٹرے یہ ضروری نہیں کہ برابر معصوموں کے ہاتھ میں عنان حکومت رہی ہو۔ لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ دیگر

قوم کے بڑے سے بڑے بادشاہ سے مسلمانوں کا بڑے سے بُرا بادشاہ نسبتاً اچھا رہا ہے مسلمانوں کے پاس قواعد و ضوابط تھے۔ قرآن ہمیشہ حکم رہا۔ عالم، فاضل فقیہ، قاضی، اچھے برے سبھی طرح کے لوگ تھے۔ بادشاہ برا ہی لیکن اس کے اصلاح کار تو سب برے نہ تھے۔ یہ ایک بڑی بحث ہے۔ تمام تاریخوں کے صفحے الٹے جائیں۔ تمام قوموں کے حالاتِ حکمرانی صحیح صحیح معلوم ہوں فیصلہ کرنے والا منصف مزاج ہو تو بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ مگر جو لوگ بغیر سمجھے مسلمان بادشاہوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اس طرح ضمناً اسلام کی برکتوں پر اعتراض کرتے ہیں ان سے ہم کو صرف یہ کہنا ہے کہ تمام مسلمان بادشاہوں کے حامی نہ ہم ہیں اور نہ کوئی اور مسلمان ہو سکتا ہے۔ کسی مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ فرض نہیں ہے کہ تمام سلاطینِ عالم کی بھلائی برائی کا تصفیہ کرتا پھرے یا اس مسئلہ پر خواہ مخواہ مباحثہ کرتا پھرے لیکن اگر معترضین کا یہ منشاء ہے کہ اسلامی برکتوں پر جہاں تک وہ اصول جہاں بانی سے متعلق ہیں جرح کریں تو ہم کو جواب دینا فرض ہے۔ مگر وہ بھی کچھ بہت نہیں صرف اتنا کہنا کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری پڑھیئے جنکے ذریعے سے اصول جہاں بانی کے متعلق اسلامی برکتوں کا اول اول ظہور ہوا تھا۔

خلیفہ دوم کی سوانح عمری ہمارے کہنے سے کوئی کیوں پڑھیگا اس لئے کچھ بطور نمونے کے یہاں بھی بیان کر دینا چاہیئے کہ دلچسپیٔ مضمون شاید ناظرین کو خلیفہ دوم کے حالات پڑھنے پر جس سے بہت سی اردو کتابیں بھری پڑی ہیں متوجہ کرے۔

خلیفہ دوم جب کسی ملک پر فوج بھیجتے تھے تو نہایت تاکید سے مفصلہ ذیل امور اہل فوج کو سمجھا دیتے تھے۔

۱۔ عورت، لڑکا، بڈھا یا ضعیف مارا نہ جائے۔

یہی اصول اب بھی مہذب قوموں میں ہے۔ ابھی حال کا ذکر ہے کہ جنگ ٹرنسوال میں کردگر اپنی بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ برٹش گورنمنٹ عورتوں اور بچوں سے مزاحم

نہ ہوگی۔

۲۔ ناک کان نہ کاٹے جائیں۔

مہذب ملکوں میں یہ وحشیانہ سزا صرف چند صدیوں سے ناپسند کی جاتی ہے لیکن اسلام نے تیرہ سو برس پہلے اس کی ممانعت کر دی تھی۔

۳۔ عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کئے جائیں اور نہ ان کے عبادت خانے کھودے جائیں۔

اس تہذیب اور شائستگی کے زمانے میں بھی یورپ کی تمام مہذب قومیں اس پر سختی سے عامل نہیں ہیں۔ لیکن اسلام میں تیرہ سو برس سے یہ ممانعت چلی آتی ہے۔

۴۔ کوئی درخت پھل دار نہ کاٹا جائے اور نہ کوئی کھیت جلایا جائے۔

۵۔ کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کی جائے۔

۶۔ مواشی کی کونچیں نہ کاٹی جائیں۔

میونسپل بائی لاءیں تو یہ ممانعت جابجا ضرور ہوگی۔ لیکن فوجی ضرورتوں میں اب بھی اس بدنما بے رحمی کی ممانعت سختی سے کہیں نہ ہوگی۔ اسلام کی تہذیب ملاحظہ فرمایئے کہ جانوروں کے ساتھ بھی وحشیانہ برتاؤ کی ممانعت وہ شخص کرتا ہے جو چند دنوں پہلے خود وحشی تھا۔ اسلام یہ تیری برکت ہے!

۷۔ کوئی کام بغیر صلاح مشورہ کے نہ ہو۔

خلیفہ دوم کوئی کام بغیر صلاح مشورہ کے نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ہرگز خودمختار نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی سوانح عمری پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راستوں میں، گلیوں میں مسجدوں میں ادنیٰ سے ادنیٰ شخص نے بھی ان پر کوئی اعتراض کیا تو نہایت کشادہ پیشانی سے یہ سن لیتے تھے اور ماننے کے قابل ہوا تو نہایت شکرگزاری سے قبول کرتے تھے احکام سلطنت جاری کرنے میں وہ مشورہ کرتے تھے۔ تصفیۂ مقدمات میں اوروں سے استصواب رائے

کر لیتے تھے اور دوسروں کی اچھی رائیں نہایت احسان مندی سے قبول کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی جانشینی کا معاملہ بھی آپ نے شوریٰ پر چھوڑا۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ بیٹے کو نامزد کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ اس کو دوسروں پر کیا ترجیح ہے۔

۸۔ انصاف اور عدل کا برتاؤ رہے۔ کسی پر ظلم اور جبر نہ ہونے پائے۔

یہ خالی خولی ہدایت نہ تھی۔ نہایت سختی سے اس پر عمل کرنے کی تاکید تھی اور خلیفہ دوم ہمیشہ جویاں رہتے تھے کہ کہیں ظلم اور زیادتی تو نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مارشل لاء ضرور جاری رہتا تھا اور بغیر اس کے چارہ بھی نہ تھا۔ مگر دنیا کی تاریخیں اٹھا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ دوم کی فوج میں جس خوبصورتی اور عدل کے ساتھ مارشل لاء جاری رہتا تھا دنیا کی کسی فوج میں آج تک نہ جاری ہوا اور نہ آئندہ جاری ہونے کی امید ہے۔ پیغمبرؐ خدا کے ساتھی فوج میں ہوتے تھے اور بات بات پر حکم خدا اور حکم رسولؐ یاد کرتے تھے۔ ایک بڑا ثبوت ہمارے بیان کا یہ ہے کہ خالد بن ولید ایسے جنرل کو جس کا ثانی تاریخوں میں دوسرا دکھائی نہیں دیتا حضرت عمرؓ نے برطرف کر کے حضرت عبیدہ کو فوج کی سپہ سالاری عطا کی لوگوں نے کہا کہ ایسے لاثانی امیر فوج کو آپ جدا کرتے ہیں۔ خلیفہ دوم نے کہا یہ لیٹروں کا لشکر نہیں ہے مسلمانوں کی فوج ہے جو تلقین دین متین کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اس کی سپہ سالاری عبیدہ ایسے فرشتہ خصلت بوڑھے صحابی کو زیبا ہے۔

۹۔ غیر مذہب والوں سے جو عہد و پیمان کیا جائے وہ وفا کیا جائے۔

اس عہد و پیمان کا بڑا لحاظ ہوتا تھا۔ خراج۔ جزیہ وغیرہ کے معاہدات میں بھی جس سے جو زبان دی جاتی تھی خلیفہ دوم اس میں ذرا بھی بدعہدی گوارا نہیں کرتے تھے۔ جزیہ یا خراج زمین میں بعض بعض مقامات پر غلطی سے بہت رعایت ہو گئی تھی۔ مگر وہ پھر برابر قائم رکھے گئے۔ غازی پور کے ضلع میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حصہ میں استمراری بندوبست ہے وہاں کی مالگزاری سی سالہ بندوبست والی زمین سے بدرجہا کم ہے حکام انگریزی بہ لفاظ

بجا صریح دیکھتے ہیں۔ لیکن ڈنکن صاحب نے جو بندوبست استمراری کر دیا برٹش گورنمنٹ نہایت کشادہ پیشانی سے اس پر قائم ہے اور یہی مہذب گورنمنٹ کی نشانی ہے۔ ناظرین سمجھیں کہ اس طرح پابندی کے ساتھ مسلمان بھی اپنی بات پر قائم رہتے تھے۔

۱۰۔ غیر مذہب والے اطاعت کریں تو ان کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائیں۔ غیر قوموں سے انکی حفاظت کی جاوے اور تمام معاملات میں یہ مثل مسلمانوں کے سمجھے جائیں۔

ایک مہذب گورنمنٹ سے اور کیا چاہیئے۔ معاملات دنیا میں مومن اور غیر مومن کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف غیر مذہب والوں سے جزیہ لیا جاتا تھا۔ لیکن جزیہ لینے کے صلے میں جو احسان ان پر ہوتا تھا وہ جزیہ سے بہت زائد ہوتا تھا۔ تمام مسلمان فوجی سپاہی تھے غیر مذہب والے اس پابندی سے بری تھے اور صرف بری ہی نہ تھے بلکہ مستحق اس کے تھے کہ بوقت ضرورت اپنی جان و مال کی حفاظت مسلمانوں سے کرائیں۔ مسلمان گلا کٹائیں اور مفتوح قومیں بیٹھی ہوئی تماشہ دیکھیں اور اس کے صلہ میں وہی جزیہ کی رقم ادا کریں۔ دینے والوں کے لئے تو خفیف رقم تھی اور لینے والوں پر کتنی سخت ذمہ داری تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں پر ایک اور ذمہ داری تھی جس سے غیر مذہب والے بری تھے۔ یعنی متمول مسلمان چالیس روپے پر ایک روپیہ سالانہ زکوٰۃ دیتے تھے اور غیر مذہب والے اس سے مستثنیٰ تھے۔ خلاصہ یہ کہ پرانے زمانے کی کوئی مہذب گورنمنٹ اپنی مفتوح قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ نہیں کرتی تھی۔ انصاف کی عینک لگا کر تاریخ کے صفحات الٹے جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ اپنی خوبیوں میں مسلمان سب سے الگ تھے۔ یہ غلط ہے کہ مسلمانوں نے بزور تلوار لوگوں کو مطیع کیا۔ یہ محض ان کا حسن اخلاق تھا جس نے مفتوحین کو ان کا فرمان بردار بنا رکھا تھا۔ انگریزی مثل ہے کہ "زن خادمہ شوہر پر حکمرانی کرتی ہے"۔ اگر مسلمان حکمران تھے تو اپنی خدمت کے صلہ میں اور معزز تھے تو صرف اس لئے کہ دوسروں کی

خدمت کرتے تھے۔ اشرف القوم خادمہم۔ (خادم قوم سردار قوم ہوتا ہے) عربی مثل ہے
زائد توضیح کے لئے "اسلام اور سیف" کا مضمون دیکھئے۔ یہاں صرف یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو
آرام اس وقت کی مفتوح قوم کو تھا وہ فاتحوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں تھا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں
کے غلاموں کو بھی وہ آرام تھا جو آقاؤں کو نہ تھا۔ دیکھئے "غلاموں کی حالت۔ غرض کہ دوسروں
کو مجبور اور مطیع کرنے میں جو کچھ کیا اسلام کے حسن اخلاق نے کیا۔ نہ کہ زور تلوار نے۔

این ہمہ مستی و بے ہوشی نہ حد بادہ بود
با حریفاں ہر چہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

۱۱۔ لڑائی دفعتہً شروع نہ کی جائے۔ بلکہ سمجھانے بجھانے کے بعد۔

اس کی پوری تصریح "اسلام اور سیف" میں مذکور ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا کافی ہے۔ کہ
مسلمان جب چڑھائی کرتے تھے تو پہلے پیغام بھیجتے تھے۔ اور لڑائی شروع ہونے کے قبل بھی
رفع حجت کرتے تھے۔ مسلمانوں کا حملہ وحشیانہ یا مجرمانہ نہ ہوتا تھا۔ وہ کہلا بھیجتے تھے کہ تم انتظام
کرنے کے قابل نہیں ہو۔ مظالم سے تمہارا ملک بھرا ہوا ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ہمارے
ہم خیال ہو کر ہماری طرح تم بھی بہبودی خلائق میں کوشش کرو۔ اگر تم ایسا کرنے پر راضی ہو تو
ہم تم کو اپنا بھائی بنانے پر راضی ہیں اور اگر تم سے یہ بار نہیں اٹھتا تو آرام سے بیٹھو اور ہم کو
خدمت کا موقع دو۔ اور اس قدر ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم پچھلی صورت میں کسی طرح تمہاری
حالت سے اچھی حالت دنیاوی زندگی کی اختیار نہ کریں گے۔ تمہارا عیش و آرام ہر حالت میں
ہمارے عیش و آرام سے بڑھا ہوا رہے گا۔

اب یہ کوئی راز نہیں رہا کہ اس زمانے کے بعض تعلیم یافتہ ہندو مسلمانوں سے ناخوش رہتے
ہیں۔ مسلمانوں کی تمام گزشتہ خوبیاں بھلا کر صرف انکی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ اور غلطی سے شخصی
عیوب کو قومی عیوب سمجھتے ہیں۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعض تاجداران کے برتاؤ
ہندوؤں کی عبادت گاہوں کے ساتھ جیسے ہوئے وہ ضرور ناپسندیدہ تھے۔ مگر وہ

اس لئے نہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک ناپسندیدہ تھے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ حضرت عمرؓ کی ہدایتیں جو اوپر بیان کی گئیں ان کے خلاف تھے ہنود اگر صرف ان افعال شکایتی کو برا سمجھتے تو بیجا نہ تھا۔ غضب تو یہ ہے کہ ان افعال کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی قوم کی قوم کو برا سمجھنے لگے۔

" ہند اور اہل اسلام" کے نام سے جو مضمون ہم نے لکھا ہے اس میں خود ہم نے اسلامی نظر سے ان حملہ آوروں کی شکایت کی ہے۔ اور ان میں سے بعض حکمرانوں کے مسلم ہونے پر بھی شک کیا ہے۔ ہی خواہان قوم سے یہ درخواست ہے کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کو یہ دو مضامین پڑھ کر سنائیں اور اچھی طرح سمجھا دیں کہ پچھلے قصوں کو یاد کر کے اپنے اور ہمارے دلوں کو دکھانے سے کیا حاصل ہے اور اگر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں اور صحبت گزشتہ کے لطفوں کو بھلا کر صرف بے لطفیوں کا یاد رکھنا اور اس طرح تفرقہ کی بنیاد کو روز بروز مستحکم کرنا تعلیم و تربیت کا ماحصل سمجھیں تو مجبوری ہے۔ ہمارا بھی خدا حافظ ہے۔ ظالموں کو ہم ان سے بھی زائد برا کہنے کو تیار ہیں۔ اور وہ نہیں مانتے تو ہمارا کیا بگڑے گا۔ جس تعلیم نے سوائے تعصب کے کچھ نہ سکھایا۔ اس تعلیم سے بے تعلیم ہی رہنا اچھا تھا۔ ہمیں جاہل کہتے ہیں اور خود جہالت کرتے ہیں۔ بہر حال ہم تو خاطی ہیں سنے گا کون۔ لیکن یاد رہے کہ اس طرح تو تو میں میں سے قوم کی حالت کسی طور سے نہیں سدھرے گی۔ قومی ادبار کی یہ علامتیں ہیں کہ جو (تعلیم یافتہ ہنود) ذرا ابھرے تھے وہ بھی ان لغویات میں آ پھنسے افسوس صد افسوس۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے انتظامات اور اس طرح اسلامی پالیٹکس کچھ اور سنیئے اور اسلامی برکتوں کا اندازہ کیجئے۔

یہ لکھنا بے موقع نہیں کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ حضرت عمرؓ کو بہتر صحابیٔ رسولؐ نہیں بلکہ بدترین سمجھتا ہے۔ اس وقت ہم کو باہمی نزاعوں کا فیصلہ کرنا نہیں ہے اور نہ کبھی یہ لاطائل بحثیں مذہبی مضامین میں جگہ پانے کے لائق ہیں۔ ان خانہ جنگیوں اور شکر رنجیوں کو جو ایک طور پر گھر کا جھگڑا تھا تیرہ سو برس کے بعد میدان بیان میں لانا نہ مصلحت وقت

ہے اور نہ مناسب حال ہے اور نہ کوئی ضرورت لاحق ہے کہ خواہ مخواہ بھی یہ مباحث چھیڑے جائیں اس وقت غیر قوموں کو اسلامی پالٹیکس کا نقشہ دکھانا ہے اور اس لئے اگر غیر قوم سے یہ کہا جائے کہ آنحضرتؐ کے ایک ادنیٰ شاگرد نے قوت پاکر یہاں تک اسلامی برکات پھیلائے ہیں تو ایک طور پر شاعرانہ خیال سے ہمارے مضمون میں اور بھی رونق آجائے گی اور جو کچھ ہم لکھیں گے وہ اور بھی باا ثر ہوگا جب اسلام کے دونوں فرقے اس بارے میں ہم زبان ہوں گے تو زائد خوشنما صورت بیان کے لئے پیدا ہوگی اور اس کتاب کی اصل غرض یعنی اشاعت اسلام میں مدد ملے گی۔

حضرت عمرؓ جب کوئی عامل (صوبہ دار یا گورنر) مقرر کرتے تھے تو اس کو مفصلہ ذیل ہدایتیں ضرور کرتے تھے۔ اور ایام حج میں جب اطراف عالم کے مسلمان جمع ہوتے تھے تو تحقیقات کرتے تھے کہ عاملوں نے ان کی ہدایتوں پر عدم توجہی تو نہیں کی۔ موسم حج میں مسافروں سے مل کر تمام بلاد اسلام کے حالات وہ اس طرح دریافت کر لیتے تھے جو دیگر حکمرانوں کو سالانہ دورے سے بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ وہ صرف استفسار حال ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ رعایا کو آزادی سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ عاملوں کی ناجائز خواہشیں پوری نہ کرنا۔ رشوتیں کبھی نہ دینا اپنے حقوق کو خوب پہچاننا۔ ایک خودمختار بادشاہ رعایا کو آزادی کا سبق دیتا ہے اور اسلام کے مضبوط اصول پر بھروسہ کرکے مطمئن ہے کہ حکومت میں کہیں سے ضعف نہ آئے گا بلکہ اس کو اور استواری حاصل ہوگی۔ یہ حضرت عمرؓ کے عہد سلطنت کی خصوصیات سے ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل عجائبات دنیا سے ہے۔ اسلام کی کن کن باتوں پر غور کیا جائے ہر ایک بجائے خود کارخانۂ طلسم ہے۔ مذہب اسلام کے ساتھ خاص فیضانِ الٰہی نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اسلام کو دین خدا یا مذہب ربانی کہتے ہیں۔

وہ ہدایتیں یہ ہیں۔

۱۔ چوب دار اور حاجب نہ رکھنا نہ کسی مستغیث کو آنے سے روکنا۔

یہ حکم نہایت بیدار مغزی اور اصول جہاں بانی پر مبنی ہے اس مہذب زمانے میں بھی جب

اصول تمدن بہت بدل گیا ہے اس ہدایت کا ایک جزو عدالتی ضابطوں میں پایا جاتا ہے کہ در عدالت ہر وقت کھلا رہتا ہے اور بقدر گنجائش مقام عدالت میں لوگوں کا گھسنا روا رکھا جاتا ہے کوئی ممانعت نہیں کی جاتی ۔

۲۔ کوئی استغاثہ کرے تو اس کو سننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لے کر نزاع کا فیصلہ کرنا ۔

یہ ہدایت کارروائی عدالت اور طریقہ شہادت کے متعلق ہے ان چند لفظوں میں جس قدر اصلاح قوم اور عدل گستری شامل ہے وہ خاص اسلام کا حصہ ہے۔ مزید واقفیت کے لئے وہ مضمون پڑھنا چاہیئے جو "شہادت" کے ذیل میں مندرج ہے ۔

۳۔ مقدمات جلد فیصلہ کرنا ایسا نہ ہو کہ کام میں تاخیر ہونے سے مدعی اپنا دعوٰی چھوڑ بیٹھے ۔

اس اصول پر عمل نہ ہونے سے عدالت میں حق رسی کے لئے جانا بار ہو جاتا ہے۔ جن کو مقدمات لڑنے پڑتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تعویق سے کیسی سوہان روح ہوتی ہے۔ آج کل کی مہذب گورنمنٹ کی طرف سے بھی جلد فیصلہ کرنے کے لئے برابر حکام ماتحت کو تاکیدیں ہوتی ہیں ممالک مغربی وشمالی کا تو ہمیں تجربہ ہے کہ عدالت ماتحت کے تمام حکام نالاں رہتے ہیں کہ ہائی کورٹ انصاف کرنے نہیں دیتی۔ جلد فیصلہ چاہتی ہے تو اچھا کام کیونکر ہو۔ مگر ہمارے نزدیک یہ شکایت نہایت بیجا ہے اور ہائی کورٹ کی تاکید نہایت مستحسن ہے۔ حکام ماتحت اہل مقدمہ کی تکلیف کی پروا نہیں کرتے اپنے خیالی انصاف پر مرتے ہیں۔ محنت نہ کریں گے تو کم بھر انصاف نہ کر سکیں گے ۔ اور محنت کریں گے۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں گے تو کسی طرح دوران نہ بڑھے گا اور نہ انصاف میں خلل واقع ہوگا ۔

۴۔ تحریم حلال اور تحلیل حرام لازم نہ آتا ہو تو باہمی مصالحہ کو منظور کرنا ۔

اسلام میں تمام نزاعیں اور اکثر جرائم قابل راضی نامہ ہیں موقع موقع سے ہر ایک کا بیان

کیا جائے گا۔

۵۔ متخاصمین پر سختی، درشتی، اور غصہ نہ کرنا۔

۶۔ رعب قائم رکھنا مگر اتنا نہیں کہ جبر کی حد تک پہنچے اور اخلاق برتنا مگر اتنا نہیں کہ بد رعبی پیدا ہو جائے۔ یعنی خودداری کا خیال رکھنا۔

۷۔ ہمیشہ عدل کرنا اور حق حق دار کو پہنچانا۔

حضرت عمرؓ کے وقت میں جا بجا یہودیوں، عیسائیوں، کافروں کے مقابلہ میں لڑائیاں چھڑ گئی تھیں اور ہر جگہ مارشل لاء جاری تھا۔ لیکن اغراض عدالت کے لئے مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں جب امن قائم ہو گیا اسلامی حکومت مستحکم ہو گئی۔ ملک غیر آئین ملک آئین قرار پا گیا تب اس کہنے کی بھی ضرورت نہیں رہی کہ مسلم اور غیر مسلم میں کچھ فرق نہ کیا جائے لوگوں کے خیال میں بھی نہیں آتا تھا کہ اس قسم کا تفرقہ کیا چیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ سابق مسلمان جہاں پہنچے وہاں کے باشندے مسلمانوں پر جان فدا کرنے لگے اور اپنے آبائی مذہب چھوڑ کر اخوت اسلامی میں شریک ہوتے گئے۔ ہندوستان کے سے مسلمان اس وقت نہ تھے کہ یا تو تالیف قلوب پہ جھکے تو خود اکبر کی طرح ہندو بن بیٹھے اور پھر تلافی مافات کی فکر ہوئی تو اورنگزیب کی صورت میں آ کر اطاعت شعار ہندوؤں کی پرستش گاہوں کو مسمار کرنا چاہا دل کی تسخیر نہ ہو سکی تو سنگ وخشت کی تسخیر پر کمر باندھی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے وقت میں اسلام کو ایک ڈراونی صورت کی چیز بنا کر سامنے کھڑا کر دیا اور اپنے مابعد زمانے کے لئے دو زبردست ہمسایوں میں کھٹ پٹ کرا دینے کے اسباب ہمیشہ کے لئے فراہم کر دیئے۔ عالمگیر کی مجبوریاں آئندہ بیان کی جائیں گی۔

یہاں تک تو ہم نے شخصی ذکر کیا۔ اب آگے وہ اصول لکھتے ہیں جن پر تمام مسلمان بالتخصیص کرمذہبًا پابند رہنا چاہیئے۔ اور خلفائے اربعہ کے وقت میں جن پر نہایت درجہ پابندی کی گئی تھی۔

۱۔ مسلمانوں کی بادشاہت شخصی نہ تھی۔ جمہوری تھی۔ اصطلاح شرع میں اسے اجماع کہتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے اپنے مرنے کے وقت یا اس سے قبل کسی کو اپنا ولیعہد نہیں مقرر کیا تھا۔ حضرت علیؓ کی نسبت انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنی رائیں ظاہر کیں جیساکہ شیعہ مذہب کے مسلمان سمجھتے ہیں مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ اعلانیہ طور پر آنحضرتؐ نے ان کو ولی عہد مقرر نہیں کیا اور اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ نے شخصی سلطنت ناپسند کی اور سلطنت میں توریث بھی قائم نہیں رکھی بعد انتقال آنحضرتؐ کے جماعت نے (وہ جماعت ہلکی ہو یا بھاری) حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا انتخاب گو سرسری تھا۔ اور مقتضائے وقت بھی وہی تھا۔ لیکن بعد کو سب نے اسے پسند کیا حضرت ابوبکرؓ صاحب اولاد تھے لیکن انھوں نے حضرت عمرؓ ایک غیر شخص کے خلیفہ ثانی ہونے کی نسبت اپنی رائے ظاہر کی اور تمام لوگوں نے اسے پسند کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے لائق بیٹوں کے ہوتے ہوئے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور کہاکہ یہی مجلس خلیفہ نامزد کرے گی اپنے بیٹے کو اس مجلس میں بھی حضرت عمرؓ نے شریک ہونے نہیں دیا۔ بعض خوشامدیوں نے حضرت عمرؓ کو بیٹے کا خیال دلایا۔ آپ نے فرمایا بیٹے کا کوئی حق مرجح نہیں ہے۔ مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جیتے جی اپنی اولاد کو نامزد نہیں کیا۔ اور نہ ان کو کبھی ایسا خیال تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت علیؓ کے بعد اتفاق سے ان کے بیٹے امام حسنؓ خلیفہ ہوئے مگر لوگوں کے انتخاب سے خود حضرت علیؓ نے ان کو نامزد کرنے سے صریح الفاظ میں انکار کیا تھا۔ ان حالات کے بعد واضح ہے کہ اسلام نے شخصی سلطنت ناپسند کی ہے اس کے خلاف عملدرآمد ہوا تو اسے اسلامی عملدرآمد نہ سمجھنا چاہیئے۔ امیر معاویہؓ نے پہلے پہل اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تو کبائر اسلام اس کو بدعت سمجھے اور کہنے لگے کہ شاہان عجم کی تقلید ہے۔

۲۔ بادشاہ خودمختار نہ ہوتا تھا بلکہ وہ احکام شریعت کا پابند ہوتا تھا۔ اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ جب وہ اصول انتخاب سے مقرر ہوتا تھا تو عوام کو اپنا

مقرر کرنے والا سمجھ کر ان سے دبنا تھا اور دوسرے یہ کہ قانون بنانا اس کا کام نہ تھا۔ قانون بن چکا تھا اسی قانون کو کسی قدر ضروری ترمیم کے ساتھ کہ اصول میں فرق نہ آئے وہ برتتا تھا یہ اصول رومن لا کے اصول سے بالکل جدا ہے۔ اس لا میں بادشاہ کا کام ہے قانون بنانا۔ حتیٰ کہ قانون کی یہ تعریف ہے کہ بادشاہ کا ہر حکم جو بالواسطہ یا بلا واسطہ صادر ہو قانون ہے۔ لیکن اسلام میں قانون سے مراد ہے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی قائم کی ہوئی شریعت اور بادشاہ کا کام ہے کہ رسولؐ کی نیابت سے اس کا نفاذ کرے۔

۳۔ رعایا اپنے حقوق میں نہایت آزاد تھی۔ اس وقت تمام مہذب ملکوں میں رعایا کی آزادی بڑھی ہوئی ہے۔ مگر اگلے مسلمانوں میں جو آزادی تھی وہ اس سے کہیں بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ اور ان کی تمام کامیابیاں اسی آزادی کی بدولت تھیں۔ قرآن میں حکم ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واُولی الامر منکم" ترجمہ:۔ اللہ رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ اگلے مسلمان قرآن پر عمل کرتے تھے جو حدیث ان کے نزدیک صحیح معلوم ہوتی تھی اس کو سنتے تھے۔ جائز امور میں حاکموں کی اطاعت کرتے تھے اور نہایت بے فکری اور آزادی سے بسر کرتے تھے۔

آزادیٔ رعایا کی ایک نقل قابل سننے کے ہے۔ حضرت عمرؓ رات کو گشت کرتے ہوئے ایک مکان کے قریب پہنچے۔ گانے کی آواز کانوں میں آئی۔ سمجھے کوئی مجرم ہے اور اندر چلے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک عورت جام شراب سامنے رکھے ہوئے بیٹھی ہے۔ جرم شراب خواری میں آنحضرتؓ نے اسے پکڑنا چاہا۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے ایک جرم کیا تو آپ نے تین جرم کئے ہیں۔ خدا کہتا ہے "لاتجسسوا" ترجمہ:۔ تجسس کرتے ہوئے نہ پھرو۔ تم تجسس کرتے ہو۔ خدا کہتا ہے "لیس البران تاتو البیوت من ظہورہا" عقب مکان کی راہ سے کہیں نہ جانا چاہیئے۔ تم نے دروازہ بند پایا تو پشت مکان سے گھس آئے۔ پھر خدا کہتا ہے "لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم" اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر نہ جاؤ۔ اور تم بغیر میری اجازت کے میرے گھر میں چلے آئے حضرت عمرؓ نادم ہوئے اور چپکے سے چلے آئے۔

۴۔ مجلس شوریٰ سے استصواب کرلینا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بہت سختی سے عمل کیا تھا اور اسی لئے ان کا زمانہ بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔ قرآن میں مرقوم ہے "شاورہم فی الامر فتوکل علی اللہ" ترجمہ:۔ یعنی کوئی کام کرنا ہو تو مشورہ کرلو اور جب قصد ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

۵۔ ملک کی آمدنی سے بادشاہ کو بقدر ضرورت لینا چاہیئے۔ خلفائے اربعہ اس پر بہت سختی سے پابند رہے۔ حضرت عثمانؓ گھر کے مالدار تھے انھوں نے شاید کچھ لیا ہی نہیں۔ آجکل مہذب ملکوں میں بھی پریذیڈنٹ یا بادشاہ کے خرچ کی ایک تعداد مقرر رہتی ہے۔ بعض دیگر شاہان اسلام بھی اس کے پیرو تھے۔ اور بعض تمام خزانے کو اپنے اوپر وقف سمجھتے تھے۔ اچھے برے سب میں ہوتے ہیں۔ سند کے وقت اچھوں کا ذکر کرنا چاہیئے نہ کہ بروں کا۔

۶۔ لشکر کشی کے وقت مسلمان نہایت مراعات اور حسن سلوک مدنظر رکھتے تھے آج کل اخباروں میں چین کے حالات چھپ رہے ہیں۔ وہاں تمام مہذب سلطنتوں کی فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ لیکن وہاں کے باشندوں کے ساتھ جو رعایت انگریز کرتے ہیں۔ وہ روس اور جاپان باوجود حق ہمسائگی کے نہیں کرتے اور کیا عجب ہے کہ اسی حسن سلوک کی بدولت انگریزوں کا اثر وہاں سب سے زائد ہو انگریزوں کا ملک کیا ہے ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ ان کے مقبوضات جو کچھ ہیں غیر غیر ملکوں میں ہیں لیکن ان کے حسن سلوک کا یہ نتیجہ ہے کہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ یہی کیفیت کبھی مسلمانوں کی تھی کہ عرب سے نکلتے ہی انھوں نے دنیا مسخر کرلی۔ محض تلوار سے نہیں مگر زائد تر اپنے حسن قانون سے اور اچھے برتاؤ سے۔

فصل نمبر ۲

ہند اور اہلِ اسلام

ہند کے مسلمان اچھے تھے یا برے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اپنے زمانہ حکومت میں وہ مذہب اسلام اچھی طرح رائج نہ کر سکے ۔ اس مقام پر ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا ملکی مذہب اسلام کیوں نہ ہوا۔ اور اس لئے سب سے پہلے یہ لکھنا چاہیئے کہ اسلام اپنی پوری روشنی میں کب تھا۔ ملکی فتوحات کے اعتبار سے تو وہ اب بھی جا بجا موجود ہے اور افراد شخصی کے لحاظ سے اس گئی گذری حالت پر بھی دنیا مسلمانوں سے خالی نہیں ہے۔ لیکن ہم سچے اسلام سے وہ ذوق اور شوق مراد لیتے ہیں جو رسول اللہ نے اپنے کلام اور فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں میں ایک خاص طور پر پیدا کر دیا تھا۔ ہر شخص اس وقت دنیا کو محض دینی اغراض کے لئے کام میں لاتا تھا۔ مذہبی اغراض کے مقابلہ میں دنیاوی اغراض کو ہیچ جانتا تھا۔ تمام مسلمان ایک دل ایک فریق ایک گروہ سمجھے جاتے تھے گھنٹہ بھر پہلے جو مسلمانوں کے نزدیک کشتنی تھا وہ قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ ہی بھائی ہو جاتا تھا۔ بھائیوں میں جھگڑے ٹنٹے بھی ہوتے ہیں اس لئے یوں کہیئے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کا جزو بدن ہو جاتا تھا۔

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دیگر عضوہا را نماند قرار

ایک ہیں کے ٹوٹنے سے سارے بدن میں درد ہوتا ہے اور جسم میں کسی ایک مقام کے سہلانے سے تمام جسم کو آرام ملتا ہے بس یہی کیفیت ابتداء میں مسلمانوں کی تھی کہ ایک مسلمان کی خوشی کا اثر تمام مسلمانوں پر پڑتا تھا اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کی ناخوشی سے تمام قوم متاثر ہو جاتی تھی۔ جب تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی ہم کہتے ہیں کہ اسی وقت تک دنیا میں سچا اسلام تھا یعنی اس وقت اکثر مسلمان اس سبق کو ذرا بھی بھولے نہ تھے۔ جو رسولِ عربی نے پڑھایا تھا۔ اس کے بعد قوم اس اعلیٰ صفت سے متصف نہ رہی جس پر مسلمانوں کو ناز تھا اور ناز ہے۔ جس طرح ہر قوم میں اچھے برے ہوتے ہیں اسی طرح مسلمانوں میں بھی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور آئندہ ہوتے رہیں گے لیکن پھر بھی جب تک قرآن مسلمانوں کا دستور العمل رہا اپنے قانون کے اعتبار سے یہ خیر الامم سمجھے گئے۔

مفصلہ بالا تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کے اچھے دنوں کو ہم دو حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ جب سچے اسلام کا وجود دنیا میں تھا۔ اور دوسرا وہ زمانہ کہ طبیعتوں میں کچھ اختلاف تھا اور دلوں میں برائیاں پیدا ہو گئی تھیں لیکن قرآن کو دستور العمل اور پولیٹکل قانون جاننا عام طور پر شعائرِ اسلام سمجھا جاتا تھا۔ پہلا زمانہ افسوس ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک قائم رہا اور دوسرا زمانہ اس وقت تک تھا جو عام طور پر مسلمانوں کی ملکی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کا پہلا زمانہ تینتیس ۳۳ برس قائم رہا سنہ ہجری سے دس گیارہ سال یعنی حیاتِ رسولؐ تک اور اس کے بعد کوئی ۲۳ سال کے قریب خلفائے راشدین کا وقت یعنی حضرت عثمانؓ خلیفۂ ثالث کے آخر زمانے کی بدنظمیوں سے پہلے پہلے۔ یہ ۳۳ برس کا زمانہ ایسا تھا کہ ہبوطِ آدم سے نہ اب تک ہوا اور نہ مسلمانوں کے عقیدے کے موافق آئندہ ہونے کی امید ہے۔ ۳۳ برس کے بعد کوئی برا مانے یا بھلا پیغمبرِ خداؐ کے سبق اکثر صحابہ فراموش کر چکے تھے جب تابعین اور تبع تابعین

کا زمانہ آیا ان ابتدائی ۳۳ سالوں کے مقابلہ میں نہایت ہی برا اور پرآشوب سمجھا گیا تو مابعد کے وقتوں کا کیا تذکرہ ۳۳ھ کے بعد جو لڑائیاں مسلمانوں نے کیں ان میں مورخوں کے نزدیک خود غرضیوں کو زیادہ تعلق تھا۔ مسلمان مسلمان سے لڑے جن میں سے ایک فریق کو برسرخطا ماننا پڑتا ہے۔ چند لڑائیوں کو باہمی غلط فہمیوں کے حوالے کرتے ہیں۔ لیکن پھر آگے چل کر مورخوں کو صاف صاف کہنا پڑتا ہے کہ دنیا کے مقابلہ میں دین کا خیال رکھنا بشری طاقت سے باہر ہے رسول اللہؐ کا زمانہ ایک عجیب، قدرت کا زمانہ تھا۔ خدا کو دکھانا تھا کہ انسان سے بھی فرشتوں کے کام لئے جا سکتے ہیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳ھ کے بعد مسلمانوں کے اخلاق میں کمی پیدا ہوئی۔ یعنی عام مسلمان قابل ستائش نہ رہے بلکہ یہ ڈھونڈنا پڑا کہ کون حق پر ہے اور کون جادۂ اعتدال سے گرا ہوا ہے۔ تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۳۳ھ تک جہاں جہاں مسلمان پہنچ سکے وہاں آج بجز اسلام کے اور کوئی دوسرا ملکی مذہب نظر نہیں آتا۔ اب ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد کچھ شبہ نہیں رہتا کہ ۳۳ برس قبل جو اوصاف مسلمانوں میں تھے وہ بعد ازاں باقی نہیں رہے۔ یعنی جو وصف قوم میں پہلے تھا وہ بعض افراد قوم کے ساتھ مختص ہو گیا۔

ملکی اور مذہبی پیشوائی ۳۳ھ تک ایک شخص میں تسلیم کی جاتی تھی۔ پہلے رسول اللہؐ دو جہان کے پیشوا سمجھے جاتے تھے اس کے بعد امر خلافت میں کچھ تھوڑے سے اختلاف کے بعد عام مسلمانوں نے یہ تسلیم کیا کہ خلیفہ اول کا فعل چونکہ سنّت نبوی کے خلاف نہ تھا اس لئے وہ دینی اور دنیاوی امور میں پیشوا ہیں یہی خیال لوگوں کا خلیفہ ثانی کی نسبت بھی تھا۔ خلیفہ دوم کو اخیر تک اور انکے بعد خلیفہ سوم کو جب تک مروان کی مداخلت سے بے لطفیاں پیدا نہیں ہوئیں لوگ ایسا ہی سمجھتے رہے اس کے بعد جو فتنے برپا ہوئے وہ تاریخوں میں بیان کئے گئے ہیں یہاں ان کے لکھنے کا موقع نہیں ہے۔ اب مسلمانوں کے دو فرقے ہوئے ایک وہ جس نے دنیاوی امور کو دینی معاملات سے الگ کر کے عزلت گزینی اختیار کی اور دوسرے فرقہ

نے دین اور دنیا کو اسی طرح ساتھ رکھنا چاہا جس طرح وہ اب تک دیکھتا آیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے پڑھائے ہوئے سبق کو بھول چلا تھا اس دوسرے فرقہ میں کچھ لوگ تو سچے دل سے دین اور دنیا کا ساتھ چاہتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ فی الواقع وہ اس خیال کے نہ تھے محض دنیاوی طمع سے وہ خود کو ایسا ظاہر کرنا ترقیوں کا سبب سمجھتے تھے۔ پچھلے گروہ کی ان دو ضمنی تقسیموں نے غضب ڈھایا۔ ظاہر میں دونوں کی غرضیں ایک اور دلوں میں زمین آسمان کا فرق۔ اس پولیٹکل گروہ کے اختلاف سے مسلمانوں میں ایسی خونریزیاں ہوئیں کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ دفعتاً مسلمانوں کی کایا پلٹ کیوں ہوگئی تھوڑے دنوں کے بعد گروہ ثانی کا فرقہ اول بالکل معدوم ہوگیا صرف فرقہ ثانی رہ گیا جس کی غرض دنیا کے لئے دین کا بیچنا اور دین کو بے وجہ بدنام کرکے اس کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرنا مقصود رہا تلوار خزانہ اور حکومت سب ان کے ہاتھ میں تھی گروہ اول جس نے دنیا کو لات ماری تھی نان شبینہ کا محتاج تھا اور بالکل ان کے بس میں تھا اس پولیٹکل گروہ کے لوگوں میں جتنا نور ایمان تھا اتنی ہی روشنی یہ بلاد مفتوحہ میں پھیلا سکتے تھے زیادہ کہاں سے لاتے۔

مختصر یہ کہ پہلی صدی کے اندر ہی اندر صوفیوں، عالموں، قاضیوں، محدّثوں، اور فقیہوں کا گروہ الگ ہوگیا۔ اور ظالموں، لیٹروں اور لامذہبوں کا گروہ جدا قائم ہوگیا۔ فرماں رواؤں کی جماعت اسی پچھلے گروہ سے پوری کی جاتی ہے۔ اس میں بعض بعض وقت اعلیٰ درجے کے لوگ بھی تھے۔ مثلاً عمر بن عبدالعزیز دمشق میں۔ ناصرالدین محمود ہندوستان میں لیکن الشاذ کالمعدوم۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کب آیا۔ افغانستان تک اسلام ۳۱ھ تک آچکا تھا۔ دیکھ لیجئے کہ وہاں کا ملکی مذہب اسلام ہے۔ ہندوستان کی حالت سنئے کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے وقت میں کچھ مسلمان جہاز کے ذریعے سے سندھ میں آئے اور چلے گئے ان کے آنے کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی کچھ لوگ اس کے بعد تحقیق حالات کے لئے آئے اور دیکھ

بحال کر واپس گئے۔ مستقل طور پر اس ملک کو بلاد اسلام میں شامل کرنے کے لئے پہلی صدی کے اخیر میں محمد بن قاسم آیا۔ یہ وقت ولید ابن عبدالملک خلیفہ دمشق کا تھا۔ مسلمانوں میں ۳۳ھ کے بعد جو نفاق کی آگ بھڑکی تھی وہ اب ایک طور پر بجھ گئی تھی۔ خیر سلاطین عجم کی سی کیفیت بادشاہوں میں چلی آتی تھی مگر فتوحات کا شوق پھر ان میں تازہ ہو چلا تھا۔ محمد بن قاسم کا ہندوستان میں آنا اشاعت اسلام کی غرض سے نہ تھا یا یہ کہیئے کہ اشاعت اسلام اس کا مقصود ضمنی تھا۔ اصلی غرض توسیع سلطنت تھی۔ اب تک مسلمانوں میں سنت نبوی کی کچھ بو باس باقی تھی۔ اس کا آنا کسی غرض سے ہو لیکن لڑائی کی ابتدا اس نے مذہبی طریقہ سے کی۔ یعنی راجہ داہر والئی پنجاب کے پاس اس نے کہلا بھیجا کہ تم مسلمان ہو جاؤ یعنی قرآن کو اپنے ملک کا قانون قرار دو کہ بندگان خدا کی اس میں بھلائی ہے۔ اور اگر تم اسے منظور نہ کرو تو ہمارے مطیع ہو کر کوئی خفیف رقم خرچ فوج کے لئے جزیے کے نام سے دیا کرو تاکہ مسلمان تمہارے ملک کی نگرانی کریں (یہ ایسا ہی تھا جیسا برٹش گورنمنٹ کی طرف سے رزیڈنٹ حیدرآباد نظام کی ریاست کا نگران رہتا ہے۔) اور اگر تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ مانو تو تلوار کو حکم قرار دو۔ راجہ داہر نے نہ مانا۔ لڑائی کی نوبت پہنچی اور محمد بن قاسم غالب رہا۔ بہت سے ہند و مسلمان ہوئے۔ مسلمانوں کی حکومت ہند میں قائم ہوئی۔ مسلمانوں کے طرز تمدن اور حسن اخلاق پر ہنود اپنے خیالات قائم کرنے لگے۔ ابھی پورے طور پر محمد بن قاسم کی رنگت جمنے نہ پائی تھی کہ ولید ابن عبدالملک کی طرف سے ایسا جاہلانہ اور ظالمانہ فعل سرزد ہوا کہ ہنود کو اچھا ہو گیا۔ اور جو عمدہ خیالات مسلمانوں کی طرف سے ان کے دلوں میں قائم ہوئے تھے وہ نفرت سے بدل گئے۔ تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ راجہ کی دو لڑکیاں خلیفہ کے حرم بنانے کے لئے دمشق بھیجی گئی تھیں۔ لڑکیوں نے اپنے باپ کے خون کا عوض یوں لیا کہ محمد بن قاسم کا اپنی طرف ملتفت ہونا خلیفہ سے بیان کیا۔ خلیفہ نے حکم بھیجا کہ محمد بن قاسم کچی کھال سے منڈھا جائے اور دمشق بھیجا جائے۔ خلیفہ کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور محمد بن قاسم کا جنازہ دمشق چلا۔ زیادہ تر تعجب تو یہ ہے کہ دمشق سے ہندوستان تک اعلیٰ سے اعلیٰ

گورنر موجود تھے کسی نے اس حکم کی ترمیم کی جرأت نہ کی۔ محمد بن قاسم بے چارہ ایک ادنیٰ عہدہ دار تھا کیا کرتا۔ اور اس پر سے عربی نسل ہونے کی وجہ سے یہ بات اس کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی کہ حاکم وقت کے حکم میں عذر کرنا شان جوانمردی کے خلاف ہے محمد بن قاسم نے جو کچھ اسلام کی خوبیاں ہنود کے دلوں میں بٹھائی تھیں ان سب کو وہ اپنے جنازے کے ساتھ ہندوستان سے لیتا گیا۔ ہنود سمجھے کہ جب مسلمانوں کے یہی اخلاق ہیں تو ان میں کیا خوبی ہے۔

ولید ابن عبدالملک کے زمانے میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ لاہور سے لے کر نصف فرانس تک اسکی حکومت تھی اور حکومت کی نوعیت محمد بن قاسم کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ کس درجہ استحکام کے ساتھ تھی۔ مذہبی خیال کے مسلمان ممکن ہے کہ خوش ہوں لیکن ان فتوحات پر فخر و ناز کرنے میں وہ ضرور تامل کریں گے۔ مسلمانوں کو جو کچھ ناز ہے وہ احکام قرآنی کی خوبیوں پر اور پیغمبرؐ خدا کے اخلاق حسنہ پر ہے۔

اسپین بھی ولید کے وقت میں فتح ہوا اور جتنے دنوں تک ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی قریب قریب اتنی ہی مدت اسپین میں بھی مسلمان رہے اور مسلمان ایسے کہ وہ آجکل کے تمام لکھے پڑھے مسلمانوں کے مایہ ناز اور یورپ کی مہذب قوموں کے استاد تھے۔ لیکن جب عیسائیوں نے زور پکڑا تو اسپین سے مسلمان اس طرح نکالے گئے جس طرح دودھ سے مکھی یا اچھے لفظوں میں جسم سے روح۔ اس کا سبب کیا تھا؟ سبب یہی تھا کہ خلیفہ نے امیرالمومنین کی حیثیت سے نہیں بلکہ سلطان عرب ہونے کی حیثیت سے ملک حاصل کیا تھا۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ جو محض دینی امور سے تعلق رکھتا تھا گرتا پڑتا وہاں پہنچا۔ اس کے سبب سے کچھ روشنی اسلام کی بھی پھیلی۔ کچھ لوگ مسلمان ہوئے مسلمانوں کی نسل بڑھی کچھ لوگ دنیاوی رسوخ کے لحاظ سے بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن ملک پر اپنے اخلاق کا عام اثر مسلمانوں نے ایسا نہ ڈالا کہ تمام ملک اسلام کی طرف راغب ہوتا اور تمام ملک میں ایک ہی مذہب اسلام پھیل جاتا جس طرح ہندوستان کے فتح ہوتے ہی ہندوؤں کے بھڑکانے کے لئے محمد بن قاسم کا جنازہ

روانہ ہوا اسی طرح اسپین میں بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ طارق (فاتح اسپین) نے اپنی خوشی سے حملہ کر کے اسپین فتح کیا۔ موسیٰ گورنر افریقہ نے طارق کو عدول حکمی کے جرم میں قید کیا کیا اچھا انعام ملا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ بس یہ کہ گورنر افریقہ کو رشک آیا۔ وہ ڈرا کہ کہیں خلیفہ کی طرف سے افریقہ کی گورنری طارق کو نہ مل جائے۔ بڑوں کا اثر چھوٹوں پر ضرور ہوتا ہے۔ جب بڑے بڑے لوگوں کے یہ خیالات تھے تو چھوٹے چھوٹے حکام بھی اسی رنگ کے ہوں گے "دین الملوک ملک الادیان" یہی سبب تھا کہ ان بادشاہوں کی بدولت اسلام کو رونق نہیں ہوئی۔ کچھ رونق ان نفوس پاک (علمائے مذہب) سے ضرور ہوئی جو ان بادشاہوں کی حمایت میں اپنا مذہبی وعظ سناتے تھے۔ لیکن تمام ملک کے ایک مذہب ہونے کے لئے حاکم وقت کا مذہبی اثر جو ایک ضروری امر تھا ان مفتوحہ ممالک میں خیر سے کبھی نہیں پڑا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ ایسے لوگ یا تو علم تاریخ سے جاہل ہیں۔ یا تعصب نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ اسلام ہرگز بزور شمشیر نہیں پھیلا ہاں مسلمان بادشاہوں نے البتہ ملک بزور شمشیر ضرور حاصل کئے۔ جن ممالک کو ایسے بادشاہوں نے حاصل کیا جنکی غرض صرف حکومت اور نام آوری تھی وہاں اس وقت اسلام کی رنگت نہیں ہے۔ یا ہے تو بہت ہی پھیکی ہے۔ نو سو برس تک اندلس میں مسلمان تھے اور آج وہاں ہزار میں ۹۹۹ شخص ایسے ہوں گے جنھوں نے "اللہ اکبر" کی صدا کبھی نہ سنی ہوگی اور اللہ اکبر کہنے والا تو ایک بھی نہ ہوگا۔ انگلستان اور فرانس میں تو اب مسجدیں بھی ہیں اسپین میں ایک مسجد کا بھی پتہ نہیں ہے

اب ہندوستان کے حملہ آوروں کا کچھ حال سنئے۔ محمود غزنوی ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ متعصب سمجھا جاتا ہے اکثر مسلمان اس کے مداح بھی ہیں۔ ہند کے بت پرستوں سے وہ بہت لڑا۔ سترہ حملے اس کے ہند پر ہوئے ہزاروں لاکھوں بت اس نے توڑے ہوں گے لیکن افسوس کہ بعض مسلمان مورخ خود اس کے اسلام میں شک کرتے ہیں اور اسے دہریہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سجدہ کرنا خدا کی درگاہ میں ناک رگڑنا۔ مذہبی چرچا کرنا محض اس لئے تھا کہ مسلمان دل توڑ کر اس کا ساتھ دیں اور اس طرح مذہبی پیرائے سے دنیاوی ترقی حاصل ہو۔ محمود غزنوی سے ہم اس درجہ بدگمان نہیں ہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں کہ اس کے تمام حالات دیکھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اشاعت مذہب کے لئے اس نے کچھ بھی سختی کی ہو یا سنت نبوی کے مطابق لڑائیاں کی ہوں۔ لوٹ کھسوٹ میں اس نے ہزاروں گردنیں ماریں لیکن شاید کسی ایک کو بھی اس حجت شرعی سے قتل نہیں کیا کہ یہ اسلام یا جزیہ پر راضی نہیں ہوتا۔ اس لئے گردن زدنی ہے۔ ابتداء ان حملوں کی یہ ہوئی کہ جے پال راجہ لاہور نے سلطان سبکتگین پر حملہ کرنے میں سبقت کی۔ جب بدلہ لینے کے لئے سبکتگین آیا تو ہند کے تمام راجہ مل کر اس سے لڑے۔ اب سبکتگین کا بیٹا محمود تمام راجاؤں سے جدا جدا لڑنے کی وجہ رکھتا تھا۔ ممکن ہے کہ انھیں تاویلات سے محمود نے اپنے دل کو ایک طور پر سمجھا لیا ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس کی لڑائی مذہبی لڑائی نہ تھی اور اس لئے اس امر کے کہنے میں کچھ پس وپیش نہ ہونا چاہیئے کہ محمود غزنوی نے ہندوؤں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے بے وجہ نفرت پیدا کر دی۔ محمود غزنوی تو خیر اسلام کا بار بار نام لینا اپنی پالیسی کی ایک شان سمجھتا تھا۔ مابعد کے سلاطین اسے بھی ضروری نہ سمجھے۔

تیمور نے بے وجہ مسلمانوں کی گردنیں مارنے میں کوئی نئی بات نہیں کی۔ کیونکہ بہت پہلے ایسا دستور ہو چلا تھا۔ لیکن مسلمان عورتوں کو اس کے ایماسے اہل فوج اپنے تصرف میں لاتے تھے اور لونڈیوں کی طرح پکڑے جاتے تھے۔ شاید اسی کے وقت کی بات ہے اس کے پہلے ایسا نہ تھا۔ چھ سات سو برس میں مسلمان اتنی تاریکی میں آ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دن کو سوئے اور آدھی رات کو آنکھ کھلے۔ یا پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلک کر کسی بہت بڑے گڑھے میں جا پڑے۔ خلیفہ دوم کا وقت اور تیمور کا وقت موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلا زمانہ اسلام کا تھا تو دوسرا زمانہ کفر کا ہے۔

(نور اور ظلمت کے معنوں ہیں)۔ خالد ایسا سپہ سالار تھا جس نے تمام شام اور مصر کے ملک فتح کئے۔ تمام یورپ کے مورخ اس کے مداح ہیں۔ اس غنیمت کی بدولت تمام صحابی مالامال ہو گئے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی حکم صادر کیا کہ خالد اسی وقت معزول کیا جائے اور فوج کی سپہ سالاری سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ گو لاکھوں گردنیں اس نے حق پر ماریں لیکن ایک شخص کو اس نے ایسی حالت میں مارا کہ وہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا اور پھر مرتد ہونا اس کا متیقن نہ تھا۔ اس کی حسین بیوی خالد کو پسند تھی۔ ممکن ہے کہ اس کے حسن کے شوق نے خالد کو مزید تحقیقات سے روکا ہو۔ تمام لوگ خالد کے سفارشی تھے اور خود رسول اللہؐ نے اپنے زمانے میں ان کو "سیف اللہ" کا لقب دیا تھا۔ لیکن خلیفہ دوم نے ایک بات پکڑ لی کہ مشتبہ شخص مسلمانوں کی فوج کی سپہ سالاری کا مستحق نہیں ہے۔ ایسے شخص کو امیر المومنین کا نائب ہونا زیب نہیں دیتا۔ لیکن واہ رے خالد اس کے بعد بھی وہ تمام عمر فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی ہو کر رہا اور برابر اس کی رائے سے فتوحات ہوئیں کبھی اس نے دل میں یہ خیال نہ کیا کہ سپہ سالاری (کمانڈرانچیف) کے بعد وہ ادنیٰ سپاہی ہو کر کیا رہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت دنیاوی عروج کو مسلمان کیا سمجھتے تھے غرض ان کی دنیا میں صرف دین کے لئے سرمایہ جمع کرنا تھا۔ جب اس واقعہ کو تاریخ میں پڑھ کر تیمور کے حالات پڑھے جاتے ہیں کہ فتح دلّی کے بعد وہ چھ روز تک جشن شادیانہ میں مشغول رہا اور اسکی فوج چھ روز تک مسلمانوں کو قتل کرتی رہی اور مسلمانوں کے گھر لوٹتی رہی مسلمانوں کی بہنوں اور بیویوں سے مجالس عیش منعقد کرتی رہی۔ تیمور اپنے کو امیر المومنین کہتا تھا اور پھر یہ تماشا دیکھتا رہا۔ تیمور تو خیر ایک نو مسلم مغل تھا اس کے سوا کتنے بڑے بڑے اکابر سلطان گذرے ہیں کسی نے بھی اسلام کا پاس نہیں کیا تو بہت حیرت ہوتی ہے کہ خدایا ابتدا میں اسلام کیا تھا اور پھر وہ کیا ہو گیا۔ تیمور کے قبل یا بعد جتنے سلاطین آئے ہیں وہ سلطنت کے شوق میں آئے۔ یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ بلاد اسلام میں ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ

مسلمان تھے۔ ورنہ اشاعت مذہب سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ ان میں یہ قابلیت تھی۔

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے مسلمانوں نے تو بہت جلد خیرباد کہا۔ لیکن اسلامی ترقیاں عرصہ تک قائم رہیں اور ان کے قیام کے زمانے کی نسبت لکھا گیا ہے کہ جب تک مسلمان دنیوی معاملات میں قرآن ایسے عمدہ قانون کے پابند رہے انکی دنیاوی ترقی میں ضعف نہیں آیا اس سوال پر ناظرین کو تعجب ہوگا کہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان کسی قانون کو قرآن سے اچھا سمجھے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے قرآن کے خلاف بہت سی باتیں پیدا کیں اور قرآن کو معاملات میں غیر مکمل یا نامناسب سمجھنے لگے اور اس وقت کے مسلمان تمام ہندوستان میں زائد تر اسی خیال کے ہیں۔ خلاف قرآن مسلمانوں کا عمل کرنا اتنا حیرت انگیز نہیں ہے جتنا یہ امر حیرت افزا اور باعث تعجب ہے کہ باوجود اس کے وہ پھر مسلمان کہلاتے ہیں نمونے کے لئے ہم خود موجود ہیں۔ لیکن جو حالت ہماری اس وقت ہے وہی تمام مسلمانانِ ہند کی زوالِ قوم کے وقت تھی۔ ہم ہیں کیا بات قرآن اور سنت نبویؐ کے موافق ہے عورتوں کو توریث میں حصہ شرعی دیتے وقت قرآن کو ہم ناقص سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں تبنیت کا دستور نہیں ہے۔ لیکن ہم بہت سے لاولد مسلمان ہندوؤں کی طرح تبنیت کے خیال کو پسند کرتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ اعمال عاقبت میں کام نہ آئیں گے بلکہ دنیا میں نام باقی رہے گا تو عاقبت درست ہوگی۔ احکام قرآن کے خلاف ہم عقد بیوگان کو نشان رذالت جانتے ہیں۔ ایفائے وعدہ سے ہم کو نفرت ہے۔ کہنے کو ہم مشرکوں کے دشمن ہیں۔ لیکن فی الواقع ہماری ذات سے شرک کو رونق ہے۔ ہندوؤں کے دیوتا جتنے تھے ان میں ہم نے بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ راست بازی سے ہم کو دلی نفرت ہے۔ کاہلی سے از حد محبت ہے۔ ہمت اور حمیّت ہم سے کوسوں دور ہے۔ کن کن باتوں کو روئیں۔ نام کے ہم مسلمان ہیں۔ احکام شرعی اول تو ہم جانتے نہیں اور جانتے بھی ہیں تو ان کو پسند نہیں کرتے۔ جب تمام قوم کے یہ خیالات تھے تو امیر قوم کے بھی یہی خیالات ہوں گے اور انھیں خیالات نے مسلمانوں کو

اس حالت تک پہنچایا - صورت ہیں حالم پرس -

ہندوؤں کے قاعدے سے بہت مستحکم سہی - مانا کہ برہمنوں کے دستور نے ان کو بالکل ہی پابند اور مجبور کر رکھا ہے - لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس مشعل نے مغربی افریقہ سے سندھ تک اپنی روشنی پھیلائی وہ ہندوستان کے روشن کرنے کے قابل نہ تھی - وہ قابل ضرور تھی لیکن ہند تک پہنچتے پہنچتے اس کا تیل ختم ہو چکا تھا اور اس کی روشنی قریب الاختتام تھی مسلمانوں سے قبل بدھ مذہب برہمنوں کے مذہب پر ہزار برس تک غالب رہا - مسلمانوں کے اخیر زمانہ میں پنجاب کے نانک شاہی تمام پھیل گئے تھے - کبیر پنتھیوں نے جا بجا اپنی جگہ کر لی تھی ابھی حال میں جو ترقی برہمو سماج نے بنگال میں اور آریہ سماج نے پنجاب میں کی وہ ظاہر ہے اسلام نے کیا قصور کیا تھا کہ بادشاہ وقت کا مذہب ہونے پر بھی اس نے پوری ترقی نہ کی - بودھ سکھ، کبیر پنتھی، آریہ سماج اور برہمو سماج سے ہنود تعرض نہیں کرتے - لیکن اسلام سے نفرت کرتے ہیں - اس کا باعث صرف مسلمان بادشاہوں کا برتاؤ اور ان کے حکام کا طرز عمل ہے - ہند کے مسلمان پر ہم کوئی پولیٹکل الزام نہیں رکھتے - ان بادشاہوں نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جو برتاؤ کئے اگر قدیم فاتحوں کے برتاؤ کے ساتھ دیکھا جائے تو مسلمانوں کا زمانہ بہت ہی غنیمت معلوم ہوتا ہے - ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے یہ احسانات کبھی نہ بھولیں - ہمارے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہند کے حکمرانوں نے کوئی مذہبی وقعت ہنود کے دل میں پیدا نہ کی - سلطنت مغلیہ سے قبل بعض حکمرانوں کی حیثیت لوٹ مار کی وجہ سے اس طرح جادۂ اعتدال سے گری ہوئی تھی کہ سلاطین مابعد کو تلافی مافات ہی سے چھٹی نہ ملی - سلاطین مغلیہ میں اکبر نے ایک جداہی مذہب قائم کرنا چاہا - وہ کامیاب بھی ہوا - اسلام میں بت پرستی کا دستور زیادہ تر اکبر ہی کے زمانے سے پیدا ہوا - عالمگیر نے اس پالیسی کو بدلنے کی کوشش میں سارا زمانہ صرف کیا اکبر کے اثر کو تو وہ اٹھا نہ سکا اور نہ مذہب اسلام پھیلانے میں کامیاب ہوا - ہاں یہ کہ

ہنود کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو نے کے جہاں کئی ایک قرن پہلے گزر چکے تھے وہاں یہ بھی ایک نیا قرن قائم ہوا۔

اسلام کی تاریخ سلسلہ سے پڑھی جائے تو عجیب کیفیت ناظرین پر طاری ہوگی۔ جو زمانہ سیکڑوں برس میں طے ہوا ہے وہ گھنٹوں میں طے ہوگا۔ ابھی رسول خداؐ اور ان کے خلفائے مابعد کے زمانے پر نظر تھی کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی اندر ترکوں تاتاریوں یا خلفائے عباسیہ کے بگڑے ہوئے زمانے میں ناظرین پہنچ گئے۔ آئیں! ہم کہاں سے کہاں پہنچے۔ اتنا انقلاب ہوا اور پھر اسلام کا نام ہے کہ چلا جاتا ہے۔

اس تحریر کا مؤلف انھیں خیالات سے متاثر ہے کوئی ایسے سلاطین اسلام کا دشمن یا ان کا ہجو گو نہ سمجھے۔ یہ صحیح ہے اور تمام مورخین اس کو مانتے ہیں کہ ہر دور کے برے سے برے مسلمان بادشاہ کا زمانہ بھی اس وقت کے دوسرے ہمعصر بادشاہوں سے کہیں اچھا تھا۔ بادشاہوں کے دلوں میں اسلام کی محبت کم سہی۔ لیکن جو احکام شرعی قاضیوں اور مفتیوں سے صادر ہوتے تھے وہ گئی گزری حالت پر بھی دیگر ممالک کے انتظام سے کہیں اچھا نمونہ دکھاتے تھے۔

اسلام کے گئے گزرے دنوں کی برکتوں کی قدر جب معلوم ہوگی کہ دوسرے ممالک کی تاریخ ساتھ ساتھ دیکھی جائے۔ لمپ کتنا ہی میلا ہو پھر بھی چراغوں سے اس کی روشنی کہیں زیادہ ہوگی۔

غرض کہ رسولؐ اور صحابہ رسولؐ کے اثر صحبت کا جتنا کم اثر ہندوستان تک پہنچا اتنی ہی اسلام کی رنگت بھی پھیکی رہی۔ ہم کو رنگت سے چنداں بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ کہنا ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان ہندو ہوں یا مسلمان — عیسائی ہوں یا پارسی — جب کبھی مسلمانوں کے ملکی معاملات پر رائے قائم کرنا چاہیں تو وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے حالات پڑھیں۔ یا صحابہ

کرام کے زمانۂ خلافت کی باتیں سنیں تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں نے دنیا پر کیا کیا احسانات کیے ہیں۔ محض ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے حالات پڑھ کر اسلام اور اہلِ اسلام پر رائے زنی کرنا بے جا ہے۔

فصل نمبر ۳

سیف اور اسلام

مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے تلوار کے زور سے دنیا میں اسلام پھیلایا۔ اس اعتراض کو حالات کی ناواقفیت ممکن ہے کہ کچھ بارونق کر دے لیکن تاریخی واقعات کو بنظر تامل دیکھنے کے بعد اعتراضات کی ذرا وقعت قائم نہیں رہ سکتی۔ غیر قوموں کی خصوصیت نہیں ہے بعض ناواقف مسلمانوں کا بھی خیال ہے کہ اسلام کی خوشنما چادر پر خونریزیوں کا بدنما دھبہ ہمیشہ کے لئے اسلام کی صورت کو بدنما کرنے والا ہے۔ فتوحات اسلام کو سرسری طور سے پڑھنے والے ممکن ہے مسلمانوں کے خلاف رائے قائم کریں اور سمجھیں کہ سابق مسلمان جن پر اس وقت کے مسلمانوں کو ناز ہے۔ خدا پرست ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی یا ریاکار قطاع الطریق کا ایک گروہ تھا ہم نے جب بعض مسلمانوں کو معترض پایا ہے تو دیگر اقوام کے خیالات کا کیا ذکر ہے۔ ظن غالب ہے کہ وہ دلوں میں بے انتہا شکایتیں رکھتے ہوں اور اپنی تہذیب کے لحاظ سے اتنا صاف صاف کہنا یا لکھنا پسند نہ کرتے ہوں جتنا کہ ان کے دلوں میں ہے۔ یہ کیفیت

ہمارے ہند و ہمسایوں کی ہے۔ ورنہ یورپین لوگ جب ان کی باتیں غلطی کرتی ہیں تو کیا کچھ نہیں لکھ جاتے۔ اور ہندوستانیوں کے لیے انھیں کی تحریر خزانہ معلوم ہوتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ تاریخی حالات کی ناواقفیت سے جو غلط فہمیاں پیدا ہیں رفع کی جائیں۔ اور ناظرین کے لیے ایک ایسی عینک تیار کریں جسے آنکھ پر رکھنے کے بعد اسلام کی صورت انھیں ویسی ہی خوشنما معلوم ہو جیسی کہ وہ فی الواقع ہے۔ لڑائی میں لڈو نہیں بٹتے خونریزی ہی ہوتی ہے۔ بحث ہے صرف جائز اور ناجائز کی اس لیے اسباب جنگ پر نظر چاہیئے نہ کہ حالت جنگ پر۔ یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ لڑائی میں بے رحمی ہوئی۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ بے رحم لڑائی کا باعث کیا ہوا اور کیوں لڑائی قائم رہی۔

دنیا میں جتنے رفارمر یا مذہبی پیشوا گزرے ہیں۔ ان میں سے بعض کی زندگی ضرور سادہ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھیئے تو کبھی ان کو لڑائی جھگڑے سے تعلق نہیں رہا۔ انھوں نے گھر نہیں بنایا۔ جورو بچے ان کے نہ تھے۔ ملک میں ادھر ادھر پھرتے رہے۔ اور معرفت کردگار سیکھتے رہے۔ اخیر میں انھوں نے لوگوں کو خدا پرستی اور حسن اخلاق کی تعلیم دی۔ حاکم وقت کو برا معلوم ہوا اور وہ سولی پر چڑھائے گئے۔ ان کی زندگی میں ان کے ہم خیال بہت کم تھے لیکن بعد کو ان کی باتوں کی قدر ہوئی۔ لوگ ان کے خیالات کے پیرو ہوئے اور مذہب عیسوی پھیلا۔ ہند میں ایک شخص بدھ نام حضرت مسیحؑ سے کچھ پہلے پیدا ہوا جسکی مطیع دنیا کی ایک ثلث مخلوق بیان کی جاتی ہے۔ لیکن جیتے جی اس نے کبھی حکومت سے تعلق نہیں رکھا بلکہ موروثی حکومت بھی اس نے چھوڑ دی اور جوگیوں اور فقیروں کی طرح ادھر ادھر تنہائی اور بے کسی کی حالت میں زندگی کے دن پورے کرتا رہا۔ قرآن میں جتنے نبیوں کے تذکرے ہیں ان میں سے اکثر کے حالات میں اخیر تک بے چارگی اور بے چارگی اور بے بسی برستی ہے۔ جب ایسے مصلحان قوم کے تذکروں کو مدنظر رکھ کر غزوات احمدیؐ پڑھے جاتے ہیں تو بعض وقت ناواقف آدمی کے ذہن میں یہ خدشہ

پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم کشی کو عزوات سے تعبیر کر کے اور ہلاکت انسان کو مرضی الٰہی بیان کر کے کیا نئی شریعت ایجاد کی ہے۔ لیکن یہ رائے سرسری ہے پوری طرح پر رائے قائم کرنے کے لئے دیگر مصلحان قوم اور پیشوایان مذہب کے بھی حالات پڑھنے چاہئیں۔ حضرت داؤد پیغمبر نے اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان نے دنیا میں کیسی زبردست سلطنت کی ہے۔ حضرت یوسف نے مصر کی بادشاہت کی۔ ان کے حالات کہیں مفصل بیان نہیں کئے گئے۔ مگر جب سلطنت تھی تو ان کے ایام سے جنگ و جدال۔ قتل و قصاص کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ حضرت موسیٰ بھی اخیر اخیر میں بنی اسرائیل کے امیر اور سپہ سالار ہو گئے تھے۔ جب شروع شروع انھوں نے بحالت بیچارگی ایک قبطی کو مار ڈالا تھا تو اختیارات پا کر جائز امور میں قتل و قصاص سے کس طرح دست کش نہ ہو سکے ہوں گے۔ ہندوستان میں صرف بودھ ایک فقیرانہ روش پر چلا۔ ورنہ رام چندر جی کی لڑائیاں تمام ہندوستان میں مشہور ہیں۔ مہابھارت کا قیامت خیز معرکہ سری کرشن کی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب فقیرانہ طرز پر اصلاح قوم کی جائے گی تو حضرت عیسیٰ مسیح یا بودھ کی سی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوگی اور جب دنیاوی تعلقات کے ساتھ قومی اصلاح پر کمر باندھی جائے گی تو رام چندر یا کرشن جی کی سی زندگی کا طرز اختیار کرنا پڑے گی۔ اعتراض کا جواب ہم نے مجملاً دے دیا مگر ہم اس موقع پر کسی قدر در تفصیلی بیان کے ساتھ برکات اسلام کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

انسان ہر وقت انسان ہے وہ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن فرشتوں کی تقلید کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص ہر وقت معرفت الٰہی میں مستغرق رہے کھیتی باڑی چھوڑ دے۔ بال بچوں سے کنارہ کرے۔ پہاڑ کے درّے میں جا بیٹھے۔ سندر بن کے جنگل میں جا چھپے۔ ہمالیہ کے برفستان میں غائب ہو جائے۔ لیکن پھر یہ کہنا ہے

کہ یہ لوگ انتظامِ عالم بگاڑتے ہیں قانونِ قدرت کے دشمن ہیں۔ گویا خدا سے لڑتے ہیں۔
ہم کو یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں سے تعلق پیدا کرو جائز طور سے اولاد پیدا کرو اور ان کے اسباب
پرورش بھی مہیا کرو۔ دوستوں کو خوش رکھو اور دشمنوں سے خائف رہو۔ اچھوں کی ستائش
کرو اور بروں کو سزا دو۔ اپنے حقوق طلب کرو اور دوسروں کے حقوق غصب نہ کرو خوشی
کے موقع پر ہنسو اور رونے کے موقع پر روؤ۔ یہ سب متضاد صفتیں قانونِ قدرت نے
انسان میں ودیعت کی ہیں اور یہ حکم دیا ہے کہ ان قوتوں کو اعتدال سے صرف کرو اور اہل
مذہب کا یہ عقیدہ ہے کہ اعتدال سکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں ان
پیغمبروں میں سب سے اچھے معلم آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آنحضرت
محمدؐ پر جو قرآن اترا۔ اس میں خود ان کی کوئی تعریف نہیں ہے۔ اس میں ابراہیم خلیل اللہ
خدا کے دوست لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ خدا سے باتیں کرنے والے لکھے گئے
ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کو ذبیح اللہ خدا کا فدائی تعبیر کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کو روح اللہ خدا کی
روح قرار دیا ہے لیکن محمدؐ کو جہاں لکھا "عبدہٗ ورسولہٗ" لکھا۔ خدا کا بندہ اور خدا کا
پیغام پہنچانے والا۔ جو کلام آنحضرتؐ کے ذریعہ سے بندوں پر اترا تھا اس میں آنحضرت
کی تعریف ہوتی تو لوگ کہتے کہ آپ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ لیکن اہل نظر نے تمام
حالات پر غور کر کے یہ رائے قائم کی کہ آپ افضل البشر ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں۔
جس طرح تمام انسانوں میں نبیوں کا درجہ بڑھ کر ہوتا ہے اسی طرح آپ کا درجہ تمام
نبیوں میں بڑھ کر ہوا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اچھے معلم میں جتنی اچھی باتیں
ہونی چاہئیں۔ اور جو دیگر معلموں (نبیوں) میں جدا جدا موجود تھیں وہ سب آنحضرتؐ
میں یکجا موجود تھیں۔ ہم کو بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے قاعدے وہ نہیں بتا سکتا
جس کے بیویاں نہ ہوں۔ ہم کو اولاد کی پرورش وہ کیا بتائے گا جس کے اولاد نہ ہو۔
لڑائی کی تہذیب ہم کو وہ نہیں بتا سکتا جو خود لڑائی میں کبھی شریک نہ ہوا ہو۔ دنیا کے

کاروبار میں ہم کو وہی تہذیب سکھا سکتا ہے جو کاروبار میں مشغول ہوا ور گھبرا نہ گیا ہو۔ غالب آیا ہو مغلوب نہ ہوا ہو۔ خود دنیا کی روش پر نہ چلا ہو بلکہ اپنی روش پر دنیا کو چلایا ہو۔ تعلقات دنیا سے گھبرا کر جنگل میں جا چھپنے والے ہم کو محنت مزدوری کرنے کے قواعد کیا بتائیں گے۔ مہمان نوازی کے طریقے کیا سکھائیں گے۔ گرد آلود بچوں کو خاک سے اٹھا کر سینے سے لگانے کی ہدایت کیا کریں گے۔ سادھو نہیں بتا سکتے کہ بیویوں کی خاطر داریاں جن پر انتظام عالم کا مدار ہے کیونکر کی جائیں۔ جن حضرات نے یاد الہٰی کی دھن میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو روتے ہوئے گھروں میں چھوڑ کر بادیہ پیمائی کی ٹھہرائی ہے۔ وہ دوسروں کو معرفت الہٰی ضرور سکھا سکتے ہیں لیکن حقوق والدین کے متعلق ایک سبق بھی نہیں پڑھا سکتے۔ غرض کہ تمام دنیا کے پیغمبروں اور رفارمروں میں سب سے بڑھ کر دنیا میں گھرا ہوا پیغمبر ہمارا ہے اور اس لئے ہم کو ہر طرح کے معاملات میں پوری طرح ہدایت دینے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس کے اعمال کے روزنامچے یعنی کتب احادیث سے ثابت ہے کہ اس نے تمام امور میں جو تعلیم ہم کو دی اعلیٰ درجے کی دی اور جو بتلایا لاجواب بتلایا۔ اس نے قرآن کو بطور دستور العمل کے ہمارے حوالے کیا اور سمجھا دیا کہ جب تک اسے پکڑے رہو گے دنیا کی تمام قوموں سے ہر بات میں بڑھے رہو گے اس کے ہمارے دل میں کالنقش فی الحجر کندہ کر دیا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے ایک خاص فیضان الہٰی کے ذریعہ سے کہتا ہے۔ ایسا فیضان پہلے کبھی کسی دوسرے کے ساتھ اس درجہ تکمیل کے ساتھ نہ تھا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ اس فیضان کو اس نے ہمارے سمجھانے کے لئے پیغامبری سے تعبیر کیا اور ہم اچھی طرح سمجھ گئے کہ پیغامبری کا لفظ بظاہر الفاظ میں ہلکا ہے لیکن باعتبار معنی بہت وزنی ہے۔ انہیں وجوہ سے ہم اسے اشرف المخلوقات کہتے ہیں۔ اور جب نبیوں میں کسی کو اس کا ثانی نہیں پاتے اور نہ آئندہ اس سے اچھے قانون لانے والے کا خیال دل میں آتا ہے تو اسے خاتم النبیین بھی کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ دنیادار کیا اصلاح حال کرے گا تو ہم کہیں گے کہ دنیادار ہی دنیادار کی اصلاح کر سکتا ہے فرشتے باغ جنان کی آرائش

کر سکتے ہیں لیکن انسان کو انسان نہیں بنا سکتے۔

معمولی باتوں پر لوگ غور نہیں کرتے ورنہ دین اسلام کی تمام باتیں بجائے خود نمونہ قدرت ہیں کیا دنیا میں کوئی اور پیغمبر ایسا ہوا ہے جس نے اپنی امت کے لئے پورا دستورالعمل بنا دیا ہو۔ کیا سوائے مسلمانوں کے اور کوئی قوم ایسی ہے جس میں اس وقت مالی اور ملکی معاملات میں قانون ربانی دستورالعمل ہو؟ کیا دنیا کی کوئی مجلس واضعان قانون بدء خلقت سے آج تک ایسی دیکھی گئی ہے کہ نصف صدی کے لئے بھی کوئی ایسا قانون بنا دے جو محتاج ترمیم نہ ہو۔ جواب ان سب سوالوں کا نفی میں ہوگا۔ بطور عجائبات عالم کے دین اسلام پیش کیا جا سکتا ہے کہ تیرہ سو برس پہلے جو قانون آنحضرتؐ کے ذریعہ سے قائم ہوا۔ وہ ملکی، مالی، فوجی، اخلاقی، تمدنی وغیرہ وغیرہ تمام اعتبار سے آج تک بنی نوع انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر مہذب بنانے اور زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ آج اگر آنحضرت رسولؐ اللہ کو غزوات میں شریک ہونے اور اس کے متعلق ہدایات دینے کا موقع نہ ملتا تو قانون محمدیؐ جنگی اور فوجی معاملات میں نامکمل رہتا اور دین محمدی اکمل الادیان نہ سمجھا جاتا۔ ہم اپنے پیغمبرؐ کو کمر سے تلوار لگائے ہوئے میدان جنگ میں اچھے کام پر مستعد پاتے ہیں تو ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا پیغمبر کسی اچھے کام کرنے میں بودا نہیں ہے اور اس کے ملفوظات میں کہیں سے ناتجربہ کاری کی بو نہیں آ سکتی۔ مسلمانوں کے پیشوا کا اہل میدان ہونا کہیں سے شان پیغمبری یا شان پیشوائی کے خلاف نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم تاریخی پیرائے سے یہ بھی دکھا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے کن کن مجبوریوں کے بعد تلوار باندھنے اور کن کن قیود اور شرائط کے ساتھ اپنی امت کو نیام سے تلوار باہر نکالنے کا حکم دیا ہے۔

آنحضرتؐ نے اول اول دین اسلام کی تعلیم خفیہ طور پر کرنا چاہی۔ جو مسلمان ہوتے تھے وہ بھی قرآن کو دوسروں سے چھپا کر پڑھتے تھے۔ لیکن عربوں نے اسلام کا اس کمزور حالت میں بھی رہنا پسند نہ کیا۔ پیغمبر کو مجنون کہا۔ ساحر کہا اور دغاباز کہا مسلمانوں پر

وہ شروع شروع ہنستے تھے۔ پھر آوازے کسنے لگے اور بالآخر ان کو آزار دینا شروع کیا۔ مسلمان جب بہت تنگ ہوئے تو مکہ چھوڑ کر ابی سینیا کی طرف سمندر پار بھاگنے لگے۔ گویا مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ شام کو جس نے پیغمبر سے کہا کہ آپ بیشک قوم کے سچے خیر خواہ ہیں اور قوم کے برے طور پر آپ کا رونا بہت بجا ہے دوسرے دن صبح کو اس پر جلا وطنی لازم تھی بتوں کو چھوڑ کر خدا پر ایمان لانے کی سزا کفار قریش نے جلاوطنی قرار دی تھی کفار قریش نے ابی سینیا تک مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ وہاں کے شاہ نجاشی سے درخواست کی کہ ان نئے مذہب والوں کو یہاں پناہ نہ دی جائے۔ اکثر مسلمان تو باہر چلے گئے تھے لیکن پیغمبرؐ کے ساتھ جو دس بیس آدمی مکہ میں رہ گئے تھے ان پر ظلم و تعدی کی انتہا نہ رہی۔ بالآخر پیغمبر نے بھی مکہ چھوڑا۔ طائف کی طرف تشریف لے گئے دشمنوں کی سازش وہاں تک پہنچی۔ پیغمبر پھر واپس آئے تین برس تک انہیں مع اپنے اہالی خاندان اور ہمراہیان کے شعب ابو طالب میں بند رہنا پڑا طرح طرح کی اذیتیں اور مصیبتیں پیغمبر کو اور ان کے ساتھیوں کو دی گئیں آنحضرتؐ نے مدینہ چلے جانے کا ارادہ کیا تو دشمنوں نے ان کے قتل کرنے کے لئے سازش کی آپ سازش سے مطلع ہونے کے بعد چپکے سے مدینہ کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں کے بدن میں بھی خون تھا اور خون میں حرارت تھی۔ سینہ میں دل تھا اور دل میں مادۂ خودداری تھا۔ ہاتھ میں تلوار تھی اور تلوار میں بُرش تھی۔ تعداد میں کم سہی لیکن غصہ تو کمزور بھی کرتے ہیں۔ لوگوں نے پیغمبرؐ خدا سے لڑائی کی اجازت مانگی جواب ملا گھبراؤ نہیں میں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ ان جاہلوں کو ہدایت دے گا۔ بالآخر مدینے میں پہنچنے کے بعد وہاں آنحضرت کی بڑی خاطرداری ہوئی وہاں بھی مسلمانوں کا گروہ بڑھنے لگا لیکن مسلمانوں کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔ مسافرت کی تکلیف۔ مفلسی کی مصیبت منافقان اور یہودیان مدینہ بھی مار آستیں تھے مکہ والوں کی چڑھائی کا الگ ڈر لگا رہتا تھا۔ تنہا پیغمبر خدا ہوتے تو سقراط کی طرح کہتے کہ میں نے تمہاری اصلاح میں کوشش کی نہیں مانتے تو اپنا سر کھاؤ مجھے زہر کا پیالہ دو

میں پی لیتا ہوں - یا حضرت عیسیٰ مسیحؑ کی طرح بے دینوں سے کہتے کہ جو چیز میرے نزدیک سچ ہے میں اسے نہیں چھپا سکتا - تمہیں اختیار ہے جی چاہے مجھے سولی پر چڑھا دو - یہاں وقت یہ تھی کہ بہادران مکہ اور دلاوران مدینہ آنحضرتؐ کے عشق میں برباد اور خانہ خراب ہو کر ساتھ ساتھ گھومتے تھے اور ہر وقت یہی کہتے تھے کہ جب ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں تو دشمن خدا سے دب کر نہیں رہ سکتے اور ہم دب کر رہیں بھی تو وہ ہمیں کہاں رہنے دیتے ہیں - مہاجرین جب وطن کی آسائش وطن کی آب و ہوا وطن کی دولت یاد کرتے تھے تو ان کے دل جوش میں آجاتے تھے اور اپنے مصائب بیان کرتے تھے تو پیغمبر خدا کا دل بھر آتا تھا - اب بتائیے پیغمبر کیا کرتے کیا شان پیغمبری یہ تھی کہ اپنے انصار کے گھر لٹوا کر وہ تماشا دیکھتے اور ساتھیوں کا گلا گھٹوا کر دل ٹھنڈا کرتے - فرض کر لو کہ شان پیغمبری اس ذلت کی متقاضی تھی لیکن جو مسلمان وہاں تھے ان کو کیا مناسب تھا مدینہ میں رہ کر فقر و فاقہ سے مرجانا یا اپنی دولت کا مکہ والوں سے طلب کرنا - مدینہ کے اندر گلا گھٹوانا یا مدینہ سے باہر نکل کر جان دینا - سب مسلمانوں نے بالاتفاق آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم دشمنوں سے ضرور لڑیں گے - ہم نے چوری نہیں کی ہے صرف خدا پر ایمان لائے ہیں - ہم بھی چاہتے ہیں کہ تلوار فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے کب تک ہم بھاگیں گے اور وہ تعاقب کریں گے اگر دشمنوں کے ہاتھ سے مرنا ہے تو بجائے کل مرنے کے آج ہی مرجانا اچھا ہے - ان کی زندگی موت سے بدتر تھی انکو زیست کی فکر نہ تھی اب مسلمان مدینہ سے نکل کر تفصیل حالات کرنے لگے جو قافلہ تجارت شام سے مکہ اور مکہ سے شام جاتا تھا اسی کا تعاقب مسلمان کرتے تھے - قریش کے مال لوٹنے کے لئے یا یہ دریافت کرنے کی غرض سے کہ اب وہ کیا نیت رکھتے ہیں -- دونوں اعتبار سے مسلمان حق بجانب تھے اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ کفار قریش مدینہ پر چڑھ آئے دشمنوں کو روکنے کے لئے مسلمان بمقام بدر جمع ہوئے جب وہ جنگ لڑنے چلے تو پیغمبر خدا کے لئے کیا مناسب تھا ؟ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ اپنے جاں نثاروں کو چھوڑ کر مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے فتح و نصرت کے لئے دعا مانگتے - یا فوج کے پیچھے پیچھے جان چرائے ہوئے سائیسوں کی طرح چلتے شاید دنیا کا کوئی شخص

بھی اپنے پیشوا کا ایسا بے حمیت اور بے غیرت ہونا پسند نہ کرے گا۔ ایسے موقع پر پیغمبرؐ نے وہی کیا جو ایک اعلیٰ درجے کے انسان سے امید کی جا سکتی ہے۔ یعنی اپنے بدن پر ہتھیار لگائے اور سب سے آگے آگے چلے اور زبان حال سے کہنا شروع کیا کہ اگر جان ہی دینے کی رائے ہے تو سب سے پہلے ہمیں جان دینا چاہیئے کہ ہم ہی مجرم ہیں اگر گلا کٹوانا ہے تو سب سے پہلے ہم ہی کٹوائیں گے کہ ہم ہی ان تمام زحمتوں کے باعث ہیں۔ مسلمانوں نے یکجا ہو کر پہلے پہل جنگ بدر میں ہتھیار چلایا۔ اس لڑائی میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور اس فتح نے ملکی دستور کے مطابق ایک دوسری بلا مسلمانوں پر نازل کی جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا یعنی اس فتح نے مسلمانوں کو مدینہ کا حکمران قرار دیا اور آنحضرت کو ان حکمرانوں کا سردار بنایا آنحضرتؐ کو بجائے حسن اخلاق تعلیم کرنے کے اب ملکی معاملات کا بھی سبق پڑھانا پڑا آنحضرتؐ کی خلقت سے جو مقصود خالق کا تھا یا دوسرے لفظوں میں فطرت نے آپ کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا یعنی تمام امور دنیا میں رائے صائب دینا۔ اس کے ظہور کا وقت آیا۔ اب ایک مہذب گورنمنٹ کو رعایا اور ہمسایہ کے ساتھ جیسی مدارات چاہیئے وہ مسلمانوں کو کرنا پڑی۔ یعنی رحم کے موقع پر رحم کرنا اور غضب کے موقع پر غضب کرنا لازم آیا مسلمان اس کے بعد سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیلے اور ان کے ساتھ ان کا مذہب بھی پھیلا۔

دنیا میں کوئی مذہب اس سرعت کے ساتھ نہیں پھیلا جیسا کہ اسلام پھیلا۔ ریل نہیں تار نہیں۔ پختہ سڑکیں بھی نہیں۔ راستہ کا امن تک نہیں۔ اور اذان کی صدائیں تیس برس کے اندر اندر افریقہ کے ساحل شمالی و مغربی سے حدود افغانستان تک برابر جاری ہو گئیں۔ اب باعث ترقی سوائے اس کے کہ اسلام کی خوبیوں پر محمول کیا جائے زور شمشیر پر لوگ محمول کرتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ ایسا کہنا غلطی ہے ہمارا مخاطب وہ نہیں ہو سکتا جس کے سامنے تمام تاریخی واقعات اشاعت اسلام کے پیش نظر نہ ہوں اور کسی سے

یہ کہنا کہ تاریخ اسلام پڑھ کر آؤ جب ہمارا مضمون پڑھو شاید مناسب نہ ہوگا اس لئے ہم کچھ مختصر حالات اشاعت اسلام کے لکھ دیتے ہیں کہ ناظرین کو رائے زنی کا موقع ملے۔ اس مضمون کے اغراض کے لئے ہم تاریخی حالات کے پانچ طبقے قرار دیتے ہیں۔ طبقۂ اول اسلام کی ابتدائی حالت۔ طبقۂ دوم اسلام کا عروج زمانہ رسولؐ ہیں۔ طبقۂ سوم صحابۂ رسولؐ کا زمانہ۔ طبقۂ چہارم سلاطین عرب کا زمانہ طبقۂ پنجم دیگر سلاطین اور دعوت اسلام۔

طبقۂ اوّل اسلام کی ابتدائی حالت

جب آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس برس کے قریب ہوئی تو طبیعت گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوئی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ کا درہ غار حرا کے نام سے مشہور ہے وہاں جاکر اکثر آپؐ بیٹھتے تھے اور کئی کئی روز تک وہاں رہتے تھے۔ مضمون کو عام فہم کرنے کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تزکیۂ نفس کے لئے آپ وہاں جاتے تھے اور اسی حالت میں ایک خاص فیضان الٰہی کو آپ سے تعلق ہوا جو باعتبار نتیجہ کے رسالت کہا جاتا ہے اور تزکیہ نفس کے بعد جس قوت۔ روح یا کیفیت کے ذریعہ سے فیضان الٰہی آپ تک پہنچتا تھا اس کو اصطلاح شرع میں جبرئیل فرشتہ کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ کو ابتداء سے عقل سلیم عطا ہوئی تھی۔ آپ شروع سے موحد تھے۔ صادق المقال تھے۔ مسکرات، زنا، نمامی، بدافعالی، دروغ گوئی وغیرہ اخلاق ذمیمہ سے کنارہ کش تھے۔ آنحضرتؐ کو جب یقین ہوا کہ ابراہیمؑ، عیسیٰؑ وغیرہ وغیرہ پیغمبروں کی طرح ان کو بھی خدا نے اصلاح قوم اور درستی بنی نوع انسان کے لئے نبی بنایا ہے اور لوگوں کو توحید سکھانے کو اپنا مرسل قرار دیا ہے تو آپ نے ہدایت شروع کی سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو دعوت اسلام دی اور فوراً ہی وہ اللہ کی وحدانیت اور آنحضرتؐ کی رسالت پرایمان لائیں۔ معتبر خبر ہے کہ اسی روز علیؓ ابن ابی طالب بھی ایمان لائے پھر زید ابن حارثہ حضرت خدیجہ کے آزاد کئے ہوئے غلام ایمان لائے ان تینوں کے بعد حضرت عبداللہ ابن قحافہ ایمان لائے جو تاریخ میں ابوبکر صدیق کے لقب سے مشہور ہیں

ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے تمام دوستوں کو اسلام کی ترغیب دی ان میں سے پانچ اشخاص عشرہ مبشرہ کے بھی ایمان لائے۔ اس کے بعد دوسرے دن اور چار پیش کئے گئے اور پھر سلسلہ چلا۔

آنحضرتؐ پہلے اعلانیہ دعوت اسلام نہ کرتے تھے۔ خاص خاص احباب اور ان کے متوسلین میں دعوت محدود تھی۔ کچھ لوگ باہر کے بھی آکر ایمان لائے۔ مگر بہت کم۔ تین برس کے بعد پھر آنحضرتؐ نے اعلانیہ دعوت اسلام شروع کی یعنی امر حق کے اظہار میں شرم اور تامل پسند نہیں کیا۔ آنحضرتؐ ابتدائے عمر میں بہت زیادہ ہر دلعزیز تھے۔ لوگ عام طور پر آپ کی عزت کرتے تھے اور دل سے محبت کرتے تھے لیکن یہ سب باتیں بعثت سے قبل تھیں جب کفار کے مذہب اور بتوں کو آنحضرت نے برا ٹھہرایا اور ایسا کرنا لازم تھا کیونکہ کسی کو کسی فعل کے ترک کرنے کی ترغیب نہیں دی جاسکتی جب تک کہ اس فعل کی برائی ظاہر نہ کی جائے۔ تو پھر کفار عرب کے نزدیک آپ سے برا کوئی دوسرا نہ تھا۔ کفار کے ہاتھوں سے جو اذیتیں آنحضرتؐ کو پہنچیں ان کے تذکرے آگے آتے ہیں اس وقت مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ ابتدا میں جس طرح تمام نبیوں یا قومی مصلحوں کو ذلتیں اٹھانی پڑی تھیں اسی طرح آنحضرتؐ کو بھی زحمتوں کا سامنا ہوا۔ لوگوں نے بے ادبیوں کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا۔ جب آنحضرتؐ نے قوم کی حالت درست کرنے کی طرف توجہ کی تو پھر قوم کی نظروں میں آنحضرتؐ کا سا بدترین خلائق کوئی دوسرا نہ تھا۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی "یا معشر قریش۔ یا بنی فہر یا بنی غالب، یا بنی لوی یا بنی عدی" مکہ کے باشندے چھوٹے بڑے آکر جمع ہو گئے۔ دستور تھا کہ کوئی اہم کام پیش ہوتا تھا تو پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی جاتی تھی اور لوگ آواز سن کر جمع ہو جاتے تھے۔ دوڑتے وقت لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی مرحلہ پیش آیا ہوگا وہاں پہنچ کر آنحضرت کی زبان سے جو تقریر سنی گئی وہ یہ تھی۔

" لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے دوسری طرف........

ایک بڑا لشکر چھپا ہوا ہے کہ دفعتاً تم پر حملہ کرے اور تم کو تباہ کر دے تو کیا تم اسے باور کر لو گے؟"

لوگوں نے جواب دیا: "بے شک! اے محمدؐ تم سچے ہو اور ہم لوگوں نے تم سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ تمہاری بات ہم کیوں جھوٹ سمجھ سکتے ہیں"

آنحضرتؐ نے کہا: "تمہارے پیچھے عذاب سخت آنے والا ہے جو بغیر توحید کے رفع نہیں ہو سکتا"

یہ تقریر سن کر وہ سب اپنے دل میں آنحضرتؐ کو خفیف الحرکت سمجھے۔ ابو لہب سے نہ رہا گیا اس نے کہا: تبالک سائر الیوم لھذا جمعتنا "تمہارے اوقات خراب ہوں ہمیں اسی لئے بلایا تھا۔ اور پھر اسی وقت سے کفار اور آنحضرت کے درمیان کھلی کھلی عداوت کا آغاز ہوا۔

آنحضرتؐ کے ساتھ جو برتاؤ اہل مکہ کا تھا اس کی نوعیت برابر بدلتی رہی۔ وہی محمدؐ جو پہلے تمام اہل مکہ کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک تھے۔ قوم نے انھیں "امین" خطاب دے رکھا تھا اب اصلاح قوم کا مسئلہ پیش کرنے کی وجہ سے وہ کانٹے کی طرح دلوں میں چبھنے لگے اور امین کی جگہ انھیں "مجنون" خطاب دیا گیا۔ جب آپ راہ سے گزرتے تو قریش مذاق کرتے تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص بھلا چنگا تھا۔ دفعتاً دماغ پھر گیا۔ کہتا پھرتا ہے کہ مجھ سے اہل آسمان باتیں کرتے ہیں اور آسمان کی خبر لا کر ہم لوگوں کو سناتا ہے۔" خیر مجنون خطاب پانے سے تو چنداں نقصان آنحضرتؐ کا نہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ کفار کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ آنحضرتؐ کی دشمنی پر تل گئے۔

ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے خاندان کے چالیس مردوں کو دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ ان میں ابوطالب، حمزہؓ، عباسؓ، اور ابو لہب بھی تھے۔ موقع پا کر آپ نے اپنی رسالت کا ذکر چھیڑا اور یہ چاہا کہ گھر والوں میں سے کوئی ایک بھی آپ کا ساتھ دینے کو

آمادہ ہوتا تو بڑی تقویت ہوتی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ کسی نے جواب نہ دیا۔ لیکن علیؓ ابن ابی طالب سے اس حیرت بخش شک اور حقارت آمیز سکوت کی برداشت نہ ہو سکی۔ اور کھڑے ہو کر انھوں نے بڑی ہمّت اور جرأت سے کہا کہ رسول اللہؐ گو اس مجمع میں سب سے کم سن میں ہوں لیکن اس مشکل خدمت کے بجالانے کو تیار ہوں۔ اس موقع کو مسٹر کارلائل یوں لکھتے ہیں:۔ "اس مجمع میں علیؓ کا باپ ابوطالب جو محمدؐ کا دشمن نہ تھا موجود تھا۔ تاہم سب کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ (محمدؐ) اور ایک سولہ برس کے لڑکے (علیؓ) کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے خیالات کے خلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور سب لوگ قہقہہ لگا کر منتشر ہو گئے۔ مگر آئندہ چل کر معلوم ہوا کہ یہ بات ہنسی کے قابل نہ تھی بلکہ سب ٹھیک اور درست تھی۔"

کدورت بڑھنے پر ابولہب اور عقبہ بن معیط آنحضرت کے گھر کے قریب عین گزرگاہ پر گندی چیزیں جمع کر دیتے تھے اور غرض اس سے صرف آنحضرتؐ کو دق کرنا ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ تحمل سے کام لیتے تھے اور بس اتنا ہی فرماتے تھے کہ "کیا حق ہمسائیگی یہی ہے"۔ اور کچھ نہ بولتے تھے یوں ہی آہستہ آہستہ قریش کی طبیعتیں فساد کی طرف بڑھتی گئیں۔ اور آنحضرتؐ کی عداوت ان کے دلوں میں جگہ پکڑتی گئی۔

موسم حج میں جب لوگ باہر کے آتے تھے تو آنحضرتؐ دعوت اسلام کرتے تھے اور بعض بعض ایمان بھی لاتے تھے۔ ایسے موقع پر ابولہب سخت بے ادبیاں کرتا تھا آنحضرتؐ تو لوگوں کو دعوت اسلام کرتے تھے اور یہ کمبخت پتھر مارتا تھا اور لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ یہ شخص ساحر ہے، شعبدہ باز ہے۔ شاعر ہے اور کذّاب ہے کبھی وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اس شخص کا دماغ پھر گیا ہے تم لوگ اس کی باتیں کیا سنتے ہو۔ آنحضرتؐ یہ سب کچھ سنتے تھے۔ لیکن کچھ نہ بولتے تھے۔ اور اپنے کام سے واسطہ رکھتے تھے۔

عبدالمطلب کے بعد ابوطالب سردار مکہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے خوف سے کفار آنحضرتؐ سے کچھ نہ بول سکتے تھے اور اسی طرح ان مسلمانوں کا بھی کچھ نہ کر سکتے تھے جن کا کنبہ خوش حال تھا۔ لیکن غریب مسلمانوں کے ساتھ کفار بڑی سختیاں کرتے تھے۔ گرم ریت پر دھوپ میں سلاتے تھے۔ گرم پتھر جسم پر باندھتے تھے۔ درّے مارتے تھے۔ دانہ پانی بند کرتے تھے سبھی کچھ کرتے تھے۔ لیکن جو ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے سامنے توحید اور رسالت کا اقرار کر جاتا تھا پھر وہ اس سے منحرف نہ ہوتا تھا۔

جب مسلمانوں کے ساتھ کفار مکہ کا ظلم زیادہ بڑھا تو پیغمبر خداؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔ ہجرت کا حکم اس وقت موکّد نہ تھا۔ حبشہ جس کو ابی سینیا کہتے ہیں ہجرت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اول اول گیارہ مرد اور چار عورتیں، کل پندرہ شخص مکہ سے چھپ کر باہر نکلے جدہ تک پیادہ آئے اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر حبشہ کے ساحل پر اتر پڑے۔ حبشہ میں اس وقت عیسائی بادشاہ تھا جسے نجاشی کہتے تھے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عثمانؓ بن عفان اپنی زوجہ رقیہ بنت رسولؐ کے ساتھ گھر سے نکلے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گھر سے نکلے تھے۔

کافروں نے جب دیکھا کہ اہل مکہ مسلمان ہوتے ہیں اور چپ چاپ حبشہ چلے جاتے ہیں تو ان کی کدورت اور بڑھی۔ چند کفار نجاشی اور اس کے اراکین دولت کے لئے تحائف لے کر حبشہ میں پہنچے۔ اراکین دولت نے نجاشی سے عرض کیا کہ چند آدمی مکہ سے ہمارے ملک میں اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر بھاگ آئے ہیں ان کے اہل ملک ان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ وہ ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ نجاشی نے کہا کہ مجھ سے پناہ مانگی جائے تو مجھے پناہ دینا لازم ہے۔ میں اپنے ملک سے ان نوواردوں کو جانے نہ دوں گا۔ لیکن ان کو بلانا چاہیئے کہ ان کے باہمی نفاق کا پتہ چلے۔

یہ خانہ برباد مسلمان نجاشی کے دربار میں چلے۔ حضرت جعفر طیارؓ سب کے پیشوا تھے

کفار مکہ جب دربار میں آئے تو پہلے انھوں نے بادشاہ کو سجدہ کیا اور اس کے بعد ایک گوشے میں مودب بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں مسلمان آئے اور انھوں نے صرف سلام کیا سجدہ نہیں کیا۔ نجاشی کے ندیموں نے مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا: تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟" جعفر طیارؓ نے کہا کہ "ہم مخلوق خدا کو سجدہ نہیں کرتے۔ ہمارے پیغمبر نے ہم کو یہی تعلیم دی ہے" اس گفتگو سے مسلمانوں کی طرف سے نجاشی کے دل میں وقعت قائم ہوئی۔ اور اس نے پوچھا کہ "تم نے اپنے بھائیوں کا دین چھوڑ دیا۔ اور یہود و نصاریٰ کے دین پر بھی تم نہیں ہو پھر آخر تمہارا کیا دین ہے؟"

نجاشی کے دربار میں جو تقریر جعفرؓ نے کی اسے مورخوں نے نقل کیا ہے۔ ہم یہاں اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں :-

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے تھے مردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بری طرح پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے ہماری ہی قوم کا ایک پیغمبر بھیجا۔ جس کی شرافت، نسب، راستبازی، ایمانداری، اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم ایک اسی خدا کو خدا جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں۔ جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اس نے حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر کے بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کو اس نے فرض بتایا۔ ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اس کے مالک کے پاس

پہنچا دینے اور قرابت داروں سے ریاعت یا مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابہ سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بے ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ ہم نے اس کو سچا جانا اور جو احکام اس نے خدا کی طرف سے سنائے ان سب کی پیروی اختیار کی۔ ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اس کو حرام اور جو حلال کر دی ہے اس کو حلال جانتے ہیں۔ اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور طرح طرح سے ہم کو دکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ ہم خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے پھر ان کو جائز جانیں۔ جب انھوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ کیا اور ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھ کو اور بادشاہوں کی نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ امید کر کے کہ تیرے سامنے ہم پر کوئی شخص ظلم نہ کر سکے گا۔ تیری پناہ اختیار کی۔"

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ایمان لانے کی کیفیت مورخوں نے کسی قدر جزوی اختلاف کے ساتھ یوں لکھی ہے کہ ایک دن ابوجہل نے باہم یہ ذکر کیا کہ کوئی محمدؐ کو قتل کر ڈالے تو میں ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے بات پکی کر کے قتل کا بیڑہ اٹھایا۔ راہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضرت عمرؓ کا ارادہ سنکر کہا کہ "محمدؐ کو پیچھے مارنا پہلے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن بھی مسلمان ہو گئی ہے۔" عمرؓ اپنی بہن کے گھر گئے۔ وہاں حالت یہ تھی کہ دروازہ اندر سے بند تھا اور حضرت خبابؓ

کی بہن اور ان کے شوہر حارث کو حضرت خبابؓ سورۂ طہٰ (ایک کاغذ پر لکھی ہوئی) پڑھا رہے تھے۔ عمرؓ کی آواز سن کر حضرت خبابؓ چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ان کی بہن نے کہا کہ ہم لوگ باتیں کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بکری ذبح کر کے پکانے کو کہا۔ جب وہ پکی تو زن و شو نے ذبیحہ کافر سمجھ کر اس کے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے خاص اسی غرض سے بکری ذبح کی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے مسلمان ہونے کا یقین ہو گیا تو ان کو مارنا شروع کیا عورت کو چوٹ زیادہ آئی اس کا خون آلود چہرہ دیکھ کر حضرت عمرؓ پشیمان ہوئے۔ کچھ دیر ساکت رہ کر انھوں نے پوچھا کہ اچھا وہ پرچہ کہاں ہے۔ جسے تم لوگ پڑھتے تھے؟" کسی قدر تامل کے بعد وہ پرچہ عمرؓ کو دیا گیا۔ اور وہ پڑھنے لگے۔ جب" وان تجہر بالقول فانہ یعلم السر واخفی "تک پہنچے تو کلام نے اپنا اثر دکھایا۔ حضرت عمرؓ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا" کیا اچھا کلام ہے" حضرت خبابؓ اتنا سہارا پا کر گوشے سے نکل آئے اور بولے عمرؓ مبارک ہو تجھے اسلام۔ رات آنحضرتؐ دعا کرتے تھے" خدایا ابوجہل بن ہشام یا عمرؓ بن الخطاب سے اسلام کو عزت دے" حضرت عمرؓ اسی وقت آنحضرتؐ کے پاس پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ عم رسولؐ کے اسلام قبول کرنے کی یہ کیفیت ہے کہ ایک روز وہ شکار سے آرہے تھے۔ راستے میں سنا کہ ابوجہل نے آنحضرت محمدؐ کو بہت تنگ کیا ہے۔ بہ تقاضائے حمیت وہ ابوجہل کے پاس بازپرس کرنے کو گئے اور پھر خود اعلانیہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام کفار کے لئے زائد اشتعال کا سبب ہوا پہلے نزاع شخصی تھا اور اب قومی جھگڑا شروع ہوا۔ ابتدا میں دس بیس مفسد آنحضرتؐ کے مخالف تھے۔ اور اب کل قریش ایک دل ہو کر مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ نبوت کے ساتویں سال شروع ہونے پر ایک روز کفار مکہ نے جمع ہو کر ابوطالب عم رسول کو بلایا اور صاف صاف لفظوں میں سنایا کہ تم محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو کہ ہم اسے ہلاک

کر ڈالیں۔ یا ہم سے جنگ کرو۔" ابو طالب گھر پر آئے اور آنحضرتؐ کو بلا بھیجا۔ آنحضرتؐ کے آنے پر چچا بھتیجے میں گفتگو شروع۔ ابو طالب نے قریش کی گفتگو سنا کر کہا: "محمدؐ ہم میں قریش سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے اپنی جان کا خیال کرو۔ اہالی مکہ کے معبدوں کو برا نہ کہو۔" آنحضرتؐ سمجھے کہ ابو طالب میری حمایت سے دست بردار ہوتے ہیں۔ ابو طالب کی تقریر کا منشا ہی یہ تھا۔ آنحضرتؐ نے کہا: "اگر آسمان سے آفتاب اور ماہتاب اتر کر میرے دلہنے اور بائیں آجائیں۔ جب بھی میں باز نہیں آسکتا۔" یا دوسری روایت کے مطابق یہ فرمایا کہ "میں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ آپ کی تخویف مجھے روک نہیں سکتی۔ آپ میری مدد کیجئے تو بہتر نہیں تو خود اللہ کی مدد مجھے کیا کم ہے۔" آنحضرتؐ یہ کہہ کر رونے لگے اور رونے کا مقام ہی تھا۔ ایک طرف دلسوز چچا کی نصیحت اور دوسری طرف خدا کا حکم۔ خدا کا حکم ٹوٹا لنے کے لائق نہیں۔ اور چچا ہے کہ فرط محبت میں خیر خواہانہ گفتگو کر رہا ہے۔ غرض کہ آپ وہاں سے افسردہ خاطر اٹھے اور گھر کا رخ کیا۔ آنحضرتؐ کے مایوس اٹھنے پر ابو طالب کا دل بھر آیا اور ایک کہن سال باعزت بہادر کی حیثیت سے انھوں نے کہا "اچھا جاؤ اپنا کام دیکھو۔ جو جی میں آئے کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہارا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔

ابو طالب نے جب آنحضرتؐ کو کفار کے سپرد نہ کیا تو خود کفار آنحضرتؐ کی فکر میں ہوئے کہ کسی طرح آپ کو ہلاک کریں۔ ابو طالب نے تمام ہاشمیوں (بنو ہاشم) کو جمع کر کے صورت حال بیان کی۔ سب نے ابو طالب کا ساتھ دیا۔ اور مذہبی لڑائی کی جگہ ایک گونہ خاندانی لڑائی ٹھن گئی۔ بنو ہاشم میں اس وقت بہت کم مسلمان تھے۔ باقتضائے حمیت خاندانی یہ ایک طرف تھے اور تمام قریش دوسری طرف تھے۔ مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ مبادا رات کو یا دن کو اچانک قریش حملہ آور ہوں اس لئے آنحضرتؐ مع تمام اصحاب کے ابو طالب کے وسیع مکان میں چلے گئے اور وہیں تمام بنو ہاشم بھی رہنے لگے۔ اس مکان کو ایک گڑھی فرض کرنا چاہیئے مورخین نے اسے شعب لکھا ہے۔ ماہ محرم کی پہلی تاریخ کا یہ واقعہ ہے۔ کفار نے یہ حالت دیکھ

کرلڑنے کی نوبت نہ آئی۔ لیکن آپس میں اتفاق کرکے اس شعب کے رہنے والوں کو
اپنی قوم سے علیحدہ کر دیا۔ اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ شروع کیا جیسا ہندوستان میں اکثر
اقوام خطاکاروں کو خارج از برادری ذات کر دیتے ہیں۔ اہل شعب کے ساتھ انھوں
نے مناکحت، مبایعت، مخالطت اور مکالمت بند کر دی۔ شعب سے جب کوئی نکلتا تھا
تو لوگ اس کو مارتے تھے۔ بازار میں چیز خریدنے یا بیچنے نہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایام حج میں
شعب سے باہر نکلنے نہ دیتے تھے۔ انسان کی فطرت یوں رکھی گئی ہے کہ ایک دوسرے
سے استعانت چاہے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی۔ جسمانی
اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی بھی شروع ہوئی۔ اپنے کنبے والے جب کبھی
شعب کے کوئی چیز بھیجتے تھے اور لوگوں کو خبر ہو جاتی تھی تو وہ اپنے ہم چشموں میں رسوا
کئے جاتے تھے اور بدعہد قرار پاتے تھے۔ تین برس یہ قید قائم رہی قید سے چھوٹنے کے
حالات جاننے کے لئے تاریخ اسلام پڑھنا چاہئے۔

ابوطالب کے مرنے پر چند دنوں کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ زوجہ محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو ابوطالب اور خدیجہؓ کے مرنے کا بڑا غم ہوا۔
اور اسی لئے اس سال کو آنحضرتؐ نے عام الحزن رنج کا سال کہا۔ ابوطالب اور خدیجہؓ کی
موت نے کافروں کو دلیر کر دیا۔ انھوں نے پھر زیادتی شروع کر دی۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ
پر کافروں نے راہ چلتے خاک ڈال دی۔ آپ اندر آئے تو آپ کی کسی لڑکی نے تمام جسم
سے خاک جھاڑی۔ آنحضرتؐ ملول تھے اور کہتے تھے کہ ابوطالب کی حیات میں قریش دبتے
تھے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ اللہ تعالےٰ حمایت کرے گا۔

اب مکہ اس قابل نہ رہا کہ آنحضرت وہاں قیام کرتے لوگ بے طرح بے ادبیاں کرنے
لگے۔ آنحضرت نے نواح مکہ میں دعوت اسلام کا ارادہ کیا۔ اور اس غرض سے مع اپنے خادم
زید بن حارثہ کے قبیلہ بنی بکر میں پھر قوم قحطان کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن کہیں کسی

ٹھہرنے کی صورت نظر نہ آئی۔ صرف یہی نہیں کہ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ اہل مکہ کی طرح وہ لوگ بھی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔ شور کرتے تھے۔ بناتے تھے آوازے کستے تھے۔ پتھر مارتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ کسی طرح جہالت میں اہل مکہ سے کم نہ تھے۔

تھوڑے دنوں تک باہر رہ کر جب آنحضرتؐ پھرے تو راہ میں چند مسلمان آپ سے ملے۔ انھوں نے عرض کیا کہ "طائف میں ان لوگوں نے جو کچھ آپ کے ساتھ برتاؤ کیا۔ اہل مکہ اس سے واقف ہیں۔ یہاں بھی چند بے فکرے آپ کے لئے تیار رکھے گئے ہیں۔ مکہ چلنا کسی طرح مصلحت نہیں"۔ آنحضرتؐ کوہ حرا پر ٹھہرے اور سرداران مکہ کے پاس پیغام بھیجا۔ لیکن کسی نے آپ کو اپنی حمایت میں لینا پسند نہیں کیا۔ آخر میں مطعم بن عدی راضی ہوا۔ اور کوہ حرا سے آنحضرتؐ کو ساتھ لایا۔ اور لوگوں کے پوچھنے پر بولا کہ میں محمدؐ کا مجیر اور حامی ہوں۔ دستور جاہلیت کے موافق پھر کوئی آنحضرتؐ سے بول نہ سکتا تھا۔ مطعم بن عدی آنحضرتؐ کو اپنے گھر لے گیا اور اس کے تمام گھر والے آنحضرتؐ کی حفاظت کرنے لگے اور چند روز تک آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب اس کے ساتھ رہے۔

نبوت کے گیارھویں سال قبیلہ خزرج کے چار یا چھ شخص جو مدینے سے حج کرنے آئے تھے مسلمان ہوئے۔ انھوں نے مدینہ میں جاکر آپ کا ذکر کیا اور یہی گویا ہجرت مدینہ کی بنیاد پڑی۔

تیرھویں سال ایک جماعت کثیر مدینہ سے حج کرنے آئی اور ان میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

دوسرے سال ایام حج میں حضرت مصعبؓ مکہ میں آئے اور بہتر آدمیوں کو آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ساتھ لائے۔ ان لوگوں نے مسلمان ہو کر آنحضرتؐ سے استدعا کی کہ آپ مدینہ میں چل کر قیام فرمائیے۔ جب مدینہ والوں سے پورا اطمینان ہو گیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانان مکہ کو مدینہ جانے کے لئے عام اجازت دی۔ مکہ میں یہ لوگ زندگی سے بیزار تھے۔ حکم ہوتے ہی انھوں نے روانگی شروع کر دی۔

اہل مدینہ کے مسلمان ہونے اور مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کرنے سے کفار قریش بہت خائف ہوئے۔ ڈرے کہ محمدیوں نے زور پکڑا تو بدلا ضرور لیں گے اور سب نے مل کر مشورہ کیا۔ پہلے آنحضرتؐ کا قید کرنا پھر جلا وطن کرنا تجویز میں پیش ہوا۔ آخر میں

ابوجہل نے یہ رائے دی کہ محمدؐ ہلاک کئے جائیں اور کثرت رائے سے یہی تجویز قرار پائی۔ لیکن ابوبکرؓ کے ساتھ آنحضرتؐ مکہ سے چھپ کر بھاگے اور بدشواری دشمنوں سے خود کو بچاتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ مفصل حالات پڑھنے میں بڑی دلچسپی ہے۔

مہاجروں (ہجرت کرنے والے مسلمان قریش) کے لئے مدینہ باعتبار آب وہوا کے اچھا نہ تھا۔ مکہ کی بالکل خشک آب وہوا تھی اور مدینہ کی مرطوب اسپر سفر کی بے سرو سامانی اور بے اعتدالی۔ مدینہ میں صفائی بھی کم تھی۔ تھوڑے دنوں میں مسلمانوں کو تغیر آب وہوا کا اثر معلوم ہونے لگا۔ اکثر مسلمان جاڑے بخار اور وبائی امراض میں مبتلا ہوگئے۔ جب بخار میں وہ ہزیان بکتے تھے تو کفار کو گالیاں دیتے تھے جن کی وجہ سے مکہ کی لطیف آب وہوا ان سے چھوٹی تھی۔ یہ مصیبت زائد عرصہ تک نہ رہی۔ کچھ تو آب وہوا موافق آگئی اور کچھ مسلمانوں کی صفائی نے گویا میونسپل بائی لاجاری کرکے تمام شہر کو عفونت اور گندگی سے پاک کردیا۔

اب صرف فاقہ کشی کی ایک تکلیف رہ گئی تھی جس میں عرصہ تک مہاجر بتلا رہے جب تک متمول مہاجروں کے پاس سرمایا تھا غریب مہاجروں کی خبرگیری ہوتی رہی۔ تھوڑے دنوں میں امیر وغریب سب برابر ہوگئے۔ انصار یعنی مسلمانان مدینہ کب تک مہمانی کا بوجھ اٹھاتے پھر بھی وہ بہت کچھ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر یہ زمانہ بڑی عسرت کا تھا اور اس کے ساتھ ہی بڑے امتحان کا بھی تھا۔

غرض کہ ہجرت کے اول ہی سال مسلمانوں کا پورا سکہ مدینہ میں بیٹھ گیا۔ صرف ایک فاقہ کشی کی تکلیف تھی وہ بھی چند سال کے بعد رفع ہوگئی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ہجرت مدینہ ایک بڑا واقعہ ہے اور اسی سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

آج تک مسلمانوں نے جسقدر صبر کیا وہ طاقت بشری سے باہر تھا۔ وہ بھی انسان تھے عرب کا خون رگوں میں تھا۔ تعداد میں کم سہی۔ لیکن کیا کم تعداد میں غصہ ناپید رہتا ہے۔ کمزور زبردست سے کبھی جھنجلا کر چمٹ نہیں جاتا۔ "کسنور مغلوب یصول علے الکلب،، لیکن

مجبوری یہ تھی کہ آنحضرتؐ کے حکم کے بغیر اصحاب کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اور آنحضرتؐ کا حکم بلا وحی (حکم ربانی) کے صادر نہ ہو سکتا تھا یا یہ کہ آپ کو ایک وقت خاص کا انتظار تھا۔ حکم جہاد ہوتے ہی مسلمان اس طرح بپھر گئے جس طرح بھوکا شیر پنجرے سے باہر کر دیا جائے آنحضرتؐ کے زمانے میں غزوات کی تعداد ۱۹ سے ۲۷ تک اور سریہ کی تعداد ۵۶ تک بیان کی جاتی ہے ان میں سے ابتدائی حملے مسلمانوں کے لوٹ مار قسم کے تھے اور اسی لئے یورپ کے بعض متعصب مورخین نے آنحضرتؐ محمد کو لٹیروں کا سردار لکھا ہے۔ ضروری ہے کہ یہاں لوٹ مار کی تشریح کر دی جائے تاکہ مسلمانوں پر یہ اتہام عاید نہ ہو۔

مکہ کے رہنے والے شام کو برابر تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے مدینہ راہ میں پڑتا تھا۔ نواحی مدینہ سے جب یہ کفار گزرتے تھے تو مدینہ کے مسلمانوں کو خبر ملتی تھی۔ مکہ والوں نے جو زیادتیاں مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں وہ اوپر بیان کی گئیں۔ مکہ کا کوئی کافر ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں کا اس سے بدلہ لینا بے جا سمجھا جاتا۔ اس لئے بلا استثناء قریش کے کافروں پر مسلمان حملہ کرتے تھے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوتے تھے ان حملوں کو کسی طرح بیجا نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسے لوٹ مار سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بعض متعصب مورخ لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لوٹ مار کا حکم دے۔ لیکن کفار کی پچھلی زیادتیوں کو سن کر کوئی سمجھ دار ایسا نہیں کہہ سکتا تمام قریش نے ایک دل ہو کر مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیا اور مال و اسباب بھی کچھ کچھ ضبط کر لیا۔ مسلمان ہونے کے جرم میں جہاں تک ان سے ممکن ہوا مسلمانوں پر سختیاں کیں۔۔ اب کیا پیغمبرؐ کی یہ شان تھی کہ لوگوں کو ایمان لانے کے قصور میں اتنی سب سزائیں دی جائیں اور وہ پھر بھی سزا پانے والوں سے یہی کہے جاتا کہ تم صبر کرو۔

اسلام پھیلانے میں قریش بہت بڑے حارج تھے۔ ان کا ندیہ کرنا بھی اس حیثیت سے لازم تھا۔ یہی خیال اور بھی چند مورخین کا ہے۔ لیکن بعض مورخین یہ لکھتے ہیں۔ کہ

آنحضرتؐ نے کبھی لوٹ مار کا حکم نہیں دیا۔ پیغمبر خدا کو یہ خوف تھا کہ مدینہ پر کہیں قریش حملہ نہ کریں ان کے آنے جانے کی خبریں سن کر لوگوں کو آنحضرتؐ تفحص حالات کے لئے تعینات کر دیتے تھے تفحص حالات کے لئے اصحاب کا جانا مورخوں نے سریہ یعنی جنگ کے لئے فوج کا بھیجا جانا غلط سمجھ لیا ہے۔ اس خیال کے مورخوں کا بیان ہے کہ بدر کی لڑائی تک جو لوگ قریش کے قافلہ کی طرف گئے وہ سب تفحص حال کے لئے بھیجے گئے تھے کہ کہیں مدینہ پر کفار عرب کا حملہ تو نہ ہو یا جو متعلقین مسلمانوں کے مکہ میں ہیں دریافت کریں کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کفار مکہ کرتے ہیں۔ بدر کی لڑائی میں آنحضرتؐ جو مدینہ سے نکلے وہ بھی جنگ کی غرض سے نہیں بلکہ قریش کی آمد کی خبر سن کر آپ یہ مناسب نہ سمجھے کہ مسلمان مدینہ میں چھپے بیٹھے رہیں آپ کا یہ خیال تھا کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے یہ ان کے تنفض کا سبب ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر مسلمان قریش کو روکیں۔ جو ہونا ہے وہیں ہو رہے گا مدینہ کے باشندوں پر بلا کا نازل ہونا اچھا نہیں۔

بعض حملے مسلمانوں کی طرف سے نواحی مدینہ کے باشندوں پر بھی کئے گئے نہ اس لئے کہ ان کے مال و متاع کو لوٹ کر پیٹ پالا جائے بلکہ اس لئے کہ ان کی زیادتیوں نے حفاظت خود اختیاری پر مسلمانوں کو مجبور کر دیا تھا۔

سال اوّل کے اخیر یا سال دوم کے شروع میں پہلا غزوہ ابوا کا ہوا۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے۔ آنحضرتؐ اسعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ چھوڑ کر قریش کے حامی قبیلہ بنی حمزہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے بمقام ابوا قبیلہ بنی حمزہ کے لوگ بصلح پیش آئے اور اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صلح اس امر پر ہوئی کہ وہ کفار قریش یا مدینہ کے مسلمان کسی کا بھی ساتھ نہ دیں گے۔ شرط صلح سے ظاہر ہے کہ نیت مسلمانوں کی کیا تھی۔

غزوہ بدر کبریٰ کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک بڑا مال تجارت کا مکہ سے

شام کو ابو سفیان امیر قافلہ کے ذریعہ سے گیا۔ شام سے پھرتے ہوئے اسے لا محالہ مدینہ سے
گزرنا ضرور تھا۔ اور یہ بھی یقین تھا کہ جب مسلمان بدلہ لینے پر تلے ہوئے ہیں تو جنگ کا ہونا
ممکن ہے۔ اس لئے ابو سفیان نے مکہ میں مدد کے لئے آدمی بھیجا۔ قاصد اونٹ کے کان کاٹ
کر زین الٹی باندھ کر گریبان دریدہ شہر میں داخل ہوا۔ تمام شہر میں اس کے آنے سے تہلکہ
مچ گیا۔ چونکہ مال تجارت کل قوم کا تھا اس لئے تمام اہل مکہ کو اس قافلہ سے تعلق تھا اور
یوں آنحضرتؐ محمد کی دشمنی ہی کیا کم غرض مشترک تھی تمام مکہ کے جنگ جو شہر سے نکل پڑے
مکہ کے اکثر اہل الرائے اس خروج کے مخالف تھے اور اخیر تک وہ مخالفت پر قائم بھی رہے
لیکن ابو جہل کی جوڑ بازی کے سامنے کسی کا بس نہ چلا۔ ادھر آنحضرتؐ چلے ادھر شام سے
ابو سفیان کا قافلہ آیا۔ مکہ سے تمام صنادید قریش ابو جہل کی رہنمائی میں چل کھڑے ہوئے
تھے۔ ابو سفیان ساحل بحر سے دب کر نکل گیا مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائی۔ اس نے ابو جہل
کو بھی واپس بلانا چاہا اور کہلا بھیجا کہ جب مال بچا لیا گیا تو پھر جنگ سے کیا مطلب مگر یہاں تو
اس کی موت آ پہنچی تھی بھلا وہ کیونکر راضی ہوتا۔

مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا کہ اس لڑائی میں تمام قریش سے لڑائی
ہو جائے گی۔ وہ جانتے تھے کہ صرف ابو سفیان کے قافلہ والوں سے مقابلہ ہوگا
جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ جنگ کا پورا سامان ہے تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کا امتزاج
لینا چاہا۔ مہاجرین تو کفار مکہ پر خار کھاتے ہی تھے ان کی مستعدی کچھ مستبعد نہ تھی۔ لیکن
انصار کو مستعد پا کر آنحضرتؐ بہت محظوظ ہوئے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے کہا ہم حضرت موسیٰ
کی نافرمان امت نہیں ہیں کہ "اذہب انت وربک فقاتلا" کہہ کر الگ ہو جائیں ہم آپ
کے ساتھ سر دینے کو تیار رہیں۔

ابو سفیان کی جماعت ابو جہل کے ساتھیوں سے نہ ملی۔ جب یہ آگئی تو بحث ہوئی کہ
لڑنا مصلحت ہے یا واپس جانا۔ کثرت رائے واپس جانے پر تھی لیکن ابو جہل کو لڑائی

کی زیادہ تمنا تھی۔ اس نے اخیر میں عامر کو گانٹھا جس کا بھائی عمر سریۂ عبد اللہ میں مارا گیا تھا۔ وہ ننگے سر "واعمراہ" کہتا ہوا لشکر میں شور مچانے لگا۔ اس آخری فکر میں ابوجہل کامیاب ہوا اور لڑائی چھڑ گئی۔

اس جنگ میں ابوجہل کے ساتھ ساڑھے نو سو لڑنے والے تھے اور کچھ ابوسفیان کے بھی ساتھ تھے۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ صرف تین سو پانچ مسلمان اس لڑائی میں آنحضرتؐ کے شریک تھے۔ جن میں سے اسّی تو مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے۔ جو لوگ مکہ سے مدینہ آکر آنحضرتؐ کے ساتھ لیے تھے وہ مہاجر کہلاتے تھے اور مدینہ کے مسلمان انصار بولے جاتے تھے۔

جنگ کی ابتداء یوں ہوئی کہ تین کفار قریش یعنی عتبہ وغیرہ نے میدان جنگ میں آکر مرد مقابل طلب کئے۔ تین شخص انصار کے بڑھے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ ہم ان سے لڑنا ننگ سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر مہاجرین سے حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ سامنے آئے اور حمزہؓ اور علیؓ نے تو اپنے اپنے مبارز کو فوراً ہی ہلاک کیا۔ لیکن عبیدہؓ سے برابر لڑائی ہوئی۔ عبیدہؓ نے زخم کھایا اور اپنے مبارز کو بھی زخمی کیا۔ حمزہؓ اور علیؓ نے پہنچ کر عبیدہ کے مبارز کو بھی ہلاک کیا اس کے بعد پوری جنگ شروع ہوئی۔ کفار کا تکبّر اور پھر اس پر سے باہمی اختلاف آراء ایک طرف تھا اور دوسری طرف دل جلے مسلمان اور سب سے بڑھ کر تائید غیبی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بہت سے کفار مارے گئے اور قید کئے گئے۔ کفار بھاگے تو مسلمانوں نے تعاقب کیا۔ حالت تعاقب میں کچھ کفار اسیر ہوئے اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مقتول کفار کی تعداد ستر بیان کی گئی ہے اور اتنے ہی اسیر بھی ہوئے مسلمانوں کی طرف سے صرف ۱۴ مسلمان کام آئے۔ جن میں سے چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصار۔

اس لڑائی میں تمام پرانے دشمن اسلام مارے گئے۔ وہ لوگ جو ہجرت کی رات مکہ میں خانۂ رسولؐ کے محاصر تھے باستثناء ایک شخص کے جو بعد کو مسلمان ہوا اور سب کے

سب مارے گئے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے دشمن معدوم ہو گئے تھے جوش جاہلیت نے اور نئے نئے دشمن پیدا کئے۔ جن کی لڑائیوں کا حال مفصل تاریخ اسلام میں مندرج ہے۔

ابتدائے اسلام کی حالت ایسی تھی کہ فوجی قانون (مارشل لاء) جاری کئے بغیر کام نہ چلتا۔ کہیں دو چار ابوجہل مدینہ میں بھی پیدا ہو جاتے تو مسلمانوں کا رہنا دشوار ہو جاتا اس لئے اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے یہودیوں سے جب کوئی زیادتی ہوتی تھی تو پھر بدلہ لینے میں مسلمان تامل نہ کرتے تھے۔ لیکن کسی حالت میں وہ انصاف۔ تہذیب اور اعتدال سے متجاوز نہ ہوتے تھے۔ اور ایک بات اور بھی تھی کہ مدینہ میں آنحضرتؐ کی حالت سلطان وقت کی سی تھی۔ اور سلطان وقت کے خلاف سازش کرنے والے باغیوں کو سزا دینا ہر حالت میں ضروری تھا۔

پہلے عرب میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ نہ کوئی بادشاہی قانون تھا۔ آپس کے دستور اور معاہدہ کے مطابق ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برتاؤ رکھتا تھا اور قبیلہ کے سردار گویا قبیلہ کے حکمران ہوتے تھے۔ جب مسلمان مدینے میں آئے تو قرب وجوار کی قوموں سے دستور کے مطابق معاہدے ہوئے کہ ایک دوسرے کا برا نہ چاہے اور باہم مراسم احترام قائم رہیں۔ مدینہ میں ایک قبیلہ یہودیوں کا بنی قینقاع تھا یہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہے۔ مسلمانوں سے بے ادبیاں شروع کیں۔ ایک مسلمان عورت سے تمسخر کرنے پر فریقین کے ایک ایک آدمی مارے گئے۔ پیغمبرؐ خدا نے ان کو بلا بھیجا اور آشتی گفتگو کی مگر ان لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ قریش پر غالب رہنے سے آپ کچھ گھمنڈ نہ کیجئے۔ وہ فن جنگ سے واقف نہ تھے۔ ہم لوگ اس فن کے ماہر ہیں ہم سے ڈرتے رہیئے۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے عروج پر وہ لوگ حاسد بھی تھے غرض کہ باہم لڑائی ٹھہر گئی۔ جب مسلمان پہنچے تو وہ اپنی گڑھی میں پناہ گزیں ہو گئے اور

چھ سو دن کے بعد اسیر ہوئے آخر میں شہر بدر ہونے پر وہ راضی ہوئے اور اسی شرط پر ان کی جان بخشی گئی۔

ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ محمدؐ یا اصحاب محمدؐ سے انتقام لئے بغیر وہ عورتوں سے صحبت نہ کرے گا۔ نہ سر میں تیل ڈالے گا آنحضرتؐ سے اب انتقام لینا آسان نہ تھا اس لئے محض قسم اتارنے کو وہ کچھ آدمی لے کر نواحی مدینہ تک آیا۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مسلمان اور اس کے ایک مزدور کو مار کر اور چند خرمے کے درختوں اور رہنے کے گھروں میں آگ لگا کر چلا گیا۔ آنحضرتؐ نے خبر پاکر تعاقب کیا لیکن ابو سفیان بھاگا اور بھاگتے ہوئے بار شتر ہلکا کرنے کی غرض سے سویق (ستو) کے بورے گراتا گیا۔ اسی وجہ سے اس کا نام غزوۂ سویق رکھا گیا۔

عراق اور مکہ کی راہ میں مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قرقرۃ الکدر واقع ہے۔ مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ وہاں بنو سلیم اور بنو غطفان فساد کے لئے جمع ہوئے ہیں آنحضرتؐ نے ان پر چڑھائی کی۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن ان کے چرواہے ۵ سو اونٹ سمیت گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ ان چرواہوں میں یسار نام ایک غلام تھا وہ آنحضرتؐ کے حصہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ آنحضرتؐ نے اسے پھر آزاد کر دیا۔

اب ہجرت کا تیسرا سال شروع ہوا۔ ہجرت کے دوسرے سال اور حکم جہاد کے پہلے ہی سال آنحضرتؐ نے حکمرانی کی ایک حیثیت پیدا کر لی تھی۔ آپ مسلمانوں کے سردار اور مقتدا تو تھے ہی۔ اب گردونواح کے لوگ بھی آپ کا خیال رکھنے لگے جو عداوت اور کینہ رکھتے تھے (اور ایسے لوگ بہت تھے۔ خود انصار میں کتنے منافق تھے) وہ بھی کھلم کھلا اظہار بغض میں تکلف کرتے تھے اور تکلف نہ کرتے تو باغی قرار پاکر اپنے اعمال کی سزا پاتے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ مدینہ سے کچھ تھوڑی دور پر نواحی نجد میں بمقام ذی امر کچھ بدو اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں پر اچانک آپڑیں اور نقصان

پہنچائیں۔ آنحضرتؐ نے خود پیش قدمی کی اور کوئی ساڑھے چار سو آدمی لے کر وہاں پہنچ گئے یہود پہاڑوں میں جا چھپے اور مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمان منتشر ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے تنہا سو رہے تھے کہ ایک یہودی شمشیر بکف پہاڑی سے اترا اور کہنے لگا "من یمنعک منی" بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟۔ آنحضرتؐ نے کہا اللہ تعالیٰ یہ سنتے ہی وہ ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آنحضرتؐ نے اس کی تلوار ہاتھ میں لے کر پوچھا کہ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا۔ اس یہودی کے منہ سے نکلا — "اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ" یعنی وہی اللہ جس نے اپنے رسولؐ کو بچایا اس غزوہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی نہ کچھ مال غنیمت دستیاب ہوا۔

جب مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ مسلمانان مدینہ ہماری تاک میں رہتے ہیں تو انہوں نے یثرب یعنی نواحی مدینہ کا راستہ چھوڑ کر عراق عرب یعنی مدینہ مغرب ہو کر شام جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں کو اس کا پتہ لگ گیا۔ زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرتؐ نے روانہ کیا۔ قریش بھاگ گئے۔ اب کی ان کے ساتھ مال بہت تھا اس لئے بہت کچھ نقد وجنس مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

کعب بن اشرف یہودی بڑا ہی بدذات شاعر تھا۔ مدینہ کے قریب ہی ایک ٹیلہ پر حصار میں رہتا تھا۔ اپنی قوم کا سردار اور دولت مند بھی تھا۔ جنگ بدر کے بعد یہ مکہ میں گیا اور جانے کی غرض صرف یہ تھی کہ قریش کو اپنی سحر بیانی سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد کرے۔ اس کا فساد مسلمانوں کو کھلا تھا۔ آنحضرتؐ کے ایما سے چند انصار نے اسے قتل کر ڈالا اور وہ اپنے کردار کو پہنچا اور اس لئے اس کے اعزہ نے شور وغل نہیں کیا۔

قریش نے پورے طور پر سامان کر کے دوبارہ مدینہ پر چڑھائی کی۔ عباسؓ بن عبدالمطلب نے پہلے سے آنحضرتؐ کو مطلع کر دیا تھا۔ مدینہ کے قریب قریش پہنچے تو مسلمانوں نے

مشورہ شروع کیا۔ آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ لوگ مدینہ سے باہر نہ جائیں۔ شہر میں گھس کر قریش کو لڑنا مشکل ہوگا اور مسلمانوں کو اس میں سہولت ہوگی۔ بعض اصحاب نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن وہاں مسلمانوں کا شوق شہادت بڑھا ہوا تھا اور جو لوگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ تو اور بھی زیادہ حریص تھے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہی رائے منظور کی۔ جب آنحضرتؐ ہتھیار لگا کر باہر نکلے تو بعض اشخاص نے سوچا کہ پیغمبر خدا کی رائے سے اختلاف کرنا ٹھیک نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے سن کر کہا کہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ ہتھیار باندھ کر کھول ڈالنا۔ اب جو ہونا تھا ہو چکا۔

قریش تین ہزار کی جماعت سے آئے تھے ان میں سات سو جوان زرہ پوش تھے۔ سردار فوج کا ابو سفیان تھا اور اس کے ماتحت بہت سے اکابر اور قریش تھے۔ دشمنوں کی تعداد تو زیادہ تھی ہی لیکن مسلمانوں نے غلطی کی کہ آنحضرتؐ کی ہدایت پر کاربند نہ ہوئے مسلمان بہت مارے گئے کفار برابر کی لڑائی سمجھ کر واپس گئے۔ وہ یہی غنیمت سمجھے کہ بات رہ گئی۔

اسی ۳ھ میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ قطن (ایک پہاڑ ہے فدک کی طرف) میں قبیلہ بنی اسد کے چند مفسد جمع ہو کر مسلمانوں پر قصد حملے کا رکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے "دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمرد" پر عمل کر کے ابو سلمہ مخزومی کو ڈیڑھ سو مسلمانوں کے ساتھ جن میں ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن وقاص وغیرہ اکابر بھی تھے دشمن کی گوشمالی کو روانہ کیا مخالفوں نے مقابلہ نہ کیا مسلمان فتحیاب ہوئے اور مع مال غنیمت کے واپس آئے۔

اب سنہ ہجری کا چوتھا سال شروع ہوا۔ سال کے شروع ہی میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ بہت سے انصار شہید ہوئے۔ قبیلہ نجد و بنی عامر سے ابو براء نام ایک یہودی آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں آیا۔ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اسلام کا معتقد معلوم ہوا بظاہر یہ سمجھا گیا کہ وہ تنہا مسلمان ہونا نہیں چاہتا۔ کل خاندان کے ساتھ مومن ہونا دنیاوی مصلحتوں کے اعتبار سے مناسب سمجھتا ہے خود اس کی درخواست پر چالیس یا ستر اصحاب

...ھ میں آنحضرت کو خبر ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ضرار مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ تصدیق خبر کے بعد آنحضرتؐ نے خود پیش دستی کی۔ یہود کی طرف سے ... مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور صرف ایک مسلمان شہید ہوا لڑائی میں ... کے پاؤں اکھڑ گئے مال غنیمت کے ساتھ مسلمان واپس آئے۔

... مورخین کا بیان ہے کہ غزوۂ خندق اسی ۵ھ میں واقع ہوا۔ اس غزوہ کو غزوۂ ... بھی کہتے ہیں۔ بنو نضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر اطراف عالم میں منتشر ہو گئے۔ حی بن اخطب ... نے ساتھیوں کے خیبر میں جا کر مقیم ہوا تھا۔ چند یہودیوں کو ساتھ لے کر مکہ پہنچا۔ وہ ... آنحضرتؐ سے لڑنے والے تو تھے ہی۔ ان یہودیوں کی مدد نے انھیں اور ابھارا۔ ... قریش نے خلاف کعبہ کے اندر گھس کر تعمیم ارادت کی نسبت قسمیں کھائیں اور بہت ... سی اور یک دلی سے یہ لوگ باہر نکلے۔ چار ہزار آدمی تو قریش کے تھے اور چھ ہزار ... اطراف مکہ کے لوگ۔ جملہ دس ہزار کی جمعیت سے مسلمانوں پر چڑھائی کی گئی مدینہ ... پہنچ کر حی بن اخطب نے قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسید کو بھی گانٹھا اور ... بنو قریظہ بھی قریش کے ساتھ مل گئے۔ یہ لڑائی بڑے معرکہ کی ہوئی بالآخر کفار ناکام ... گئے۔ اس لڑائی میں مخالفوں کی کثرت تعداد کا لحاظ کر کے آنحضرتؐ نے اپنی فوج ... کو محصور کر لیا تھا اس لڑائی میں بنو قریظہ نے بد عہدی کر کے کفار عرب کا ساتھ

اسی سنہ ۵ ہجری کے اخیر میں آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل میں کچھ لوگ جمع ہو کر قطاع الطریقی کرتے ہیں۔ راہ چلنے والوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ ہزار آدمیوں کی جماعت سے آنحضرتؐ روانہ ہوئے۔ وہ لوگ تو بھاگ گئے لیکن ان کے مواشی مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور مال غنیمت سمجھے گئے۔ دومۃ الجندل ایک قلعہ ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں واقع ہے۔

آنحضرتؐ کو خبر پہنچی کہ جماعت انمار اور ثعلبہ نے لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے خود سبقت کی۔ دشمنوں نے مسلمانوں کی مستعدی دیکھ کر فرار اختیار کیا۔ مسلمانوں کے پاؤں اس سفر میں زخمی ہو گئے۔ زخموں پر چیتھڑا لپیٹنے سے یا جھنڈوں میں پیوند لگانے سے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

حجاز کے کنارے ایک مقام رجیع نام ہے۔ وہاں سے کچھ لوگ مدینہ میں آکر بظاہر مسلمان ہوئے اور چھ مسلمان ارکان دین سکھانے کو ان کے ساتھ گئے۔ وہ گھر پہنچ کر ان سے لڑے اور اکثروں کو مار ڈالا۔ قصاص خون کے لئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی۔ لیکن ان کے بھاگ جانے سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی اور اسی سلسلہ میں محمد بن سلمہ کو آنحضرتؐ نے قضایا کی طرف بکر بن کلاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھوڑے سے مقابلہ کے بعد دشمن بھاگ نکلے اور مسلمان کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

آنحضرتؐ کے اونٹ مدینہ کے قریب چرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عینیہ نے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور سلمہ ابن عمر بن رکوع نے لٹیروں کا تعاقب کیا جنگل میں سے وہ اونٹ لے چلے اور سلمہ نے درختوں کی آڑ سے تیر مارنا شروع کیا۔ سلمہ بے طرح ان کے پیچھے پڑا۔ انھوں نے اونٹ چھوڑ دیئے لیکن سلمہ نے انکو نہیں چھوڑا۔ اپنے اپنے ذرہ اور ہتھیار انھوں نے پھینک دیئے کہ انھیں لے کر سلمہ پھر جائے گا۔ لیکن سلمہ نہیں ہٹا اور دشمن بہت تنگ ہوئے۔ اس کے بعد فریقین کی طرف سے مدد پہنچ گئی اور دشمنوں کو

قریش نے مسلمانوں کو حج کرنے نہیں دیا اور مسلمان صلح کر کے واپس آئے۔

صلح کی گفتگو کرنے کو سہیل آیا مسلمانوں کے سامنے اس نے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ چونکہ مسلمانوں کی لوٹ مار سے قریش تنگ آئے تھے۔ اس لئے پہلی شرط یہ پیش کی گئی کہ دس برس کے لئے مصالحت کی جائے اور اس درمیان میں ایک فریق دوسرے فریق کے مال یا جان سے کوئی تعرض نہ کرے۔

۲۔ اس سال مسلمان واپس جائیں۔ آئندہ سال حج کرنے آئیں۔

۳۔ کوئی شخص کفار کا مسلمان ہو کر مدینہ میں جائے تو آنحضرتؐ اس کے ولی کی درخواست پر اس کو ولی کے حوالے کر دیں۔ لیکن کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ میں واپس جائے تو قریش واپس نہ کریں۔

خیر پہلی شرط تو معقول تھی۔ لیکن پچھلی دو شرطیں مسلمانوں کو بہت بری معلوم ہوئیں۔ مگر آنحضرتؐ نے کل شرطیں منظور کر لیں۔ اور تیسری شرط کی نسبت یہ کہا کہ مرتد ہمارے کس کام کا وہ کفار ہی کے پاس رہے۔ رہے مسلمان وہ سچے دل سے مسلمان ہو کر اگر اہل قریش میں رہیں گے تو کیا حرج ہے۔

صلح نامہ کی تیسری شرط جو بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت تھی خود کفار کے لئے مضر ہوئی۔ اس کی صورت یوں پیدا ہوئی کہ ابوبصیر بن اسید مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ بھاگ آیا۔ یہاں اس کے لینے کو دو شخص مکہ سے آئے اور آنحضرتؐ نے صلح نامہ کے مطابق ابوبصیر کو ان دو شخصوں کے حوالے کر دیا۔ وہ یہاں سے تو ان کے ساتھ چلا لیکن راہ میں اس نے دھوکے سے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کا تعاقب کیا۔ وہ بھاگا ہوا آنحضرتؐ کے پاس آیا اور آنحضرتؐ نے اسے ابوبصیر کے ہاتھ سے بچا لیا۔ ابوبصیر کو یہ کھٹکا ہوا کہ شاید وہ دوسرے کے ساتھ پھر مکہ بھیج دیا جائے اس لئے ایک روز وہ مدینہ سے چل کھڑا ہوا اور ساحل بحر کے قریب ایک مقام عیص نام میں جا کر رہنے لگا۔ ابوجندل بھی خبر پا کر اس کے پاس

۳۔ عبداللہ بن خداقہ کو بادشاہ کسریٰ پرویز کے پاس ملک مدائن (فارس یا ایران) روانہ کیا۔

۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ کو بادشاہ مقوقش کے پاس ملک اسکندریہ (مصر) بھیجا۔

۵۔ شجاع بن وہب کو حارث بن ابی شمر غسانی بادشاہ دمشق (شام) کے پاس بھیجا۔

۶۔ سلیط بن عمر کو بادشاہ ہوذہ بن علی خفی کے پاس ملک یمامہ روانہ کیا۔

ان مراسلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ نجاشی شاہ حبشہ اعلانیہ آنحضرتؐ پر ایمان لایا۔ باذن گورنر یمن جو شاہ ایران کی طرف سے تعینات تھا دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ ہرقل شاہ شام بھی ایمان لایا۔ لیکن ارکین دولت کے خوف سے اعلانیہ اظہار نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں پر مسلمانوں کا کوئی دباؤ نہیں پہنچا تھا اور نہ ابھی تک ان پر دباؤ پہنچانے کی قابلیت مسلمانوں میں تھی۔ شاہ مصر ایمان تو نہیں لایا لیکن آنحضرتؐ کی بڑی عزت کی۔

تیرہ برس تک تو مکہ میں اسلام کو کوئی رونق نہیں ہوئی۔ لیکن مدینہ کی ہجرت کے بعد ہی اس کی حالت بالکل دوسری ہو گئی اور چھ برس پورے نہیں ہونے پائے تھے کہ ایران شام اور مصر تک ایک شور مچ گیا۔ صلح حدیبیہ میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اسلام کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش ہونا چاہیئے۔ آپس ہی میں لڑجھگڑ کر قوت زائل کر دینا بے سود ہے۔

اب ہجرت کا ساتواں سال شروع ہوا۔ اس میں غزوہ خیبر کا سب سے بڑا واقعہ پیش آیا۔ غزوات سابق میں حضرت علیؓ نے جو کچھ ناموری حاصل کی تھی اس سے کہیں بڑھ کر اس لڑائی میں ان کا نام ہوا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرتؐ نے خیبر پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ہے۔ اس زمانے میں یہاں یہودی رہتے تھے یہ لوگ بڑے زبردست اور سرکش تھے بنو نضیر جب مدینہ سے اجڑ کر وہاں پہنچے تو ان کے کہنے

سے اہل خیبر نے جنگ خندق میں قریش کی مدد کی۔ حدیبیہ کی لڑائی میں بھی ان کی شرکت کا مسلمانوں کو اندیشہ تھا۔ اور بڑا سبب تو یہ تھا کہ اللہ کے نام کا ظاہر کرنا مسلمانوں کا مقصود تھا۔ ابتدا میں تو مسلمانوں نے تلوار سے کام لینا پسند نہ کیا۔ لیکن اتفاقات سے مسلمانوں کو اسلام پھیلانا کیا خود اپنی جان کا بچانا بے تلوار کے مشکل نظر آیا۔

اس لڑائی میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے یہودی مارے گئے۔ مسلمان خیبر سے کامیاب لوٹے۔ خیبر کے باغوں اور پیداوار اراضی کی نسبت یہ بندوبست کیا گیا کہ جو لوگ وہاں اطاعت پذیر تھے ان کے حوالے اہتمام کیا گیا کہ نصف پیداوار وہ اپنی اجرت میں لیں اور جو بچے اسے بیت المال میں داخل کریں۔

خیبر کے قریب پہنچ کر ایک آدمی اہل فدک کے پاس دعوت اسلام کے لئے آنحضرت ؐ نے بھیجا۔ ان لوگوں نے کہا پہلے مسلمان اہل خیبر سے فرصت پالیں جب ہم لوگوں کو اسلام پر لائیں۔ خیبر فتح ہونے پر مسلمان ادھر متوجہ ہوئے۔ فدک کے یہود نے نہ مسلمان ہونا پسند کیا اور نہ لڑنے پر جرأت کی مجبور ہو کر مصالحت پر رجوع ہوئے۔ نصف زمین فدک کی رسول اللہ کی نذر کی اور بقیہ نصف پر امیرالمومنین عمر بن الخطاب کے عہد تک وہ قابض رہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مصالح ملکی پر نظر ڈال کر پچاس ہزار درم پر ان کا نصف حصہ بھی بیت المال کے لئے خرید لیا اور ان کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ کیونکہ ایسے لوگ جو خیالات بغاوت سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے ملک میں رہنا ملک کی کمزوری کا سبب ہوتا تھا

اس کے بعد وادی القریٰ اور تیما کے یہودیوں نے جزیہ دینا قبول کر کے مسلمانوں کی بیعت اختیار کی۔

دوسروں کے ملک پر زبردستی چڑھ دوڑنا اور جزیہ لے کر چھوڑنا بظاہر مسلمانوں کے اخلاق پر دھبہ لگاتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نوعیت بیان کی جائے۔

شروع شروع مسلمانوں نے اپنے دشمنوں پر محض انتقام کے لئے ہتھیار اٹھایا جب

وہ فی الجملہ مغلوب ہوئے تو آنحضرتؐ کو حاکم وقت کی حیثیت حاصل ہوئی۔ تمام گرد و نواح میں بدامنی تھی (نواحی شام میں مسلمانوں کے مال تجارت کا لوٹا جانا ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے) نہایت برے طور سے قانون جاری تھے۔ چھوٹوں اور کمزوروں کے ساتھ نہایت خراب برتاؤ ہوتا تھا۔ تمام ظلم پھیلا ہوا تھا۔ مراسم قبیحہ سے سچی خوشی قوم سے مفقود تھی آنحضرتؐ نے عام طور پر یہ ارادہ کر لیا کہ قرآن یعنی قانون ربّانی کے مطابق ہر جگہ انصاف کیا جائے۔ اسی غرض سے آپ نے دعوت اسلام شروع کی۔ دعوت اسلام کا یہ مطلب تھا کہ "تم لوگ اللہ کے قادر مطلق ہونے سے انکار نہ کرو اور بجائے اپنے ناقص قانون کے قرآن کے مطابق جو سب سے اچھا قانون ہے حقوق کا تصفیہ کرو" جس کا مختصر لفظوں میں یوں اظہار کیا جاتا تھا کہ تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتے تو خیر نہ سہی۔ لیکن اتنا ضرور کرو کہ مسلمانوں کو اپنے ملک کا نگراں قرار دو اور ان کی حفاظت میں رہو تاکہ وہ تمہارے افعال کی نگرانی کرتے رہیں نگرانی کے لئے فوج استعمال کرنی پڑے گی اس کے ..... خرچ کے لئے جزیہ دو۔ اس وقت کے مسلمان اپنے افعال اور خیالات کی وجہ سے تمام دنیا کے باشندوں سے افضل تھے اور اس لئے ایسا کہنا ان کو نامناسب نہ تھا اور بغیر اس کے وہ اپنے ملک میں بھی امن قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ کسی ملک میں امن نہیں رہ سکتا۔ جب تک سرحدی ملکوں کا عمدہ نظام نہ ہو۔ کوئی گھر گندگی سے پاک نہیں ہو سکتا جب تک ہمسائے کی گندگی رفع نہ کیجائے

جزیہ معرب ہے گزیہ کا۔ مسلمانوں نے اس کا ایجاد نہیں کیا۔ نوشیروان ایسے عادل کے وقت میں بھی اس کا رواج تھا۔ اور یہ لفظ فارسی زبان کا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کی حفاظت میں آتے تھے ان کے مال و جان کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہوتی تھی اور اس کے خرچ کے لئے ایک خفیف محصول جزیہ کے نام سے لیا جاتا تھا۔ لیکن یہ محصول، مسلمانوں پر نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کا ہر فرد بشر فوج کا ایک سپاہی تھا ہر ایک پر فرض تھا

کے وقت مسلح ہو کر میدان جنگ میں آنا فرض تھا اور اسی لیے وہ جزیے سے عام طور پر مستثنیٰ تھے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ایک خفیف محصول سے اگر وہ مستثنیٰ کئے گئے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان اپنی قوم کے ساتھ ملکی معاملات میں کوئی رعایت کرتے تھے۔ بلکہ جزیے کے بدلے میں اس سے سخت تر اور زیادہ تر محصول بطور زکوٰۃ کے مسلمانوں کو دینا پڑتا تھا۔ اور اس لئے مسلمان گویا غیر قوموں سے سخت تر حالت میں تھے۔

اس کے بعد بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے مقابلہ میں فوجیں بھیجی گئیں۔ جن کا تذکرہ تاریخی اغراض کے لئے چنداں ضروری نہیں۔

سنہ ھ تک مکہ اور مدینہ کے درمیان جتنے یہود تھے سب مسلمانوں کے زیر فرمان ہو چکے تھے۔ ان سے اب کسی قسم کا کھٹکا باقی نہیں تھا۔ ماہ ذی قعدہ میں آنحضرتؐ نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا۔ قریب دو ہزار مسلمانوں کے آپؐ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جو لوگ ایک سال پہلے حدیبیہ جا کر واپس آئے تھے ان میں سے کوئی بغیر کسی معقول وجہ کے جانے سے باقی نہیں رہا۔ تین روز تک مسلمان مکہ میں رہ کر واپس آئے اور اچھی طرح کعبہ کی زیارت کی

ساتویں سال کے اخیر یا آٹھویں سال کے شروع میں عمرو بن عاص اور خالد بن ولید مسلمان ہوئے اور ان کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ہوئی۔ آگے چل کر ان دونوں نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے۔

آنحضرتؐ نے حاکم بصرہ کو ایک نامہ بھیجا۔ اغراض سلطنت کے لئے سرحدی بادشاہوں سے نامہ و پیام کرنا ضروری تھا۔ حارث بن عمر نامہ بر تھے۔ راستہ میں ان کو شرجیل ابن عمر غسانی نے (کہ وہ امراء قیصر میں سے ایک امیر تھا) شہید کیا۔ آنحضرتؐ نے یہ خبر سن کر جہاد کا حکم دیا۔ کوئی تین ہزار مسلمان اکٹھا ہو کر چلے۔ کچھ دور تک آنحضرتؐ بھی انتظام درست کرنے کے لئے ساتھ آئے اس لئے اس کا شمار غزوات میں کیا جاتا ہے۔ شرجیل کا بھائی سدوس مقابلہ پر آ کر مارا گیا۔ شرجیل نے ڈر کر خود کو قلعہ میں بند کر دیا اور ہرقل سے مدد مانگی

بعض مسلمانوں نے بھی محمد رسول اللہ کو مدد کے لئے لکھنا چاہا لیکن کثرت رائے اس پر ہوئی کہ جب شہادت میں بھی عین کامیابی ہے تو پھر مدد مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی لاکھ کے قریب عیسائیوں کی فوج جمع ہوئی تین ہزار مسلمانوں کا اتنے لوگوں سے لڑنا آسان نہ تھا۔ مسلمان شہید ہونا شروع ہوئے۔ زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ باری باری علم بردار ہوئے اور مارے گئے۔ خالد بن ولید سب کے بعد علم بردار ہوئے اور تھوڑی دیر بعد آفتاب چھپنے سے لڑائی موقوف ہوئی۔ مسلمان تو مرنے ہی گئے تھے۔ ان کو کیا ڈر تھا۔ لیکن مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر عیسائیوں کو بڑی تشویش ہوئی دوسرے دن خالد نے فوج کی آراستگی نئے طور سے کی۔ آگے کی فوج پیچھے اور داہنے جانب کی بائیں جانب کرکے کچھ اس طرح کھڑا کیا کہ دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ کچھ نئے لوگ مدد کو آئے ہیں اور پھر ہراس سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس اثناء میں مسلمان بھی منہ موڑ چلے تھے لیکن بعض جانبازوں کے شرم دلانے سے پھر ان کے جی کڑے ہو گئے عیسائیوں کے بھاگنے پر خالد نے کچھ دور تک تعاقب کیا اور تعاقب میں کچھ مال بھی ہاتھ لگا۔ راستہ میں ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے بے وجہ قتل کر ڈالا۔ پھرتے وقت اس کی قوم کا قلع قمع مسلمان کرتے آئے۔ اسی لڑائی سے آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ یہ لڑائی علاقہ شام میں دمشق کے قریب موتہ نام ایک گاؤں میں ہوئی اس لئے اس سریہ کو سریۂ موتہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ کچھ دور تک آنحضرتؐ بھی ساتھ گئے تھے اس لئے غزوۂ موتہ بھی کہتے ہیں۔

مدینہ میں خبر پہنچی کہ قبیلہ بنی قضاعہ اور بنو القین کے لوگ جمع ہو کر مدینہ پر چھاپا مارنا چاہتے ہیں۔ سعد بن وقاص کو آنحضرتؐ نے سرکوبی کے لئے تعینات کیا۔

اسی سال حضرت ابو عبیدہؓ قبیلہ جہینہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے تھے راستہ میں فوج نے بھوک کی تکلیف اٹھائی درختوں کی پتیاں کھانے کی نوبت پہنچی۔

غیب سے فتح مکہ کا سامان مہیا ہو گیا۔ حدیبیہ کے صلح کے وقت یہ شرط ٹھہری تھی کہ قریش مسلمانوں کے حلیفوں یعنی ہم عہدوں سے مزاحم نہ ہوں اور نہ قریش کے حلیفوں سے مسلمان مزاحم ہوں۔ مکہ کے قریب خزاعہ اور بنو بکر یہ دو قومیں آباد تھیں اول الذکر مسلمانوں کے حلیف تھے اور ثانی الذکر قریش کے حلیف تھے۔ کسی وجہ سے ان میں باہم تکرار ہوئی۔ قریش نے بنو بکر کی طرفداری کی۔ خزاعہ کے چند آدمی مسلمانوں کے پاس دوڑے آئے آنحضرتؐ نے نقض عہد کے لئے ایک معقول وجہ پائی اور فوراً مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر دیا۔ لیکن خفیہ طور پر۔ اعلانیہ اظہار پسند نہیں کیا گیا۔

اپنے ارادے کے چھپانے کے لئے آنحضرتؐ نے ابو قتادہ انصاری کو قبیلہ (اضم دانم) کی طرف بھیج دیا جو مدینہ سے تین منزل پر مکہ اور یمامہ کے بیچ میں واقع ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اسی طرف مسلمانوں کا ارادہ ہے۔ ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو آنحضرتؐ چلے اور راستے میں تمام گرد و نواح کے مسلمان شریک ہوتے گئے۔ مکہ تک پہنچتے پہنچتے دس بارہ ہزار آدمیوں کا غول آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ کفار مکہ لڑ نہ سکے۔ مسلمانوں کی حکومت مکہ میں قائم ہوئی۔ اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ مسلمانوں نے کیا وہ بہت ہی قابل قدر تھا۔ مفصل واقعات جاننے کے لئے تاریخ اسلام پڑھنا چاہیئے۔

مکہ میں خبر پہنچی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قریش شہر کے رہنے والے فن جنگ سے واقف نہ تھے جب ہی مسلمانوں نے ان کو دبا لیا۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر پہنچی تو آنحضرتؐ نے جنگ کا سامان کیا بارہ ہزار کی جمعیت سے آنحضرتؐ مکہ سے نکلے۔ وادی حنین (جو ایک مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے) تک مسلمان پہنچے تھے کہ ادھر سے غنیم کی فوج بھی آ گئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی مگر سخت زحمتوں کے بعد۔

سنہ ۹ھ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ نواحی حبشہ کے کچھ لٹیرے جدہ میں اتر

آئے تھے ان کی سرکوبی کو علقمہ بن محرز تعینات ہوا۔ مسلمانوں کو دیکھ کر ڈاکو بھاگ گئے اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔

شام سے کچھ لوگوں نے آکر بیان کیا کہ نواحی شام میں وہاں کے بادشاہ کی طرف سے مدینہ پر چڑھائی کا سامان ہو رہا ہے۔ آنحضرتؐ علیؓ بن ابی طالب کو مدینہ میں خلیفہ کر کے خود شام کی طرف چلے۔

منافقین مدینہ کہنے لگے کہ محمدؐ نے اپنے عزیز کو اس سخت سفر میں ساتھ نہیں لیا اس لئے حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی راستے میں آنحضرتؐ سے جا ملے اور کہنے لگے کہ جب میں تمام غزوات میں شریک رہا تو اس میں کیوں پیچھے رہوں۔ یہ سفر دور دراز تھا اور بہت سخت اس کے متعلق مورخین نے بہت سی حکایتیں اور نقلیں لکھی ہیں اور یہ ایک اہم سفر خیال کیا جاتا ہے۔ چشمۂ تبوک کے پاس مسلمانوں کی فوج جا کر ٹھہری اور وہاں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ کسی سے مقابلہ نہیں ہوا اور نہ کچھ مال غنیمت حاصل ہوا۔ مسلمان جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آئے غزوہ تبوک آخری غزوہ تھا اس کے بعد پھر آنحضرتؐ کو کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اس سال میں عرب کے مختلف مقامات سے لوگ آکر مسلمان ہوئے اور پھر اپنے وطن پہنچ کر اسلام پھیلانے کی کوششیں کیں۔ اب مسلمان ہونا ملکی جرم نہ تھا اسلام کی دعظ تمام عرب میں رائج ہو چلی تھی۔ وفود (لوگوں کا ایمان لانے کے لئے آنا) کی وجہ سے اس سال کو سنۃ الوفود کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے حج کا احرام باندھا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان ساتھ تھے حضرت علیؓ بھی یمن سے آکر شریک ہو گئے تھے۔ تمام بیبیاں آنحضرتؐ کے ساتھ تھیں حضرت فاطمہؓ بھی ساتھ تھیں بروز شنبہ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آنحضرتؐ مدینہ سے چلے۔

سے سلا ہوا کپڑا یعنی تہمت اور چادر سے احرام باندھا۔ عرفہ کے دن آنحضرتؐ نے اونٹ پر سوار ہو کر نہایت بلیغ خطبہ سنایا اور عام طور پر پند و نصائح کے کلمات کہے۔ سب سے زیادہ آپس میں لڑنے جھگڑنے کی ممانعت کی۔ عورتوں اور مردوں کے طریقہ گزران کی نسبت بہت کچھ ارشاد فرمایا[1]۔ احکام قرآن پر مطیع رہنے کی سخت تاکید کی۔ پھر لوگوں سے پوچھا کہ قیامت کے دن اگر تم سے پوچھا جائے کہ محمدؐ تم میں کیسا تھا تو کیا جواب دو گے لوگوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ اس نے رسالت اور امانت کا حق ادا کیا۔ ارشاد اور نصیحت کے شرائط پورے طور پر بجا لایا۔

اسی روز آیت ؏ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ؏ اتری جس کا ترجمہ ہے آج میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر پوری کی۔ تمہارے لئے دین اسلام کا میں نے پسند کیا ؏ اور اس آیت سے سمجھا گیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا زمانہ قریب ہے۔ کیونکہ تکمیل دین کے بعد رسولؐ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند مہینوں کے بعد آنحضرتؐ نے دنیا سے رحلت کی۔

---

[1] دیکھو امن قائم ہونے کے بعد ہی عورتوں کے مدارج بڑھانے کی طرف پیغمبر خدا مستعد ہوئے۔ عورتوں کا اعزاز جو مسلمانوں کے وقت میں بڑھا اس پر ایسا تک مسلمان مورخوں کو ناز ہے اب مسلمانوں میں عورتوں کی سچی عزت جو مفقود ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قوم سے تمام اچھی باتیں مفقود ہو گئیں وہ کون سی خوبیاں ہیں جو موجود ہیں اور کون سی برائیاں ہیں جو موجود نہیں ہیں ہم اپنے اعمال اور افعال کے اعتبار سے برے ہیں فلاحوں میں جتنی باتیں ہونی چاہئیں وہ ہم میں ہیں ایک مردہ قوم سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے یورپین جنٹلمین جس طرح اپنی حسینوں سے برتاؤ رکھتے ہیں اسی طرح مسلمان اپنی بیبیوں کی عزت اور خاطر داریاں کرتے تھے بلکہ چند اعتبار سے ہم کہیں گے کہ اس سے زیادہ۔

فیمس لٹریچر ایک نہایت عمدہ اور مستند کتاب ابھی حال میں انگلستان میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں مفصلۂ بالا خطبہ کی چند باتیں منتخب کرکے لکھی گئی ہیں اور وہ آنحضرتؐ محمدؐ کی آخری اسپیچ سے تعبیر کی گئی ہیں۔ ان کا نقل کرنا خالی از لطف نہیں ہے۔

۱:۔ صاحبو! سن رکھو۔ اس سال کے بعد پھر مجھ کو تم سے ملنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو!

۲:۔ تم سب کے جان و مال محترم ہیں۔ اور ان میں روز قیامت تک ایک کو بمقابلہ دوسرے کے دست اندازی کا حق نہ ہوگا۔

۳:۔ خدا نے توریث میں ہر ایک کا حصّہ مقرر کر دیا ہے اس لئے ورثار کی مضرت کے ساتھ وصیت درست نہیں۔

۴:۔ لڑکے کو ماں باپ کا ہو کر رہنا چاہیئے اور جو اس ازواج کے متعلق (جس سے لڑکوں کے حقوق پیدا ہوتے ہیں) گڑبڑ کرے گا سنگسار کیا جائے گا۔

۵:۔ تم کو اپنی بیبیوں کے مقابلہ میں ایسے حقوق ہیں جن کا تم مطالبہ کرو اور اسی طرح بیبیوں کے حقوق تم لوگوں پر ہیں جن کو وہ طلب کر سکتی ہیں۔ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کرو۔

۶:۔ دیکھو اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ جیسے کپڑے خود پہنتے ہو ویسے ہی ان کو پہناؤ۔ اور اگر وہ ایسی خطا کریں جنکو تم معاف نہیں کر سکتے تو ان کو بیع کر ڈالو کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں ان کو ایذا دینا نہ چاہیئے۔

۷:۔ صاحبو! میری بات سنو اور خوب سمجھو۔ جان رکھو کہ ہر ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ تم سب ایک ہی درجہ میں ہو اور ایک ہی برادری کے ہو"

گویا یہ ایک وصیت نامہ ہے پیغمبر خدا کا اپنی امت کے حق میں اور ایسا وصیت

مہ جو بالکل ضروری ہدایتوں سے بھرا ہوا ہے اور سرتا پا حکمتوں اور خوبیوں سے
ملا ہے حتیٰ کہ غیر مذہب والے نے بھی اس کی خوبیوں کو تسلیم کیا ہے اور حالات
پغمبرؐ یا حالات اسلام میں اس کا انتخاب چھاپا ہے۔ اور اس وقت کے مسلمان ہیں کہ اس
جیست کی ایک ہدایت پر بھی عمل نہیں کرتے اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم امت محمدیؐ ہیں۔
پنے ساتھ دین محمدیؐ کی بھی مٹی خراب کرتے ہیں۔ جیسے اعمال ہیں ویسی ہی حالت بھی ہے۔
طبقات اول و دوم پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ کن مجبوریوں سے آنحضرتؐ
نے تلوار اٹھائی اور پھر کن وجوہ سے تلوار کا نہ چھوڑنا مناسب تصور کیا گیا تھا۔ شاہ عرب
ہونے کے بعد آنحضرتؐ پر حفاظت ملک کے لئے باغیوں کا زیر کرنا۔ دشمنوں سے خود کو
بچانا اور ان کی سازشوں کا فرو کرنا لازم تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی سرحدی قوموں کا
بھی انتظام ضروری تھا۔ آنحضرتؐ کا ایلچی ملکی اغراض کے لئے بصرہ گیا۔ بصرہ کی بدانتظامیوں
کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا۔ برٹش گورنمنٹ کو جس طرح اٹھارہویں صدی کے وسط میں
بحیثیت ایک عادل گورنمنٹ ہونے کے واجد علی شاہ اودھ کے ملک کا انتظام کرنا
لازم آیا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ پر بھی جمیع اعتبارات سے زید کا بصرہ کی طرف بھیجنا
لازم تھا۔ زید وہاں شہید ہوئے اور پھر جب چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تو اسامہ ابن زید
کو دوبارہ سردار فوج کر کے روانہ کرنا ملکی اغراض کے لئے لازم آیا۔ یہ ان لوگوں کے
سمجھانے کے لئے ہے جو آنحضرتؐ کو افضل البشر اور برگزیدہ عالم نہیں سمجھتے۔ ورنہ
آنحضرتؐ کو برگزیدہ خلائق سمجھنے والے توہمات باطلہ سے اپنے دل خالی رکھتے ہیں
ایک مضمون "اخلاق محمدیؐ" کے عنوان سے آئندہ درج کیا جاتا ہے اس مضمون
کے بعد ہی اس کو بھی پڑھنا چاہیئے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ آنحضرتؐ
جیسے برگزیدہ شخص کے لئے میدان جنگ کی خدمت نہایت ہی سخت تھی لیکن اس
کے ساتھ ہی خدا کی رسالت کا بندوں تک پہنچانا بھی لازم تھا اور جو دشواریاں

سدراہ ہوں استقلال سے ان کا مقابلہ بھی لابدی تھا۔ غرض کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ کیا وہ تبلیغ رسالت کی شان تھی۔ حکمرانی نہ تھی پاسبانی تھی۔

طبقۂ اول و دوم میں صاف عیاں ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے کبھی تلوار نہیں چلائی گئی۔ اسلام کو اسلام کی حیثیت سے دیکھنا ہو تو اس کو انھیں طبقات میں دیکھنا چاہیئے۔

طبقۂ سوم

(صحابۂ رسولؐ کا زمانہ)

اس طبقے میں خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا ذکر ہے۔ بعد پیغمبرؐ کے حضرت ابو بکرؓ سرسری انتخاب میں جانشین ہوئے اور دو برس بعد ان کے مرنے پر ان کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے اور حضرت عمرؓ دس سال حکومت کر کے مقتول ہوئے اور ان کی ہدایت کے مطابق چھ شخصوں کے باہمی انتخاب سے حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کو تیرہ سال کی حکومت کے بعد باغی مسلمانوں نے قتل کیا۔ اور اس کے بعد مسلمانان مدینہ کے انتخاب سے حضرت علیؓ امیرالمومنین ہوئے۔ حضرت علیؓ کی نسبت مخالف مسلمانوں نے یہ الزام لگایا کہ باغیوں کی حمایت انھوں نے کی۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے اور اس لئے بنو امیہ کا خاندان حضرت علیؓ کے خلاف قائم ہوا اور بیس برس تک مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا رہا۔ اہل سنّت و جماعت ان چاروں خلفاء کو برحق مانتے ہیں اور ان کے زمانے کو قابل سند قرار دیتے ہیں۔ اس لئے طبقۂ سوم میں ان چاروں خلفاء کے عہد کی فتوحات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پیغمبر خدا کے وصال پر مسلمانوں کی حکومت نہایت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ پیغمبرؐ

کے آخری زمانے میں چند جھوٹے پیغمبر جا بجا پیدا ہو گئے تھے۔ پیغمبر کے وصال پر انھوں نے زور پکڑا۔ اطراف مدینہ کے مسلمانوں نے زکوٰۃ بند کر کے بغاوت کی دھمکی دی۔ غیر قوموں نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کیں اور اسامہ کے ساتھ سرداران عرب کو معہ عمدہ سپاہیوں کے شام کی طرف بھیجنے کا جو ارادہ پیغمبر خدا نے کیا تھا حضرت ابو بکرؓ نے اس کا روکنا پسند نہیں کیا۔ بعض نے یہ رائے دی کہ زکوٰۃ بند کرنے والے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار نہ اٹھانا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ باغی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہتھیار چلانے میں حضرت ابو بکرؓ کا استقلال ہمیشہ کے لئے اسلام کی استواری کا سبب ہوا۔ حاکم وقت کی اطاعت سے منہ موڑنے والا کسی طرح واجب الرعایت نہیں ہو سکتا تھا غرض کہ حضرت ابو بکرؓ نے ابتدائے زمانہ میں جتنی لڑائیاں روا رکھیں وہ اکثر از قسم حفاظت خود اختیاری یا رفع بغاوت کے لئے تھیں۔

اس کے بعد ایرانیوں اور شامیوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں سے مقابلہ یوں ہوا کہ، سنہ ۱۲ھ میں بنو شعبان کا ایک رئیس مثنیٰ ابن حارثہ مدینہ میں آکر مسلمان ہوا اور اپنے ساتھ کچھ مسلمان کوفہ کی طرف لے جانے کی درخواست کی۔ مثنیٰ نے ایرانیوں کے مظالم اور ان کی زیادتیاں اس درجہ بیان کیں کہ ان مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جو مثنیٰ کی وجہ سے آئندہ وہاں پھیلتے کچھ آدمیوں کا مدینہ سے جانا مناسب معلوم ہوا۔ ایرانی نہایت ہی پر از نخوت تھے۔ انھیں کے بادشاہ نے آنحضرتؐ کی گرفتاری کے لئے چار پانچ آدمی بھیجے تھے۔ وہ اپنے مقابلہ میں کسی کو سمجھتے نہ تھے اور نہ کسی طرح سرحدی معاملات میں مسلمانوں کے حقوق کی وہ محافظت کر سکتے تھے۔ جو مسلمان کوفہ کو گئے تھے ان کی سرداری مثنیٰ سے متعلق تھی۔ کوئی باضابطہ فوج نہیں بھیجی گئی تھی اور نہ فی الواقع چڑھائی کا سامان کیا گیا تھا لیکن وہاں پہنچنے پر تمام گرد و نواح کے قبیلوں نے جو ایرانیوں کی حکومت سے عاجز آ چکے تھے مسلمان ہو کر مثنیٰ کی جمعیت کی اور اس کے ساتھ ہی ایرانیوں کی مخالفت برتی۔ مثنیٰ اپنی حالت سنبھال نہ سکا اور گھبرایا تو اس کی مدد کو خالد بھیجے گئے اور بالآخر وہ اپنی کارگزاری

کے لحاظ سے مسلمانوں کی فوج کے خود سپہ سالار ہو گئے۔ سواد اور ہیرا کے حاکموں نے جزیہ دینا قبول کیا اور ان سے لڑائی نہیں ہوئی۔

ہم نے کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ رقم جزیہ نہایت خفیف تھی اور اس کے عوض میں بے انتہا حقوق خدمت لینے کے جزیہ دینے والوں کو پیدا ہو جاتے تھے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں پر بے انتہا ذمہ داریاں اور سختیاں عائد ہوتی تھیں جس طرح برٹش گورنمنٹ کے رزیڈنٹ اور سپاہی دیسی ریاستوں میں نگرانی اور حفاظت کے لئے تعینات رہتے ہیں اور فوجی خرچ کے لئے کچھ خفیف رقم دیسی ریاستوں سے لیتے ہیں اسی طرح جزیہ کی رقم مسلمان لیتے تھے۔ اگر بجائے جزیہ دینے کے کوئی دین اسلام قبول کرے گو وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے ہی کے لئے ہو جب بھی مسلمان اس کو بھائی بنانے اور تمام حقوق میں اپنا شریک قرار دینے پر فوراً راضی ہو جاتے تھے۔ مسلمان جانتے تھے کہ جب کوئی ان میں شامل ہو گیا گو وہ فریب ہی دینے کی نیت کیوں نہ رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے اخلاق و اطوار دیکھ کر ضرور سچا مسلمان ہو جائیگا خلفائے اربعہ کے وقت میں تمام لڑائیاں یونہی ہوئیں کہ نیک نیتی سے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کہا کہ تم ہم میں مل جاؤ اور ہماری طرح تم بھی لوگوں کی اصلاح حال میں کوشش کرو اور اگر تم میں اتنی ہمت نہیں ہے تو ہمیں جان نثار ہونے دو اور دور سے بیٹھے ہوئے تماشا دیکھو کہ بنی نوع انسانی کو ہم اخلاقی میں۔ تمدن میں۔ فارغ البالی میں۔ خداشناسی میں راہ مستقیم پر لگا دیتے ہیں اور اگر تم ایسے دشمن نوع انسانی ہو کہ اسے بھی قبول نہیں کرتے تو ہم جاں نثاران نوع انسانی کو جو تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھا کر عرب سے نکلے ہیں روک سکتے ہو تو روکو۔ جو خط خالد نے شاہ کسریٰ کو لکھا تھا اس کا ترجمہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خالد کی طرف سے بادشاہ عجم کسریٰ کو لکھا جاتا ہے کہ اللہ جس نے تمہاری جمیعت منفرق کر دی اور سعادت بخت کو شقاوت سے بدل دیا۔ اس کے

مشکر اور اس کی تعریف کے بعد لکھا جاتا ہے کہ تم اسلام قبول کرو یا جزیہ دو۔
نہیں تو میں ایسی قوم کو تمہارے پاس بھیجوں گا جو موت کو اسی طرح پسند کرتی ہے
جس طرح تم زندگی کو پسند کرتے ہو"

اس خط میں پہلے اسلام اور اس کے بعد جزیہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح خلفائے اربعہ کے وقت میں جتنی لڑائیاں ہوئیں سب میں اسلام کے لئے پہلے کہا گیا اور جزیہ کے لئے بعد کو کہا گیا۔ ناواقف لوگ جو اس وقت کے مسلمانوں کے اخلاق اور طرز تمدن سے واقف نہیں ہیں، اسلام کا لفظ پہلے ہونا معیوب خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان گردنوں پر تلوار رکھتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ حالانکہ ایسا کہنا بالکل نافہمی ہے۔ اس وقت کے مسلمان ہرگز تلوار سے مسلمان نہیں کرتے تھے اور نہ اتنے بے وقوف تھے کہ وہ تلوار کے ذریعہ سے قلوب کا بدلنا کہ اسلام کو قلوب سے تعلق تھا ممکن سمجھتے تھے۔ وہ لوگ صرف اس غرض سے گھومتے تھے کہ اطراف میں جو تاریکیاں پھیلی ہوئی ہیں اور جو مظالم بڑوں کے چھوٹوں پر ہو رہے ہیں ان کو مٹائیں۔ ایران و شام میں نیز اقوام عالم میں اس وقت بے انتہا تاریکی تھی ایک آدمی کو دوسرا آدمی پکڑ لیتا تھا اور جانوروں سے بھی زیادہ بے رحمی سے اس سے کام لیتا تھا اور سزائیں دیتا تھا۔ جس کو ذرا بھی اختیار ہوتا تھا وہ دوسروں کو بیڑیں ڈالنا چاہتا تھا ڈاکہ مارنے۔ چوری کرنے۔ زنا کرنے کو لوگ عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اچھے برے کا اعتبار نہ تھا۔ خیالات باطل نے تمام عمدہ صفات انسانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ عربوں نے جب اپنی ربانی کی عینک آنکھ پر لگائی تو مصر، ایران، شام، خراسان، روم وغیرہ وغیرہ تمام عالم ان کو دکھائی دینے لگا اور ہر ایک کو انھوں نے اسی تاریک اور گہری گڑھے کے کنارے پر سوتا ہوا دیکھا۔ انھوں نے ایک نادان اور بے حمیت انسان کی طرح عینک پھینک کر گھر میں رہنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دوڑ پڑے اور کوشش کی کہ سونے والے کو کروٹ لینے سے قبل جگا کر کھینچ لیں اور اگر دیکھیں کہ وہ یوں نہیں

کھینچتا تو کمند ڈال کر کھینچیں اور اس طرح اسے پھانس لیں لیکن گرنے نہ دیں۔ جب مسلمان غیر قوموں میں گئے تو اپنے دین کا شروع شروع ظاہر کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ جانتے تھے کہ اثر صحبت کے بغیر کوئی ہم کو اچھا نہیں سمجھے گا۔ اس لئے صرف وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آنکھیں ہیں تو کھولو اور دیکھو کہ ہم تم سے تہذیب میں۔ قوت بازو میں اور استقلال میں بہت زیادہ ہیں۔ ہم کو اپنے ملک کا انتظام کرنے دو۔ اور خرچ کے لئے کچھ دیا کرو۔ لیکن اگر مسلمان صرف اتنا ہی کہتے تو غیر قوم والے ان کو ضرور لالچی سمجھتے اس لئے وہ اپنے بچاؤ کے لئے جزیہ کے قبل اسلام کا لفظ پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے شریک حال ہو جاؤ تو ہم تم ایک ہیں اور اگر اتنی ہمت نہ ہو اور ہماری طرح سربکف ہو کر اصلاح قوم کا بیڑہ اٹھانا تم سے نہ ہو سکے تو اپنی جان و مال کا صدقہ زرنقد عنایت کرو لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمان یہ بھی ضرور جانتے تھے کہ تلوار سے کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ابتداً بہت کم مسلمان ہوئے زیادہ تر ایسے تھے جو جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور اثر صحبت نے ان کو مسلمان بنا دیا۔

ایران کے ابتدائی معرکے خالد سے متعلق تھے۔ لیکن وہ بہت جلد ایران سے ان مسلمانوں میں جا ملے جو شام کی طرف گئے تھے۔ شام میں بہت کچھ کارنمایاں خالد نے کئے۔ اس وقت کے مسلمانوں میں خالد سے زیادہ فن جنگ سے واقف کوئی دوسرا نہ تھا تمام فوج کے سپہ سالار وہی تھے۔ تمام یورپین مورخ ان کی بہادری اور حکمت میں رطب اللسان ہیں۔

اسی حالت میں خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور خلیفہ دوم نے حکومت پائی خلیفہ دوم نے پہلا حکم خالد کی معزولی کا صادر کیا۔ خلیفہ دوم نے خیال کیا کہ مسلمانوں کی فوج دین اسلام کی اشاعت کے لئے گئی ہے اس کی سرداری کے لئے وہ شخص مناسب ہے جو زہد و تقویٰ اور ذکر خدا میں سب سے اعلیٰ درجہ کا ہو۔ فن سپہ سالاری کا

کا استاد لشکر اسلام یعنی ملکی فوج کی سرداری کے لائق نہیں ہے۔

خالد کے تمام نمایاں کاموں پر خاک ڈال کر خلیفہ دوم نے ان کو معزول کیا۔ فتوحات اسلام حضرت عمرؓ کے وقت میں بہت ہوئیں اور حضرت عمرؓ کے بعد خلیفہ ثالث کے اخیر وقت تک یعنی فتنہ و فساد پھیلنے کے وقت سے قبل تک فتوحات اسلام کا سلسلہ جا بجا جاری تھا ان وقتوں میں جتنی لڑائیاں ہوئیں اس میں مسلمانوں کی خود غرضیاں شامل نہ تھیں صرف اشاعت دین ان کا مطلب تھا۔ اشاعت دین بھی وہ تلوار سے نہیں کرتے تھے۔ تلوار سے صرف وہ اتنی مدد چاہتے تھے کہ لوگ مسلمانوں کو اجنبی سمجھ کر ان سے نفرت ظاہر نہ کریں۔ ورنہ مسلمانوں کو اپنی کامیابیوں کا پورا یقین تھا۔ اور یقین کے مطابق ظہور میں بھی آیا کہ جہاں وہ کسی سے ملتے تھے جادو کر دیتے تھے۔ ان کا ملنے والا پھر اپنی قوم کا دم نہیں بھرتا تھا۔ باپ چھوٹے، مائیں چھوٹیں، لڑکے بالے چھوٹے۔ گھر دوار چھوٹے لیکن مسلمانوں کی صحبت نہ چھوٹے۔ اس مضمون کو ہم نے نہایت شرح و لبط کے ساتھ "ہند اور اسلام" میں بیان کیا ہے۔ اور وہاں ثابت کیا ہے کہ جہاں تک اخیر زمانہ حضرت عثمانؓ میں مسلمان پہنچ سکے تھے صرف وہیں تک اسلام ملکی مذہب ہوا۔ اس کے بعد کی لڑائیوں نے صرف ملک فتح کئے۔ قلوب بہت کم مسخر کئے۔

خلیفہ دوم کے وقت میں کوفہ[۱]، بصرہ[۲]۔ سواد عراق[۳]۔ جبال[۴]۔ آذربائیجان[۵]۔ اہواز[۶] شام[۷]۔ فارس[۸]۔ جزیرہ[۹]۔ موصل[۱۰]۔ مرو[۱۱]۔ مصر[۱۲] فتح ہوئے۔ اور یہ تمام فتوحات مہذب طریقہ سے ہوئیں۔ مسلمانوں پر کوئی مورخ جائز الزام عائد نہیں کر سکتا۔

یہ ہم نہیں کہتے کہ ان لڑائیوں میں خونریزیاں نہیں ہوئیں۔ خونریزیاں ضرور ہوئیں لیکن مسلمانوں کی گردن پر خون ناحق کا بار نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کوئی گردن کٹوانا تھا تو اس میں مسلمانوں کا کیا قصور تھا۔ کہنے والا اچھی بات بتائے اور سننے والا لڑنے کو تیار ہو جائے اور لڑائی میں مارا جائے تو مرنے والے کی ناعاقبت اندیشی ہے۔ کہنے

والا بے خطا ہے۔

بہت سے فتوحات بے لڑے بھڑے بھی ہوئے۔ بیت المقدس فتح ہونے کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ جب ارطبون بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ عمر عاص نے اس کا پیچھا کیا ارطبون نے شہر کا دروازہ بند کر لیا اور عمر عاص نے محاصرہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ارطبون نے عمر عاص کے پاس کہلا بھیجا کہ تم ناحق کوشش کرتے ہو اس شہر کا فتح کرنا تم کو نصیب نہ ہوگا۔ اس شہر کا فتح ہونا جس شخص کے ہاتھ سے ہے ہماری کتاب میں لکھا ہے اس کا حلیہ تم سے نہیں ملتا ہے۔ عمر عاص نے یہ خبر مدینہ کو بھیجی عمر بن الخطاب نے خود بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ ان کا منشا اس سفر سے اپنی صورت دکھانا تھا۔ یا بیت المقدس کی زیارت اصلی منشاء تھا۔ بہر حال وہ خود وہاں پہنچے اور اس طرح پہنچے کہ ایک اونٹ پر بالکل معمولی کپڑا پہنے ہوئے عام لوگوں کی طرح سادی وضع میں درِ شہر کے سامنے نمودار ہوئے دشمنوں کے دلوں پر خلیفہ وقت کی سادگی کا بہت اثر پڑا۔ اور اس کے ساتھ اسلام کے سادے طریقوں کی وقعت بھی ان کے دلوں میں قائم ہوئی۔ اکثر مورخوں کے قول کے مطابق اس امر کے بیان کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دشمنوں نے بیت المقدس کے فاتح کا حلیہ اپنے پیشوایان مذہب کی پیشینگوئیوں کے مطابق پایا۔ ابو عبیدہ۔ یزید بن ابی سفیان اور خالد بھی وہاں آ گئے۔ بیت المقدس بے لڑے بھڑے فتح ہو گیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ اسی سلسلے میں اور بھی چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ ہوا بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد پورے طور پر شام میں مسلمانوں کا دور دورہ ہو گیا۔ جس طرح عرب کی حکومت فتح مکہ تک ادھوری تھی ویسے ہی بیت المقدس کی فتح تک شام کی حکومت سے مسلمان مطمئن نہ تھے۔

واضح رہے کہ مسلمان اپنے جائز امور میں بہت سخت تھے غیر قوم سے تو کچھ نرمی بھی کر جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں پر ذرا بھی نرمی نہیں کرتے تھے اور یہی وجہ ان کی ترقی کی تھی۔ ۱۸ھ میں سردار فوج ابو عبیدہ نے شام سے خلیفہ دوم کو لکھا کہ بعض لوگ شراب پیتے

ہیں اور منع کرنے سے باز نہیں آتے۔ امیرالمومنین نے لکھا کہ شراب کی حرمت میں جائے شبہ نہیں ہے۔ جو اسے حرام نہ سمجھے اس کی گردن ماردو کہ وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اور برا سمجھ کر پیتا ہے تو اس پر حد شرع جاری کرو کہ وہ مجرم ہے۔ یہ سن کر شراب پینا لوگوں نے یک لخت ترک کر دیا

خلیفہ دوم کے بعد خلیفہ سوم کا وقت آیا اور ان کے عہد میں جزیرۂ سائپرس۔ جزیرۂ رُودس کے لئے بحری لڑائیوں میں مسلمان کامیاب رہے۔ شیراز۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ بلخ اور خراسان فتح ہوئے۔ غرض کہ سنہ ہجرت کے اکتیسویں[۳۱] سال کے ختم ہونے کے قبل دنیا کے تمام مشہور مقامات پر مسلمان قابض ہو گئے اخیر زمانہ میں ارمینیا بھی فتح ہو گیا گو پورا تسلط بعد کو ہوا۔ آرمینیا اور جزائر سائپرس و رودس کے سوا اور تمام ممالک جو اس وقت تک مفتوح ہوئے ان میں تمام قومیں اپنے آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گئیں اور آج ان تمام ممالک میں اسلام ملکی مذہب ہے۔ تاریخ سے یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس زمانہ میں کسی متنفس پر محض اس لئے تلوار اٹھائی گئی کہ وہ مسلمان ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک شخص بھی اس طرح قتل نہیں کیا گیا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کیسا ہی سخت دشمن مسلمان کا ہزار محنت اور جاں فشانی سے گرفتار ہو کر آتا اور وہ کلمۂ توحید اپنی زبان سے کہتا تھا تو مسلمان تلوار پھینک کر بھائی بھائی کہتے ہوئے اسے گلے لگا لیتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ابتداء میں کتنا ہی جھوٹے دل سے مسلمان ہوتا تھا لیکن گھنٹوں اور دنوں میں سچا مسلمان ہو جاتا تھا۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں مسلمان آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ کوئی نیا ملک فتح نہیں ہوا۔ اور ان کے ساتھ طبقۂ سوم ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی بادشاہت معمولی بادشاہت رہ گئی۔ خلافت نبی کی شان باقی نہیں رہی۔ لیکن صدیوں تک بادشاہ کو خلیفہ کہتے رہے۔

طبقہ چہارم

سلاطین عرب کا زمانہ

بعد حضرت علیؓ کے بنو امیہ اور بنو عباس کی سلطنت یکے بعد دیگرے ہوئی۔ بنو امیہ کی ابتدائی سلطنت میں خود مسلمان مسلمان سے لڑتے رہے۔ عبدالملک کے زمانے میں انھیں باہمی جھگڑوں سے نجات نہ ملی ۸۶ھ میں جب ولید ابن عبدالملک تخت پر بیٹھا تو اس کے عہد میں مسلمانوں کی تلوار پھر نیام سے نکلی ان لوگوں میں وہ جادو نہ تھا جو طبقہ دووسوم میں تھا۔ ولید ابن عبدالملک کے عہد میں ترکستان کا بہت سا حصہ سرحد چین تک فتح کیا گیا۔ اسی کے عہد میں اندلس یعنی اسپین میں مسلمان گھسے اور فرانس تک پہنچ گئے پورب میں بھی ماوراءالنہر سے فرغانہ تک اور کابل سے ملتان تک اس کی حکومت پھیلی۔ ملتان سے اسپین تک تمام ملک اس کی مٹھی میں اس طرح تھا جس طرح انگشتری میں نگ ہوتا ہے مورخوں کا اتفاق ہے کہ ابتدائے عالم سے جہاں تک کہ تاریخی حالات معلوم ہوتے ہیں آج تک ولید ابن عبدالملک سے بڑا بادشاہ وسعت سلطنت اور استحکام سلطنت کے اعتبار سے دوسرا کوئی نہیں ہوا۔ لیکن یاد رہے کہ اس کے زمانے میں نہ اشاعت اسلام ہوئی اور نہ اشاعت اسلام کے لئے فتوحات ہوئے۔ جس قدر ممالک اس کے عہد میں فتح ہوئے ان میں اسلام ملکی مذہب نہ ہوا۔ "ہند اور اسلام" میں یہ مضمون زیادہ شرح و بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ سلیمان ابن عبدالملک کے عہد میں سندھ کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن وہ پھر مرتد ہو گئے۔ آذربائیجان اور آرمینیا کی فتح حضرت عثمانؓ کے وقت میں پورے طور پر نہیں ہوئی تھی۔ ۱۰۵ھ کے بعد ہشام بن عبدالملک کے عہد میں یہاں مسلمانوں کا پورا تسلط ہوا۔ اس وقت جیسے مسلمان تھے ویسا ہی اثر باشندوں پر پہنچا سکے اور اسی لئے آرمینیا میں اسلام ملکی مذہب نہ ہوا اور نہ ہندوستان اور اسپین میں اسلام ملکی مذہب قرار پایا۔

بنو امیہ کے زمانے میں ظلم کا طریقہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ طبقۂ سوم کے اعتبار سے یہ زمانہ فتنہ و فساد کا تھا۔ طبقۂ سوم کے دیکھنے والے مورخ بنو امیہ کے زمانے کو لکھتے ہیں کہ عالم ظلم سے بھرا ہوا تھا۔ بنو امیہ بھی اپنی لڑائیوں کو مسلمانوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے مذہبی لڑائیوں سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کی تلواریں بے شک بہت بے باک تھیں لیکن مفتوحہ قوموں کو وہ مسلمان نہ کر سکے۔ اگر اشاعت اسلام میں تلوار کو دخل ہوتا تو جو ممالک بنو امیہ کے وقت میں مفتوح ہوئے ان میں مسلمانوں کی تعداد ہرگز کم نہ رہتی بلکہ سب سے زائد ہوتی۔

بنو امیہ کے بعد بنو عباس کی حکومت کا زمانہ آیا۔ شروع شروع بنو امیہ اور بنو عباس میں لڑائیاں ہوئیں اور پھر بنو عباس کا پورا تسلط ہوگیا۔ بنو عباس کا زمانہ جب تک اس کو رونق تھی امن کا زمانہ تھا۔ علم صنعت و حرفت میں مسلمانوں نے اعلیٰ درجے کی ترقی کی بنو عباس سوائے اسپین کے اور تمام ممالک مفتوحہ سابقہ پر سلطنت کرتے تھے۔ سرحدی لڑائیاں بہت کم لڑے۔ زیادہ تران کو رفع بغاوت کے لئے مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ غیر قوموں سے مصالحت تھی۔ یونان کے علوم جدیدہ کو ان سے رونق ہوئی صرف مامون کے وقت میں کچھ فوج مسلمانوں کی ہندوستان کی طرف آئی اور ۱۴ قلعے روم کے اس کے عہد میں فتح ہوئے تھے۔ لیکن یہ فتوحات ہمارے اغراض کے لئے کچھ نہیں ہیں۔ بنو عباس کے بعد بلاد اسلام میں مختلف سلطنتیں جدا جدا قائم ہوگئیں۔ گو ان میں سے اکثر بنو عباس کو پیشوائے مذہب مانتی رہیں۔ لیکن ہمارے مضمون کے اغراض کے لئے عربوں کی سلطنت بنو عباس کے زوال کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

طبقہ پنجم

دیگر سلاطین اور دعوت اسلام

سلطنت عرب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد جو اسلامی سلطنتیں دنیا میں قائم

ہوئیں ان میں سے تین سلطنتیں ایسی ہیں جن کو دوسری قوموں سے زیادہ تر سابقہ رہا ۔ سلطنت اسپین ۔ سلطنت ہند ۔ سلطنت ترکی ۔ تاریخی واقعات کی دلچسپی بہت کچھ صلاح الدین شاہ مصر کے حالات میں ہے ۔ بیت المقدس کے لئے بڑی بڑی معرکہ کی لڑائیاں اس کے عہد میں عیسائیوں کی مجموعی طاقتوں سے ہوئیں ۔ لیکن ہمارے اغراض کے لئے ان کا لکھنا، ضروری نہیں ہے ۔ ہم یہ نہیں دکھانا چاہتے کہ غیر قوموں سے مسلمانوں کی لڑائیاں کہاں کہاں ہوئیں یا غیر قوموں نے اپنے مواقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کیں ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے جن حملوں یا مسلمانوں کی جن لڑائیوں کو غیر قوم کے لوگ محض اشاعت اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ وہ حملے یا وہ لڑائیاں لوگوں سے بہ جبر کلمۂ توحید پڑھوانے کے لئے نہ تھیں ۔ لیعنی ہم کو صرف اس بیان کی تکذیب کرنی ہے کہ اگر مسلمان تلوار ہاتھ میں نہ لیتے تو ان کا مذہب اس قدر جلد نہ پھیلتا ۔ اور اس لئے ہم کو وہ تمام لڑائیاں چھوڑ دینا چاہیئے جن میں مسلمانوں نے خود کو غیر قوموں سے بچایا ہے ۔ اس کے بیان کرنے میں دلچسپی ضرور ہے لیکن ہمارے اغراض سے اس کو کوئی مناسبت نہیں ہے ۔

اسپین

طارق نے اسپین کو صرف بارہ ہزار مسلمانوں سے فتح کیا ۔ موسیٰ گورنر افریقہ جب اس سے مطلع ہوا تو اس نے طارق کو اس جرم میں قید کیا کہ اس نے بلا اجازت موسیٰ کے حملہ کیا تھا ۔ موسیٰ کا یہ فعل اس لئے نہ تھا کہ جنگ وجدال وہ برا سمجھتا تھا ۔ بلکہ محض اس لئے تھا کہ طارق کی ناموری پر وہ حاسد تھا اس کے بعد خود اس نے فتوحات کی کمی کو پورا کر کے خلیفہ وقت کے نزدیک اپنے کو نام آور کرنا چاہا تھا ۔ لیکن خلیفہ کو ان تمام حالات کی خبر ہوئی اور اس نے طارق کو بدستور اسپین کا حاکم کر کے موسیٰ کو طلب کر لیا ۱۰۱ھ

مطابق ۷۱۹ء میں طارق کا ایک عربی سپہ سالار فرانس کے جنوبی حصے پر مستقل طور سے قابض ہو گیا۔ ۷۳۲ء میں جب بمقام پائٹائرز اور نورز مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ ممالک مفتوحہ پر قانع ہو کر اس کی محافظت اور تہذیب میں کوشش کرنے لگے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ محض ملک کی خواہش سے یا ناموری کے خیال سے اسپین پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا جب انھوں نے وقت تنگ دیکھا تو قناعت سے کام لیا۔ تواریخ سے ثابت ہے اغراض اسلام یا اشاعت مذہب کے لئے کوئی سختی ان لوگوں نے نہیں کی اور نہ ان میں ایسی خوبیاں تھیں کہ لوگ ان پر از خود فریفتہ ہو جاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ نو سو برس کے بعد عیسائیوں نے ان کو اس طرح سے نکالا جس طرح دودھ سے مکھی نکالی جاتی ہے۔

بعد ۷۳۲ء کے مسلمانوں نے پھر غیر قوموں پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ جو کچھ لڑائی ہوئی خود مسلمانوں میں ہوئی یا غیر قوموں کے حملوں کے روکنے میں ہوئی۔ سب سے بڑی لڑائی یہاں مسلمانوں میں عبدالرحمٰن کے وقت میں ہوئی۔ عبدالرحمٰن خلفائے بنو امیہ کی نسل سے تھا بنو عباس کے زمانے میں بھاگ کر اسپین پہنچا اور اسپین کو بنو عباس کی حکومت سے علیحدہ رکھنا چاہا۔ بنو عباس کی تمام فوج دھوکے سے ماری گئی اور عبدالرحمٰن کی سلطنت اسپین میں مستحکم ہو گئی۔

اس کے بعد حکم ابن ہشام کے زمانے میں سچے مسلمان اسپین سے نکل کر افریقہ کے ساحل مغربی کی طرف آباد ہونے کے لئے چلے گئے۔ سلطنت سب کچھ کرتی تھی۔ لیکن اشاعت دین سے غافل تھی عام مسلمانوں میں وہ خوبیاں نہ تھیں جو دوسری قوم کو مذہب اسلام کی طرف مائل کریں۔ خاص خاص لوگ اس نظارہ کو پسند نہ کر سکے اور خود بخود جلا وطن ہو گئے۔ سلطنت کو مذہبی رنگ میں کمزور پاکر متعصب عیسائیوں کا ایک گروہ اٹھا اور خودکشی شروع کر دی۔ یعنی یہ لوگ دربار شاہی میں آکر ایسی حرکات کرتے تھے کہ لامحالہ قاضی کو انکی موت کا فتویٰ دینا ناگزیر ہوتا تھا۔ قتل کا حکم سن کر وہ خوش ہوتے

تھے۔ بس یہی ایک خون غیر قوم کا مذہبی پیرائے میں مسلمانوں کے ہاتھ سے اسپین میں ہوا۔ یہ واقعات ۸۵۰ء کے اخیر میں ہوئے۔ لیکن ان واقعات سے مسلمانوں پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جاتا۔ اس زمانے کے سمجھ دار عیسائی بھی ان مذہبی شہدا کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ لیکن بعد کو فساد پھیلانے کے لئے فرانس کے راہب ان مسیحی شہدا کی ہڈیاں بیگ میں بھر کر اپنے ملک کو لے گئے اور وہاں کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا چاہا۔ عیسائیوں نے بھی کچھ زور دکھایا لیکن کسی فریق کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔

عبدالرحمٰن ثالث نے گو چند عیسائی ریاستوں کو بزورِ شمشیر اپنا مطیع کیا۔ لیکن عیسائیوں سے زیادہ اسے مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ اسپین کی مسلمانی ریاستوں کو اس نے تابع کیا۔ افریقہ کے فاطمی بادشاہوں سے وہ لڑا۔ یہ بادشاہ پچاس برس تک حکمران رہا۔ قسطنطنیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی کے عیسائی بادشاہ اظہارِ اخلاص مندی کے لئے اس کے دربار میں اپنے سفیر بھیجتے تھے۔ اس کے جانشین مابعد کے عہد میں مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں کمزور ہوگئی گویا یہ ہندوستان کا شاہجہان تھا۔ ۱۰۳۱ء میں اسپین کی شہنشاہی ختم ہونے پر صوبہ غرناطہ میں ایک چھوٹی سی سلطنت اسی طرح قائم ہوئی جس طرح ہندوستان میں دلّی کی سلطنت تباہ ہونے پر لکھنؤ کی شاہی قائم ہوئی تھی۔ اس کے بعد غرناطہ ۱۱۴۳ء میں افریقہ کے مردانیوں کا ایک باج گزار صوبہ قرار پایا۔ بعدازاں اندلس کے مسلمانوں کی پھر خود مختاری قائم ہوئی اور تھوڑے دنوں کے بعد پھر وہ مسلمانانِ افریقہ کے زیرِ حکومت ہوگئے۔ اس اثناء میں مسلمانانِ افریقہ اور عیسائیانِ اسپین سے چند لڑائیاں ہوئیں لیکن وہ محض ملکی لڑائیاں تھیں ۱۲۴۶ء کے بعد صوبہ غرناطہ میں محدود ہو کر مسلمانوں نے اپنی خود مختاری قائم رکھی اور اس چھوٹی سی حالت میں بہزار مشکل وہ اپنے کو عیسائی ہمسایوں سے بچاتے رہے۔ نہ ان سے دبے اور نہ ان کو دبا سکے ۱۴۷۵ء میں شمال کے عیسائیوں کی متفقہ قوت نے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کیا اور ۱۴۹۱ء میں مسلمانوں کی سلطنت

کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد قرطبہ کے عیسائی بادشاہ نے یہ قانون نافذ کیا کہ مسلمان عیسائی مذہب اختیار نہ کریں تو ملک سے باہر کر دیئے جائیں۔ ۱۵۶۷ء میں اس پر سختی سے عملدرآمد ہوا۔ اس سختی سے مسلمانوں کو کچھ غیرت آئی اور عرصہ تک وہ بے کسی بادشاہ کے عیسائیوں سے لڑتے رہے۔ دشمنوں کو مارتے تھے اور خود بھی مرتے تھے آہستہ آہستہ ۱۶۱۰ء تک کوئی ۳۰ لاکھ مسلمان شہر سے جلاوطن ہوئے پانچ لاکھ تو ایسے تھے جن کو اسپین کے عیسائی بادشاہ ہنری ہفتم نے خود مستعد ہو کر ملک سے باہر نکال دیا تمام مسجدیں گرجا ہو گئیں۔ حمام گرا دیئے گئے نشانات مٹا دیئے گئے اب کہیں سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ اندلس میں آٹھ نو سو برس تک مسلمانوں کی عملداری تھی۔ ایک ہزار برس تک اسلام کا چرچا تھا اور عربی زبان وہاں قریب قریب مادری زبان کے ہو چلی تھی۔ قرآن میں ہے کہ عاد اور ثمود وغیرہ قومیں دنیا میں سب سے بڑھ کر ہوئیں اور پھر وہ اس طرح مٹیں کہ پتہ نہ لگا۔ اس آیت کا مفہوم تاریخ اندلس پڑھنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ قوم یوں معدوم ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی جلاوطنی سے تمام علمی برکتیں بھی ملک سے جاتی رہیں کیونکہ زیادہ تر یہی لوگ استادفن تھے۔ اسپین کے عیسائیوں نے اس بے رحمی سے اپنا ملکی نقصان بھی کیا یعنی اسپین جو مسلمانوں کی بدولت تمام یورپ کا دارالعلم تھا آج یورپین نگاہوں میں وہ نیم وحشی قوموں یا بدترین اہل یورپ سے محسوب سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۷۱۱ء سے ۱۶۱۰ء تک اسپین میں مسلمان رہے ۷۱۰ء میں صرف ۱۲ ہزار مسلمان اسپین میں آئے تھے اور فرانس تک گھستے چلے گئے اور جب ان کے برے دن آئے تو تیس لاکھ مسلمانوں کو جلاوطن ہونے کا حکم ہوا اور وہ چپکے سے اٹھے اور ملک سے باہر چلے گئے۔ تلوار اگر مسلمانوں کے پاس تھی تو وہ ۱۶۱۰ء میں کہاں چلی گئی تھی۔ دنیا میں کسی قوم نے کسی قوم کے ساتھ ایسا ظلم نہیں کیا ہے جیسا کہ اسپین کے عیسائیوں نے

اسپین کے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ اس سے صریح ظاہر ہے کہ جو بات ۷۱۱ء کے مسلمانوں میں تھی وہ ۱۶۱۰ء کے مسلمانوں میں باقی نہیں رہی تھی ــــ ہند کے مسلمانوں کے ساتھ تو ہندوستان کی آب وہوا کا الزام رکھدیا جاتا ہے لیکن اسپین کے مسلمانوں پر کوئی الزام اس قسم کا عائد نہیں ہوسکتا۔ پس سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جو صداقت اور راست بازی کا سبق آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو تعلیم کیا تھا۔ اس کا کچھ کچھ اثر ۱۷۰۰ء تک تھا اور اس لئے وہ دوسری قوموں پر اسی طرح حکمرانی کے قابل تھے جس طرح تیل میں پانی کے اوپر تیرنے کی قابلیت ہوتی ہے اور جب مسلمانوں میں قابلیت کی کمی ہوئی تو خواہ مخواہ ان کو وہ مقام چھوڑ دینا پڑا جہاں وہ دوسری قوموں سے تعداد میں کم تھے اگر اچھے دنوں میں وہ کوشش کرکے تمام قوم کو اپنا ہم مذہب کر لیتے تو یہ دن ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا لیکن یہ ان کے اختیار کی بات نہ تھی۔ تلوار میں ان کی زور تھا مگر مذہب تلوار سے نہیں پھیلتا۔ مذہب پھیلتا ہے حسن اخلاق کا اچھا نمونہ دکھانے سے۔ اور وہ ان میں کافی طور پر نہ تھا۔ اب ہماری سمجھ میں بخوبی آگیا کہ ۷۹۶ء میں اسپین کے چند سچے مسلمانوں نے کیوں از خود اسپین چھوڑ دیا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ یہاں کے مسلمان دوسری قوموں کو اپنا اچھا نمونہ دکھا کر مسلمان کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو ایک دن ہماری اولاد کو اس ملک سے نکلنا ہوگا اور اس لئے انھوں نے قبل اس کے کہ وہ وقت آئے خود کنارہ کش ہوجانا پسند کیا۔

یہاں پر یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ یورپ کے مردہ علوم انکے وقت میں زندہ ہوئے ان کی یونیورسٹیوں سے یورپ کی قومیں تعلیم پاکر آدمی بنیں۔ تمام یورپ کے اساتذہ مسلمانوں کے شکر گزار ہیں صنعت، حرفت اور انسانی بہبود میں جو ترقیاں مسلمانوں نے کی تھیں اب تک ان کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سوکھی تعریفیں ان لوگوں کے لئے کسی کام کی نہ تھیں

جو ۱۶۱۰ء میں جلا وطن کئے گئے تھے۔ مورخین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو جلا وطن کر کے ان کے ساتھ ملک کی صنعت وحرفت اور تہذیب کو بھی عیسائیوں نے ملک سے نکال دیا اور ملک کی مرفعہ الحالی پر ایسا صدمہ پہنچا کہ پھر اسپین نہ پنپا۔ بے شک اسپین کے عیسائی آج تمام یورپین اقوام میں اس طرح پیچھے نہ رہتے اگر اپنے مسلمان ملکی بھائیوں کو یوں ملک سے نکال باہر نہ کرتے ہم اس موقع کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ کے زندہ کرنے میں اپنے اوقات عزیز محض رائیگاں کئے اپنے طرز عمل سے اور مدارس کی تعلیم سے وہ قرآن کی برکات ظاہر کرتے اور سنت نبویؐ اور اقوال محمدی کی خوبیاں دوسروں کو سمجھاتے اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھانے میں کوشش کرتے تو ان کی اولاد کو ۱۶۱۰ء کی بدنصیب گھڑیاں دیکھنی نہ پڑتیں۔

اسپین کے نہایت ہی مختصر حالات اوپر لکھے گئے ہیں ورنہ یہ قصہ بہت ہی دلچسپ ہے اور داستان بڑی طولانی ہے۔ اسپین کے مسلمان یورپین مورخوں کی نگاہوں میں عجائبات دنیا میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کا عروج و زوال نمونۂ قدرت تصور کیا جاتا ہے۔ تمام حالات کا اس مختصر تحریر میں بالتفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن ہم اس کو دعوے سے کہتے ہیں کہ اسپین کی تمام تاریخ میں گو وہ ادنیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں سے فتح ہوا تھا کوئی ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ کسی عاقل و بالغ قابل اعتبار مسلمان نے کسی عیسائی یا کسی دوسرے مذہب والے کی گردن پر اس لئے تلوار رکھی ہو کہ وہ لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ کہنے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔

ہندوستان

بعض یورپین مورخ جب لکھتے ہیں کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا" تو وہ ابتدائے سنہ ہجری کی فتوحات مراد لیتے ہیں اور جب ہندوستان کے نو تعلیم یافتہ نوجوان

ہندوستان کے متعصب مورخین کی تحریریں پڑھتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا حالانکہ ہندوستان میں کسی کو مسلمان کرنے کے لئے کوئی زیادتی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی اور نہ کوئی سختی ہندوستان کے باشندوں پر اس لئے کی گئی کہ وہ ہندو تھے اور نہ اسکے قبل تمام بلاد اسلام میں ایسا کبھی ہوا۔ مسلمان جو ہندوستان میں آئے بہترین مسلمان نہ تھے بلکہ بدترین مسلمان تھے۔ پھر بھی ہندوؤں کے حق میں ان سے اچھا کوئی دوسرا فاتح نہیں ہو سکتا تھا مسلمانوں نے جو برتاؤ اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا ان کے ہم عصر ایسا اچھا برتاؤ دنیا کے کسی حصہ میں اپنے مفتوحین کے ساتھ نہ کرتے تھے اور نہ اس کے قبل کبھی کسی اور فاتح نے ایسے اچھے برتاؤ کئے تھے۔ گزشتہ زمانہ کو زمانہ حال کے ساتھ مقابل نہ کرنا چاہیئے بلکہ گزشتہ زمانہ کو گزشتہ زمانے کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس مضمون کے سمجھنے کے لئے تمام دنیا کی تاریخ پڑھنی چاہیئے۔ دیکھو رومنس اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے خود انگلستان کے قدیم باشندوں کے ساتھ رومنس نے کیا کیا۔ انگلستان کے دیگر فاتحین نے انگلستان کے ساتھ کیا کیا۔ یونانیوں نے مفتوح قوموں کا دنیا میں کیا درجہ قائم رکھا تاتارنے چین پر فتح پاکر شروع شروع میں کیا برتاؤ کیا۔ خود ابرین نے اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ شدروں کو انھوں نے اس درجہ نیچا کر دیا کہ مسلمانوں اور انگریزوں کی ہزار سالہ حکومت ان کو ایک انچ بھی اوپر نہ کر سکی گویا دست قدرت کو فاتحوں کے برش شمشیر نے ہمیشہ کے لئے (نعوذ باللہ) قطع کر دیا۔ تین چار ہزار برس سے شدروں کے کشت زار میں ابر رحمت نہ برسا سب کے دن پھرے لیکن ان کے دن نہ پھرے وہ زبان حال سے کہتے ہیں۔

ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

گویا وہ مادر گیتی کے فرزند ہی نہیں ہیں۔ ہمارے ہندو نوجوان سمجھیں ان کے بزرگوں نے جب دوسروں پر قابو پایا تھا تو کیا کیا تھا اور پھر وہ مقابلہ کریں اپنے بزرگوں کی

حالت سے جب مسلمانوں نے ان پر قابو پایا تھا۔

مسلمانوں کے پاس شروع شروع با اعتبار فاتح ہونے کے جو ایک بہت بڑا ہنر تھا وہی منہ تدبیر سے یا سوء اتفاق سے خود مسلمانوں کے حق میں نہ کہ مفتوحین کے حق میں ایک بڑا عیب قرار پایا۔ کیا معنی کہ مسلمان جس سیر چشمی سے غیر قوم کو اپنا ہم خیال پاتے ہی قومی تفریق اٹھا دیتے تھے وہ بے شک ایک ایسا امر تھا کہ تاریخ عالم میں کسی فاتح میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی ترقیوں کی بنیاد اسی حکمت عملی پر قائم تھی۔ قوم مفتوح کے ساتھ ان کا برادرانہ اور ہمسرانہ برتاؤ رکھنا بے شک نہایت اچھا تھا۔ مگر اندلس اور ہندوستان میں اچھا نہ تھا کیونکہ یہاں کے تمام باشندے ان کے ہم خیال نہ تھے اور ہم خیال نہ ہونے کا سبب وہ نقص تھا جو ان میں پیدا ہو گیا تھا ان کو یہاں اپنے باپ دادا کی روش قوم مفتوح کو برادر قرار دینے کی بابت اختیار نہ کرنا چاہیئے تھی۔ سابق مسلمان اپنے حسن اخلاق میں ایسے پکے تھے کہ وہ قوم مفتوح کو اپنا سا بنا لینے کا یقین کامل رکھتے تھے۔ وہ سانپ کھلاتے تھے اس لئے کہ اس کا منتر جانتے تھے۔ اندلس اور ہندوستان کے مسلمان اپنے باپ دادا کی طرح سانپ سے کھیلتے رہے لیکن سانپ کا منتر بھول چکے تھے اور یہ انکی سخت غلطی تھی جب ان کے اخلاق ایسے نہ تھے کہ دوسروں کو اپنی طرف خواہ مخواہ کھینچیں تو پھر ان کو دوسروں میں ملنا نہ چاہیئے تھا۔ دوسروں کی صحبت نے ان کو اور بھی خراب کیا جو کچھ ان میں ہنر تھے وہ بھی جاتے رہے۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے اخلاق درست کرتے دوسروں کی صحبت ان کے اخلاق خراب کرنے لگی مسلمانوں کے برادرانہ میل جول نے مفتوحین کو بے تکلف کر دیا۔ مسلمان ان کے مقابلہ میں اصول سیاست پر پورا عمل کرنے کے ہرگز قابل نہ رہے۔ یوں ایک صدی تک بھی مسلمان اپنی حکومت قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ کچھ دنوں تک جو انکی حکومت قائم رہی اس کا سبب یہ تھا کہ نئے نئے حکمران اور نئے نئے اراکین دولت ولایت سے برابر آتے رہے اگر یہ تازہ ہوائیں باہر سے نہ آتی رہتیں تو قومی

حکومت کا گلا کبھی کا کٹ گیا ہوتا۔ ہندوؤں کے میل جول سے ہم اپنے تمام اخلاق کو وہ اچھے تھے یا برے لیکن ہمارے لئے مایۂ ناز ضرور تھے کھو بیٹھے۔ حتیٰ کہ امور منجر بہ شرک کے اختیار کرنے میں بھی ہم نے دریغ نہیں کیا۔ ہم اپنے خدا کو بھولے اور رسولؐ کو بھولے بہادری چھوڑی۔ استقلال چھوڑا۔ راست بازی کو خیر باد کہا۔ حمیت اسلامی کو رخصت کیا ہمارے عادات و اطوار میں خرابی آئی اور ہمارے دلوں میں کمزوری پیدا ہوئی جبکی دوستی میں ہم اس حال کو پہنچے۔ جب اس کے منہ سے سنتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں بہت ظلم کیا تو افسوس ہوتا ہے۔ کسی کا گلہ نہیں یہ ہمارا کیفر کردار ہے اگر ہم اپنے اخلاق درست رکھتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور آج ہماری تمام باتیں بری بھی ہوتیں تو اچھی نظر آتیں۔

ہم اپنے بیان کی تائید میں کچھ تاریخی حالات بیان کرتے ہیں سنہ ۴۴ھ میں مرو سے کابل تک عرب گھس آئے اور بارہ ہزار کافروں کو مسلمان کیا۔ غالباً یہ زیاد گورنر خراسان کی حکومت اور امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ والیٔ کابل اگر بالکل مطیع نہیں تھا تو باج گزار ضرور تھا کیونکہ اس کی سرتابی پر سنہ ۶۴ھ میں دوبارہ لشکر کشی ہوئی اور اب کے اتفاقاً مسلمانوں نے ایک گھاٹی میں پھنس جانے کی وجہ سے ہزیمت اٹھائی۔ اس شکست کا بدلہ سنہ [illegible]ھ میں عبدالرحمٰن حاکم خراسان نے لیا جس نے کابل پر خود دھاوا کیا اور بہت بڑا حصہ ملک کا قبضہ میں کر لیا۔ اس وقت تمام افغان مسلمان ہو چکے تھے۔ افغان تو پیغمبر خدا کے وقت ہی سے اپنا ایمان لانا کہتے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ سنہ [illegible]ھ میں اکثر ان میں سے مسلمان ہو چکے تھے اور محمود کے بعد ان میں کوئی کافر باقی نہ رہا بجز اس حصہ ملک کے باشندوں کے جو اب تک کافرستان کے نام سے موسوم ہے سنہ ۱۱۱ھ میں محمد بن قاسم اسی طرح ہندوستان میں آیا جس طرح طارق اسپین میں گیا تھا محمد بن قاسم کا لاشہ شاہی غضب کی وجہ سے ہندوستان سے دمشق روانہ کیا گیا اور اس کے ساتھ تمام فتوحات اسلامی کا نام بھی ہندوستان سے فوراً مٹ گیا۔ طارق اراکین دولت کے مخمصہ میں پھنسنے کے بعد پھر اپنی حالت پر آ گیا اور اس لئے اس کی فتوحات ایک حصہ فرانس تک بڑھتی رہیں

صرف یہی فرق دونوں کی فتوحات میں ہوا۔ ورنہ اور اعتبارات سے ان دونوں فتوحات میں بہت کچھ مناسبت ہے۔ محمد بن قاسم اپنے ماسبق مسلمانوں سے بدتر تھا اور مابعد کے حملہ آوروں سے بہتر تھا۔ اس نے لڑائی کی بنیاد اسی مہذب اصول پر قائم کی تھی جس نے عرب سے سندھ تک مسلمانوں کو پہنچایا تھا۔ یعنی محمد بن قاسم نے نہایت انسانیت کے ساتھ والیٔ ہند کے سامنے اپنی درخواست پیش کی :۔ اپنے ملک میں ہمارا قانون نافذ ہونے دو۔ امن قائم کرنے کی فکر کرو۔ ملکی تہذیب میں ہم کو ترقی کرنے دو اور اگر تم غیر اشخاص کی مداخلت پسند نہیں کرتے تو تم ہمارے ہم خیال ہو کر اور اس طرح سلف گورنمنٹ کا پردہ قائم کر کے خود اپنے پر حکومت کرو اور اگر کسی میں راضی نہیں ہوتے تو تلوار کو حکم قرار دو :۔ بہرحال محمد بن قاسم کی نسبت کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور اگر کچھ اعتراض ہوتا بھی تو وہ اس واقعہ سے رفع ہو گیا کہ محمد بن قاسم کے ساتھ خلیفۂ وقت نے کیا سلوک کیا۔ ہنود سمجھے کہ مسلمان صرف مفتوحین کے مقابلہ میں سخت نہیں ہیں۔ باہمی برتاؤ میں بھی کرتے ہیں۔

اس کے بعد محمود کے حملے شروع ہوئے اور یہ حملے فی الواقع بہت سخت تھے۔ محمود نے اشاعت اسلام کے لئے یہ حملے نہیں کئے۔ جس طرح سے ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر ملکی اغراض کے لئے یا دنیاوی طمع سے حملے کرتا ہے وہی نوعیت محمود کے حملوں کی تھی۔ کوئی برا مانے یا بھلا مولف کے نزدیک گو محمود نے ہندوستان پر حملے بہت کئے۔ غازی لقب پایا۔ مسلمانوں کے نزدیک اپنے کو موقر دکھایا۔ لیکن اپنے طرز عمل سے اس نے ہندوؤں کے دلوں میں اسلام سے نفرت پیدا کر دی۔ سمجھدار لوگوں نے اس وقت بھی رائے قائم کی تھی کہ نقدی طمع کے خیال سے یا حکمرانی کے شوق میں محمود کفرستان میں مارا مارا پھرتا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کو اس سے ترقی نہیں ہوتی اور نہ وہ مذہب کی ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے کے پردے میں جس طرح عراق میں لوگوں نے حکومتیں کیں اسی طرح محمود بھی مذہبی جہاد

کے نام سے مسلمانوں کو اپنا جاں نثار بنائے رہا۔ ورنہ اسلام پھیلانے سے اس کو کوئی غرض نہ تھی۔ بعض مورخین نے اس کو دہریہ لکھا ہے اور اسکی مذہبی باتوں کو تقیہ یا حکمت عملی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کتاب کا مؤلف اس قدر لکھنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن اس قدر تو بے تکلف کہہ سکتا ہے کہ جب تک دینی اور دنیاوی، دونوں بادشاہتیں ایک شخص میں جمع ہوتی رہیں تب تک مسلمان بادشاہوں کی کیفیت ہی اور ہوتی تھی۔ اس کے بعد جب صرف دنیوی پیشوائی ان لوگوں سے متعلق ہوئی تو یہ مذہبی پیشوا نہ رہے صرف حامی مذہب اسلام کے لقب کے سزاوار رہ گئے۔ اسی مد میں محمود بھی تھا۔ ہم کو محمود کی طرفداری سے کوئی بحث نہیں ہے۔ لیکن ایک تاریخی واقعہ کا چھپانا بھی مناسب نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتداء محمود کی طرف سے نہیں ہوئی البتہ ابتدا راجہ جے پال کی طرف سے ہوئی تھی جس نے محمود کے باپ سبکتگین پر پشاور کی گھاٹیوں میں حملہ کرنے پر سبقت کی تھی اس سبقت کے جواب میں سلطان سبکتگین کے دو حملے ہوئے اور محمود نے ؎

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

پر عمل کیا اور اٹھارہ حملے کئے خونریزی جو محمود کے زمانے میں ہوئی اس کی نسبت ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اشاعت اسلام سے الگ ایک چیز تھی اور اس لئے مسلمان اس کے جواب دہ نہیں ہیں۔ مشہور ہے کہ محمود کے بیٹے مسعود سے جو لڑائی خراسان میں طغرل بیگ اور چغر بیگ کے مقابلہ میں ہوئی اس میں اتنی خونریزی ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی اس کے مقابلہ میں محمود کے زمانہ کی خونریزیاں پاسنگ بھی نہیں ہیں۔ علاء الدین غوری نے جو غزنی میں پہنچ کر خون کا دریا بہایا اور تمام شہر کو جلا دیا۔ اسکی نظیر کئی صدی ماقبل اور مابعد تک نہیں ملتی۔ محمود نے صرف ہندوستان کی دولت لوٹی تھی علاء الدین نے اس کا شہر پھونکا۔ دولت لوٹی۔ تمام شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا اور صلہ میں جہاں سوز لقب پایا۔ ان لڑائیوں میں دونوں طرف مسلمان تھے ان خونریزیوں کا مواخذہ کس

کس سے ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہت کے لئے خونریزی لازم ہے۔ اس زمانے میں بھی بمقام ٹرنسوال دو عیسائی سلطنتوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی بے انتہا خوں ریزیاں ہوئیں۔ لڑائیوں میں خون ہی بہتا ہے اور لڑائیاں مہذب اور غیر مہذب دونوں گورنمنٹوں کے لئے لازمی ہیں۔ انصاف سے بالکل بعید ہے کہ جب مسلمان باہم لڑیں تو کچھ نہ کہا جائے اور جب غیر کے ساتھ لڑیں تو یہ کہا جائے کہ مسلمان غیر مذہب والوں کے خون بہانے میں بہت بے درد ہوتے ہیں۔ تاریخ پر بغور نظر ڈالنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قرن میں مسلمانوں کی لڑائیاں ہمعصر قوموں کی لڑائیوں سے مقابلہ کرنے کے بعد مہذب اور باقاعدہ ثابت ہوتی ہیں۔ خونریزیوں سے ہم ہرگز انکار نہ کریں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی لڑائیوں کو نظر بہ حالت اور نظر بہ اقوام ہمعصر وحشیانہ بھی نہ کہیں گے۔

اس کے بعد مسلمانوں کی مستقل سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی۔ سلاطین مابعد میں علاءالدین خلجی بڑا زبردست بادشاہ ہندوستان کا خیال کیا جاتا ہے اس کو ہندو اور مسلمان دونوں ظالم سمجھتے ہیں اسی نے والیٔ گجرات کی بی بی کیولا دیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا اب اس پر یہ متفرع کیا جاتا ہے کہ عام طور پر ہندوؤں کی عورتیں جب مسلمان پسند کرتے تھے تو لے لیتے تھے اور بعض بعض اسی پر یہ بھی متفرع کرتے ہیں کہ رسم پردہ ہندوؤں میں انہیں مظالم سے بچنے کے لئے قائم ہوئی تھی۔ یہ بحث علیحدہ "رسم پردہ" میں طے کی جائے گی یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ بے شک علاءالدین خلجی منجملہ ان مسلمانوں کے ہے جن کی وجہ سے ہند کے مسلمان برے سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ صرف ہندو ہی اس کو برا نہیں کہتے بلکہ مسلمان بھی اس کو ظالم کہتے ہیں۔ یہ کوئی مستند بادشاہ اسلام کا نہیں تھا اپنے چچا جلال الدین کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا جب اپنے بوڑھے چچا کا یہ نہ ہوا تو پھر اس سے کسی اور برے فعل کا صادر ہونا مستبعد نہ تھا۔ لیکن یہیں ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ علاءالدین میں بھی باوجود تمام برائیوں کے مفتوحین کے ساتھ برابر کے برتاؤ رکھنے کی صفت موجود تھی کیولا دیوی کی

کو اس نے بے عزت کر کے چھوڑ نہیں دیا بلکہ اپنے خاص محل میں داخل کر کے اپنی چہیتی بیوی بنایا اور اس کی لڑکی دیول دیوی کو اپنے بیٹے خضر خاں کی زوجیت میں دیا اور اس طرح ان دونوں عورتوں کو یہ موقع دیا کہ اگر زمانہ موافق ہو تو ان کی اولاد شہنشاہئ ہند پر ایک نہ ایک دن پہنچ سکے۔ یہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس ہندو عورتوں کا آنا جتنا کہ اس وقت ہندوؤں کے خیال کے مطابق ناپسندیدہ ہے اس زمانے میں اس درجہ ناپسندیدہ نہ تھا۔ خود راجپوت راجہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی لڑکیاں بادشاہوں کے پاس رہیں اور اس طرح ہندوستان کی گورنمنٹ خلط نسل کی وجہ سے آئندہ چل کر فارن گورنمنٹ نہ سمجھی جائے چنانچہ اکبر اور اس کے مابعد زمانے میں کئی مثالیں اس کی موجود ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندو راجاؤں کی یہ خواہش پوری کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد میں ترقی دینا چاہی گو یہ ترقی فی الواقع ان کے زوال کا سبب ہوئی۔ ہندوؤں کے میل جول سے جو نسل قائم ہوتی تھی ان میں بار سلطنت اٹھانے کی قابلیت پوری پوری نہ تھی۔

قطب الدین ایبک نے ۶۰۲ھ میں جو شہنشاہی قائم کی وہ برابر ایک مسلمان خاندان سے دوسرے مسلمان خاندان میں منتقل ہوتی رہی۔ محمد تغلق کے وقت تک اس میں زوال نہیں آیا۔ لیکن محمد تغلق کے بعد ہی تباہی شروع ہوئی اس کی وجہ سوائے اس کے اور نہیں کہی جا سکتی کہ محمد تغلق کی دادی ایک ہندی عورت تھی اور ماں کے اثر سے جو بہت بڑا اثر ہوتا ہے خاندان میں کمزوری پیدا ہوئی۔ گو سلطنت عرصہ تک رہی لیکن بالآخر تیمور نے اس کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے اور پھر تیمور کے پوتے بابر میں یہ قابلیت پیدا ہوئی کہ ان کے عہد میں پھر سے شہنشاہی قائم ہونے کی امید بندھی اور اکبر کے وقت سے پھر مسلمانوں کی شہنشاہی عود کر آئی۔ اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہاں نے بھی گویا قابل اطمینان شہنشاہی کی۔ لیکن عالمگیر کے بعد ماؤں کی طرف سے جو میل نسل شاہی میں آگیا تھا اس کے اثر نے مسلمانوں کی شہنشاہی کا بگاڑ کرنا شروع کیا۔

اکبر اور اس کے بعد کے دو بادشاہوں نے جو اچھے برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ کئے ان کی شکرگزاری کسی کی زبان پر نہیں ہے۔ راجہ ٹوڈرمل کا وزیر مال ہونا۔ کابل میں راجہ جسونت سنگھ کا گورنر مقرر ہونا کسی کو یاد نہیں ہے۔ لیکن عالمگیر کے سب شاکی ہیں کہ وہ بڑا متعصب تھا اور شکایت بھی اس کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعصب عام مسلمانوں کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے عہد حکومت میں بڑے ہی متعصب تھے۔ عالمگیر داراشکوہ کا مخالف تھا۔ داراشکوہ اپنے دادا اور پردادا کی طرح ہندوؤں کی رسم ورواج اور ان کے علوم سے دلچسپی رکھتا تھا۔ عالمگیر کو داراشکوہ کے خلاف کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ داراشکوہ کی عادات سے لوگوں کو نفرت دلاتا اور نفرت دلانے کے لئے سب سے عمدہ طریقہ متعصب مسلمانوں کے دلوں میں تعصب کی آگ بھڑکانا اور خود کو متعصب ظاہر کرنا تھا پالیسی اور حکمت عملی کا تقاضا یہی تھا۔ دل کا حال کسی کو نہیں معلوم بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس نے اپنے باپ اور بھائی کے خلاف سازش کرنے اپنے بھائیوں کے قتل کرنے اور اپنے باپ کو قلعہ میں نظر بند کرنے میں بالآخر اختیار کیا اس کو اگر ہنود سمجھتے ہیں کہ محض ہندوؤں کے دل دکھانے کے لئے اس نے ایسا کیا تو یہ محض انکی ناواقفیت ہے۔ عالمگیر اتنا بے وقوف نہ تھا کہ وہ ہندوؤں کے دل دکھانے کو سلطنت کی کمزوری کا باعث نہ سمجھتا وہ ضرور ایسا سمجھتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کا گروہ جو اس کے مخالف تھا حکمت عملی سے اس کے خلاف مسلمانوں کا ایک دوسرا گروہ تیار کرنا اصول جہانداری کے لحاظ سے وہ نہایت ضروری سمجھتا تھا۔ اور اس ضروری کام کی انجام دہی میں وہ اس امر کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ ہندوؤں کی جماعت اس سے ناخوش ہوگی۔ وہ جانتا تھا کہ ان کا خوش کرنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ ایک موافق گروہ مسلمانوں کا تیار کرنا ضروری ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ شاہجہاں کے بعد مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا اگر داراشکوہ کے ہاتھ میں عنان حکومت آتی صدیوں تک جو حکومت قائم رہی محض عالمگیر کی حکمت عملی سے قائم رہی۔ عالمگیر کا ہندوؤں

کے مقابلہ میں تلوار چلانا اگر برا تھا تو تانا شاہ کے مقابلہ میں بھی لڑائی کرنا برا تھا اس کے وقت میں ہندو ریاستوں کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئیں اس سے زائد مسلمان رئیسوں سے ہوئیں۔ ہندوؤں سے اسے خوف کم تھا اس لئے ہندوؤں کے ساتھ کسی قدر نرم تھا اور مسلمانوں پر وہ سختی کرتا تھا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ اپنی لڑائی کو جہاد کہتا تھا اور جس مسلمان سے اس کو لڑنا ہوتا تھا اسے ہندوؤں کا مددگار ٹھہرا کر ایک حیلہ شرعی پیدا کرتا تھا یہ محض اس کی تدبیر تھی ورنہ اصل غرض اس کی سلطنت کا مستحکم کرنا تھا۔ عالمگیر نے جس سختی سے اپنے باپ کی نگرانی کی اگر اس کی چوتھائی نگرانی سیواجی کی کرتا تو سیواجی کو یہ موقع ہرگز ہاتھ نہ آتا کہ وہ دہلی سے نکل کر پونہ پہنچ جاتا اور وہاں ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کرتا جو عالمگیر کے جانشینوں کی بیخ کنی کرتی۔

عالمگیر نے بنارس وغیرہ میں ہندوؤں کے معابد سے ضرور ایسا برتاؤ کیا جو اس وقت تک ہندوؤں کو تکلیف دینے والا ہے۔ یہ فعل عالمگیر کا صرف بے سود ہی نہ تھا بلکہ خلاف شرع بھی تھا۔ ہم کو سخت حیرت ہے کہ اس انوکھے فعل سے عالمگیر نے کیا مقصود رکھا تھا۔ عالمگیر کو کوئی رنج ہندوؤں سے نہ تھا یہ اطاعت شعار رعایا تھے۔ ہندوؤں کے معابد کو اس غرض سے بگاڑنا کہ یہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے کی تحریک کرے گا ایسا خام خیال ہے جو عالمگیر سے بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ عالمگیر کی نسبت جنون دوری کسی مورخ نے منسوب نہیں کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ کسی ہندو کو محض مسلمان کرنے کے لئے اس نے کبھی خونریزی کی تمام حالات پر نظر کرنے کے بعد سوائے اس کے اور کوئی امر ذہن نشین نہیں ہوتا کہ ہندوؤں کے معبدوں کی توہین اس نے محض اس مسلمان گروہ کو اپنی طرف گرویدہ کرنے کے لئے کیا تھا جس کو اپنے خاندان کے حمایتی گروہ کو زیر کرنے کے لئے اس نے محض حکمت عملی سے قائم کر رکھا تھا اور وقتاً فوقتاً اس میں تعصب کی آگ کا مشتعل کرنا وہ مقتضائے حالت تصور کرتا تھا۔

مابعد زمانے میں نادر شاہ اور احمد شاہ درّانی کے حملے ہندوستان پر ہوئے۔ لیکن ان حملوں نے بہ نسبت ہندوؤں کے مسلمانوں کو زائد نقصان پہنچایا۔ ہندوؤں کی علیحدگی سے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا ان حملوں نے رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔

ہم کو ہندوستان کے حملہ آوروں کے مذہبی خیال سے چنداں ہمدردی نہیں ہے۔ "ہند اور اسلام" میں ہم نے اپنے خیالات پورے طور پر ظاہر کئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم نے جا بجا لکھا ہے کہ ہند کے حملہ آور گو گزشتہ مسلمانوں سے بدتر تھے لیکن غیر مذہب والے ہمعصر بادشاہوں سے ضرور بہتر تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا قانون تمام عالم کے قانون سے بہتر تھا جب وہ غصہ یا طمع میں نہیں ہوتے تھے تو ان سے ایسے افعال کبھی کبھی سرزد ہوتے تھے جو دوسروں کے لئے نمونہ ہو سکتے تھے۔ یہی باعث تھا کہ وہ تمام نذیر حقوں پر فائق تھے۔ خدا دنیا میں اپنے برے بندوں کو بااختیار نہیں رہنے دیتا۔ جس زمانے میں مسلمان بااختیار تھے اس زمانے میں وہ تمام عالم کے باشندوں سے اچھے تھے اور جب وہ برے ہوئے تو ان پر دوسری قوم مسلط ہو گئی۔ عربوں میں جب قابلیت نہ رہی تو نو مسلم ترک ان پر غالب آئے۔ اور جب یہ بھی لہو و لعب اور عیش پسندی میں پھنسے تو کفار تاتار ان پر حکمران ہوئے بالآخر کفار تاتار کو ان سے کہ وہ بادشاہت کی صلاحیت رکھتے تھے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ اسلامی قانون اختیار کریں یعنی مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ اس وقت یہی ایک مہذب قانون دنیا میں تھا۔ بعدازاں انہیں مغلوں کی نسل جب ہندوستان میں آ کر نا قابل حکمرانی ہوئی تو خدا نے انگریزوں کو بھیجا۔ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ "ان الارض یرثہا عبادی الصالحین" "میرے صالح بندے وارث ارض ہوتے ہیں"۔ ان انگریزوں میں بہت سی باتیں اسلام کے موافق ہیں۔ اسلام کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے۔ عمدہ باتوں کے مجموعے کا نام اسلام ہے مختلف وقتوں میں مختلف نام رکھ لئے گئے ورنہ آسائش اور تہذیب سے زندگی بسر کرنے کا طریقہ روز ازل سے ایک ہی چلا آتا ہے۔ جس کو اپنے بارے میں مسلمانوں نے بھی اختیار کیا اس وقت

اس طریقہ پر عمل کرنے والے بہ نسبت پچھلے مسلمانان ہند کے انگریز زائد تر ہیں اور اسی لئے خدا نے ان کو وراثت ہند سپرد کی ہے۔ جب تک عمدہ باتیں ان کا دستور العمل رہیں گی یہ سپردگی قائم رہے گی۔ ہمیشہ قوم کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک وقت وہ آئے کہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑے۔ لیکن اس وقت کے پہنچنے سے قبل ضرور ہے کہ ان سے ان کی خوبیاں جو اب ہیں الگ ہو جائیں۔ جب تک وہ اپنی خوبیاں قائم رکھیں گے خدا ان حالت میں تغیر نہ کرے گا۔ لیکن خدا نخواستہ ان کے اخلاق برے ہو جائیں پھر کبھی ہندوستان میں نہ پڑیں۔ مثل ہمارے ان کے خیالات میں بھی تاریکی آجائے تو اس وقت ان کی کوئی بات قابل پسند نہ رہے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس مابعد زمانے میں یہ کہنا کہ انگریزوں نے انیسویں صدی میں ہندوستان کی حکومت برے طور پر کی تھی اتنا ہی بعید از واقعات ہوگا جتنا دن کو رات کہنا۔ اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ حالت پر قیاس کر کے یہ رائے قائم کرنا کہ گزشتہ صدیوں کے مسلمان ایسے ہی ناقابل تھے جیسے اب ہیں بالکل بعید از عقل ہوگا۔ اب یہ مضمون ختم ہوتا ہے اور خاتمہ پر ایک حکایت بابر کی اس امر کے ظاہر کرنے کو لکھی جاتی ہے کہ بڑے سے بڑے مسلمان بھی قانون اسلام کی پابندی سے عمدہ سے عمدہ افعال کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ شرعی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی چیز کہیں گری ہوئی ملے تو پانے والے کو اصل مالک کی تلاش لازم ہے۔ کوئی شخص رعایا ہو یا بادشاہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بابر کے وقت میں ایک چینی قافلہ برف باری کی وجہ سے تباہ ہوا۔ لاوارث مال کثیر تعداد میں بابر کے پاس پہنچا بابر نے اس مال کو خزانہ شاہی میں داخل کرنے کی بجائے امانتاً علیحدہ رکھوایا اور چین میں آدمی روانہ کیا کہ وہاں جا کر شہر بہ شہر پتہ لگائے کہ جو قافلہ تباہ ہوا کس حصۂ سرزمین کا تھا بالآخر مال کے مالکوں کا پتہ لگا اور شکر گزاری کے ساتھ وہ اپنے مال آکر لے گئے۔ بابر ظالم بادشاہوں میں سے ہے اور اس کے یہ کردار ہیں۔

مسلمانانِ چین اور

مجمع الجزائر

چین اور مجمع الجزائر کے مسلمانوں کے حالات اب تک کچھ بیان نہیں کئے گئے۔ مسلمان مورخوں نے ان مقامات کے مسلمانوں سے بہت کم دلچسپی رکھی ہے۔ لیکن زمانۂ حال کی یورپین تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کے مسلمان بھی اسلامی دنیا میں بڑی وقعت کے قابل ہیں اور ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے حالات سے بے پرواہی کی جائے۔ ابھی حال میں چین کے صوبہ یانان میں جب چینی مسلمانوں نے سخت بغاوت کی تو یورپین مورخوں نے ادھر توجہ کی۔ خاص طور سے روسی اور فرنچ مورخوں نے ادھر خوب توجہ کی۔ پروفیسر بزیلیف نے روسی زبان میں جو خیالات چین کے مسلمانوں کی نسبت ظاہر کئے ہیں وہ بجنسہٖ درج کئے جاتے ہیں۔

"اگر چین کے مسلمان اُن پردیسیوں کی اولاد ہوتے جو مدت سے وہاں آباد ہیں تو البتہ ہم کو اس یقین میں کہ ایک روز کل چین مسلمان ہو جائے گا کچھ تامل ہو سکتا تھا لیکن برخلاف اس کے جب یہ دیکھتے ہیں کہ وہاں کے اصلی باشندوں میں اسلام برابر ترقی کر رہا ہے تو ہم کو یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ یہ ترقی کب بند ہو گی اور کہاں تک پہنچ کر رک جائے گی۔ ترکستان اور زنگیریا میں اگر مسلمانوں سے ایک وسیع اسلامی عملداری قائم کرنے کے بعد بھی فروگذاشت کی گئی تو لازم ہے کہ چین خاص پر جہاں ان کے ہم مذہب ہر جگہ موجود ہیں مسلمان ہمیشہ حملہ آور ہوتے رہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ آئندہ یہ ملک سلطنت چین کے تحت ... آ جائیں گے تو کیا ایسا فرض کرنے سے اسلام وہاں ضعیف ہو جائیگا؟ اس سوال کو ہم ابھی پیش نہیں کرتے تھوڑے زمانے کے لئے دس برس یا بالفرض ایک صدی کے لئے ملتوی کرتے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس اثناء میں بھی اسلام برابر

برابر اپنی ترقی جاری رکھے گا۔ اپنی اغراض پوری کرنے کے لئے حسب مراد موقع کا منتظر رہے گا اور انجام کار وہ مقاصد حاصل کرلے گا جن کے حصول کے واسطے سعی بلیغ میں سرگرم ہے۔"

اس وقت مسلمانان چین کی آبادی زیادہ تر صوبہ کینٹن، یانان، شانسی، اور کانگسو میں ہے۔ کل آبادی چینی مسلمانوں کی عرصہ ہوا دو کروڑ سے زیادہ تھی۔ بعض مورخوں نے اس کی تعداد بہت گھٹا دی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بیان کی تھی۔

آنحضرتؐ نے اشاعت اسلام کے لئے جا بجا جو ایلچی روانہ کئے تھے وہاں کسی سفر کا چین جانا مذکور نہیں ہے۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے اور بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ۶۲۸ء میں وہاب ابو کبشہ شاہ چین کے پاس بھیجا گیا تھا اس کی آمد بحری سفر کے ذریعہ سے ہوئی اس لئے ابو کبشہ صوبہ کینٹن میں جو بحر چین کے ساحل پر واقع ہے اترا۔ عربوں کی بحری تجارت اور ملکوں سے بہت پہلے سے قائم تھی یہاں عرب سے حجاز کے باشندے مراد نہیں ہیں بلکہ شام اور یمن کے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب کے باشندے حضرت عیسیٰؑ سے پہلے لنکا کی راہ سے ساحل چین تک پہنچ گئے تھے اور وہاب ابو کبشہ کا چین میں آنا غالباً تاجرانہ حیثیت سے تھا اور اسی ضمن میں دعوت اسلام کا خط بھی بھیجا گیا تھا۔ کینٹن میں ابو کبشہ کی بڑی عزت ہوئی اور اس کے ہم مذہبوں کو تعمیر مسجد اور اعلان دین کی اجازت دی گئی۔ ابو کبشہ ۶۳۲ء میں جب مدینہ واپس آیا تو رسول اللہؐ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ابوبکرؓ کا جمع کیا ہوا قرآن ساتھ لے کر وہ پھر کینٹن کو گیا۔ کینٹن میں اس کا مزار اب تک موجود ہے اور اس کی بنائی ہوئی مسجد بھی لابدی تغیر و تبدل کے بعد اب تک قائم ہے۔

خلفاء کے وقت میں مسجد کے گرد مسلمان تاجروں کی بسگت تھی اور بہت عزت کے ساتھ یہ لوگ وہاں رہتے تھے۔ جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کے عروج میں بھی اپنی عدالت اور اپنا قانون ساتھ رکھتی تھی۔ اسی طرح کینٹن کے مسلمان

بھی اپنا قاضی الگ رکھتے تھے اور خلیفہ اسلام کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔

۷۵۵ھ میں خلیفہ منصور نے چار ہزار عرب شاہ تھانگ کی کمک پر ایک بغاوت کو فرو کرنے کو روانہ کئے تھے۔ جب یہ لڑائی ختم ہوگئی تو عربی سپاہیوں نے اپنے ملک کو واپس جانے سے انکار کیا اور اس ذریعہ سے کینٹن میں مسلمانوں کی حیثیت وہ قائم ہوئی جو عربی پاشا کی گرفتاری کے بعد اب انگریزوں کو مصر میں حاصل ہے۔ مسلمان دعوت اسلام کے ذریعہ سے نومسلموں کی تعداد بڑھاتے رہے۔ چینی عورتوں کے بطن سے مسلمانوں کی نسل بھی خوب بڑھی۔ شاہان چین کے مغلیہ خاندان کے وقت میں مسلمانان چین کو باہر سے بھی مدد پہنچتی رہی۔ مغلیہ خاندانِ شاہی کے زوال پر گورنمنٹ چین نے اپنا یہ اصول قرار دیا کہ غیر ملک کے لوگ آنے نہ پائیں۔ ممکن تھا یہ زمانہ مسلمانان چین کو دیگر بلاد اسلام سے الگ کرکے تاریکیٔ خیالات میں ڈال دیتا۔ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوا۔ اور اب تو مسلمانوں کی آزادی کچھ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ چین نے غیر قوموں سے نفرت رکھنے کی پالیسی بدل دی ہے۔

ولید ابن عبدالملک کے زمانے میں جو عربوں کے نہایت عروج کا زمانہ تھا جب ایک طرف طارق نے اسپین فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو خراسان کے حاکم قطبہ بن مسلم نے دریائے جیحوں عبور کرکے سمرقند و بخارا وغیرہ فتح کئے اور مسلمانوں کی فوج سرحد چین تک پہنچ گئی۔ خاقان نے ایلچیوں کو ایک رقم کثیر دے کر خلیفۂ اسلام کی بزرگی تسلیم کی اور پھر نہ خاقان چین کو مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت ہوئی اور نہ مسلمانوں نے اتنی دور حکومت کرنے کی خواہش کی۔ مصالحت کی صورت قائم رہی اور دعوت اسلام کے لئے راستہ کھلا رہا۔ پہلی مسجد شانسی میں ۷۴۲ء میں بنی۔

علاوہ ان مسلمانوں کے جنکی تعداد دعوت اسلام کی بدولت اور مسلمان تاجروں کی فیض صحبت سے بڑھتی رہی۔ چنگیز خاں کے زمانے میں بھی مسلمانوں کی آبادی بڑھ جانے کا ایک

سبب پیدا ہو گیا۔ چنگیز خاں کے تخت و تاراج سے بڑے بڑے امراء جس طرح کہ ممالک وسط ایشیا سے ہندوستان میں آکر پناہ گزین ہوئے اسی طرح بہت سے مسلمان چین میں جاکر آباد ہو گئے اور مسلمانان چین کی آبادی میں دفعتاً ترقی ہو گئی۔

صوبجات کانسو اور شانسی دونوں قریب ہی قریب ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں کانسو میں بھی اسلام پھیلا۔ صوبہ کانسو کے فرماں روا خاں سپٹوک کے مسلمان ہونے پر اسلام نے یہاں زور پکڑا۔

مغلیہ خاقانوں کے وقت میں عبد الرحمن ۱۲۴۷ء میں چین کے شاہی خزانے کا افسر تھا سید اجل بخاری ۱۲۵۹ء میں خزانہ شاہی کا وزیر تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاقان چین کی طرف سے مسلمانان چین کو عہدہ ہائے جلیلہ ملتے رہے۔ مثل اور قوموں کے مسلمان بھی وہاں سلطنت کے ایک رکن سمجھے جاتے ہیں۔ مفتوحہ قوم کی حالت میں نہیں ہیں اسلامی سلطنتوں کے زور گھٹنے پر مسلمانان چین کی حالت پولیٹکل میدان میں کسی قدر گھٹ گئی لیکن اب بھی بہت غنیمت ہے۔ مسلمانان چین کو بھی انتظام سلطنت میں عام رعایا کی طرح حصہ لینے کا حق ہے چین کے اصلی باشندوں میں مذہبی تعصب کم ہے اس لئے دعوت اسلام میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔ اب بھی دعاۃ اسلام واعظوں کی حیثیت سے اپنا کام کرتے ہیں۔

بحر الکاہل اور بحر ہند کے بیچ میں چین اور برہما کے دکھن آسٹریلیا کے قریب تک جو سیکڑوں جزیرے چھوٹے بڑے قریب قریب واقع ہیں ان کے مجموعہ کو مجمع الجزائر کہتے ہیں ان جزائر میں بھی مسلمانوں کی آبادی بہت دنوں سے ہے جس طرح سیلون کی راہ سے عرب کینٹن صوبہ چین میں تجارت کی غرض سے پہنچے اسی طرح اور اسی زمانے میں تجارت کے ذریعہ سے دعاۃ اسلام کا مجمع الجزائر میں آنا قیاس کیا جاتا ہے لیکن زمانہ معین نہیں کیا جا سکتا تاریخیں اس بارے میں صاف نہیں ہیں مجمع الجزائر کے مسلمان باعتبار مسلمانان چین کے زیادہ

بر منتشر ہیں۔ یہ لوگ بکثرت حج کرتے ہیں اور ان حاجیوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کے مذہبی دستور میں فرق نہیں پڑتا۔ یورپین مورخ حج کے فرض کی ماہیت اس ترقی کو دیکھ کر سمجھتے ہیں اور مسائل اسلام کے نکات پر متحیر ہوتے ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجر ملک چین میں پہنچے اور آٹھویں صدی کے وسط تک چین میں بکثرت نظر آنے لگے۔ اس کے بعد ان تاجروں کی حالت روز بروز بڑھتی گئی دسویں صدی سے پندرھویں صدی تک مشرقی ملکوں کی تجارت پر عرب پورے طور پر قابض رہے۔ چین کی بعض تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ آخر ساتویں صدی عیسوی میں سماٹرا میں عربوں کی بستی قائم ہوگئی تھی۔ یہ تو ابتدائی حالت ہے اس کے بعد جب ہندوستان میں مسلمان پہنچے تو ہندی مسلمانوں نے بھی سماٹرا میں آنا شروع کیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب ابن بطوطہ نے اس جزیرے میں قدم رکھا تو مذہب اسلام کو اس نے بہت بارونق پایا وسط تیرہ صدی میں یہاں کا فرماں روا بھی بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہوگیا۔ یہاں کے ایک بادشاہ کا نام ملک الصالح تھا ۱۳۲۶ء میں جزیرہ سماٹرا کے شہر سمدرا کا بادشاہ ملک طاہر بن ملک صالح تھا۔ ابن بطوطہ نے اسکی تزک شان، تشرع اور شجاعت کا تذکرہ کیا ہے اسی زمانے میں شریف مکہ نے بھی دعوت اسلام کے لئے ایک سیاح شیخ اسماعیل کو یہاں بھیجا تھا۔

جاوا میں بہ نسبت اور جزائر کے اسلام پیچھے پہنچا لیکن اب جاوا کے مسلمان چند وجوہ سے سب سے اچھی حالت میں ہیں۔ حاجی پردا۔ مولانا ابراہیم۔ راذن رحمت، مولانا اسحاق۔ شیخ خلیفہ حسین، شیخ نورالدین ابراہیم یہ لوگ دعاۃ اسلام میں زیادہ نامی گرامی ہیں۔

فصل نمبر ۴

اخلاقِ محمدیؐ

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ نوع انسانی کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ عام طور پر مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کا خُلق لاثانی تھا۔ اور اس لئے جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ حسن اخلاق کا مقتضا یوں ہے تو مسلمان کہتے ہیں کہ اخلاقِ محمدی کا مقتضا یوں ہے۔ گویا ان کے نزدیک حسن اخلاق کا سب سے اچھا نمونہ خلق محمدیؐ ہے ہم اس موقع پر اخلاق محمدی کی چند مثالیں کتب احادیث سے منتخب کر کے مندرج کرتے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اخلاق میں آنحضرتؐ کس پایہ کے انسان تھے۔

پہلے کچھ مختصر تاریخی واقعات احادیث کے جمع ہونے کی بابت مندرج کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین سمجھیں کہ حدیث کیا شے ہے۔ قرآن ایک مجموعۂ قانون اسلامی ہے۔ جس کو آنحضرتؐ کے وقت میں تمام مسلمانوں نے حفظ کیا تھا اور بعد آپ کی وفات کے وہ کتاب کی صورت میں مدوّن کر لیا گیا۔ آج تک حافظوں کا سلسلہ یکے بعد دیگرے مسلمانوں میں چلا آرہا ہے اور نقل کے ذریعہ سے وہ کتابت کے سلسلہ میں بھی اب تک

قائم ہے تمام روئے زمین کے مسلمان اس کی صحت میں باہم متفق ہیں اور ایک لفظ کا بھی اختلاف کہیں سے بھی نہیں پایا جاتا۔ بعد قرآن کے کتب احادیث کا درجہ ہے۔ وفات پیغمبرؐ سے بہت دنوں کے بعد قرآن کے معنی سمجھنے کے لئے۔ نیز بہت سے ملکی اور اخلاقی معاملات میں پیغمبر کی رائیں اور ان کے اقوال دریافت کرنے کے لئے ضرورت داعی ہوئی کہ آنحضرتؐ کے اقوال بھی جمع کئے جائیں اور اقوال نبی جو نبیؐ کے ساتھیوں نے بیان کئے تھے وہ بھی یکجا کر دیئے جائیں۔ اس طرح سے صحابۂ رسولؐ کی روایتیں بالواسطہ اور بلاواسطہ جمع کی گئیں۔ اس کے جمع کرنے میں تواتر کا خیال رہا اور راویوں کی چھان بین ہوئی۔ اسماء الرجال کا ایک علم ہی اس غرض کے لئے قائم ہوا۔ عربوں کی قوت حافظہ غیر معمولی طور پر مضبوط تھی۔ جس کو تمام غیر قوم کے مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں اس لئے اس کام میں ان کو بہت دقت اٹھانا نہ پڑی اس طرح جو کتابیں حدیث کی قائم ہوئیں وہ گویا تاریخی حالات کی کتابیں ہیں اور ان کی صحت کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس مہذب زمانے میں بھی اس اہتمام سے واقعات قلم بند نہیں کئے جاتے۔ لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کے نزدیک قرآن کی طرح خواہ مخواہ تمام حدیثوں کا صحیح مان لینا جزو ایمان نہیں ہے اور نہ فی الواقع وہ سب کی سب اس پایہ کی ہیں۔ للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے صحاح ستہ کی اکثر حدیثیں اکثر مسلمانوں کے نزدیک صحیح بھی سمجھی جاتی ہیں گو چند امور زمانۂ مابعد میں ایسے پیدا ہوئے جو بعض حدیثوں کے مشتبہ ہونے کا خیال پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ امور ان معاملات سے بالکل جدا ہیں جو محض اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور اس لئے احادیث نبویؐ جہاں تک ان کو اخلاق سے تعلق ہے مسلمانوں کے نزدیک اور ان تمام دیگر قوموں کے نزدیک جو اسلام کی ابتدائی تاریخ سے واقف ہیں ذرا مشتبہ نہیں ہیں۔

انسان اپنے سے کمزور کے مقابلہ میں ہمیشہ بدتہذیب رہا ہے اور رہے گا گزشتہ زمانے میں غلام کی حالت سب سے کمزور تھی اور اس لئے نیک سے نیک شخص بھی غلاموں کے مقابلہ میں ظالم تھا۔ لیکن آنحضرتؐ اس کلیہ سے مستثنیٰ تھے وہ اپنے غلام کے مقابلہ میں

اس درجہ مہذب تھے کہ کوئی دوسرا اپنی اولاد کے مقابلہ میں اس درجہ مہذب نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ جس غلام کو آزاد کرتے تھے وہ آزاد ہو جانے پر بھی آپؐ کی خدمت سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ آنحضرت کے غلام تھے۔ ان کا قول ہے کہ "میں نے دس برس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپ نے کبھی میرے کاموں پر اف بھی نہیں کیا حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور کیوں نہ کیا" حضرت انسؓ ایک دوسرے موقع پر کہتے ہیں کہ "رسولؐ اللہ کے عادات سب سے اچھے تھے۔ ایک روز آپؐ نے مجھے کسی کام سے بھیجا۔ میں نے کہا واللہ میں نہ جاؤں گا۔ مگر دل میں جانا منظور تھا اس کے بعد میں گھر سے نکلا اور بازار میں جہاں چند لڑکے کھیل رہے تھے جاکر کھڑا ہو گیا آنحضرتؐ بھی وہاں پہنچ گئے اور پیچھے سے میری گردن پکڑ لی۔ میں نے منہ پھیر کر دیکھا تو آپ نے ہنس کر فرمایا اے انس میں نے جہاں بھیجا تھا وہاں گیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ اب جاتا ہوں" احادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا۔ غیر کو نہ اپنی بی بی کو نہ اپنے خادم کو۔ اللہ کی راہ میں جہاد البتہ کیا" آنحضرتؐ خود ہی کمزوروں پر مہربان نہیں رہتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی تاکید کرتے تھے کہ وہ زیر دستوں پر سختی نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب خادم کھانا پکا کر لائے تو چونکہ دھواں اور گرمی اس نے سہی ہے اس لئے اس کو بھی اپنے ساتھ کھلانا چاہیئے۔ اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی اس کو دیدینا چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو اپنے بے قصور لونڈی غلام پر تہمت لگائے گا قیامت میں اس کو کوڑے لگیں گے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے غلام کو بے قصور حد یا طمانچہ مارے تو اسے آزاد کردے یہی اس کا کفارہ ہے"

ابومسعودؓ نے فرمایا "میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی" اے ابا مسعود جس قدر تجھ کو اس غلام پر اختیار ہے اللہ تعالےٰ اس سے کہیں زیادہ تجھ پر اختیار رکھتا ہے" میں نے جو پھر کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں نے اس غلام کو خدا کے واسطے آزاد کیا" آپ نے فرمایا" خبردار اگر تو آزاد نہ کرتا تو تجھے آگ میں جلنا پڑتا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (خدا کے بندوں پر) آسانی کرو سختی نہ کرو تسلّی دو۔ نفرت نہ دلاؤ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰؓ اور معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرما دیا "نرمی کرنا سختی نہ کرنا۔ تسلّی دینا۔ نفرت نہ دلانا اور آپس میں متفق رہنا اختلاف نہ کرنا"

آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال پر بہت مہربان تھے اور انگریزی مقولہ ہے کہ "نیک کام گھر سے شروع ہوتا ہے" ٹھیک ٹھیک آپ اس کا نمونہ دکھاتے تھے۔ انسؓ فرماتے ہیں آپ کے صاحبزادے ابراہیم مدینہ طیبہ کے ایک گاؤں میں پرورش پاتے تھے آپ ان کے دیکھنے کو تشریف لے جاتے تھے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ابراہیم کے رضاعی باپ حدّادی کرتے تھے دھوئیں سے ان کا گھر بھرا رہتا تھا اور آپ اس گھر میں تشریف لے جاتے تھے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ جب آپ گھر میں تشریف لے جاتے تھے تو گھر والوں کی خدمت میں مشغول ہو جاتے تھے اور پھر نماز کے وقت باہر تشریف لے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو بندوں پر مہربانی نہیں کرتا۔ خدا بھی اس پر مہربانی نہیں فرماتا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں گاؤں کا ایک شخص آیا۔ اس نے (آپؐ کو بچوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھ کر) عرض کیا" آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو کبھی نہیں چومتے" آپ نے فرمایا" کیا میں اس بات کا مالک ہوں کہ اللہ تعالےٰ کو تیرے

دل سے مہربانی نکال لے نہ دوں "۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک فقیرن دو لڑکیاں لئے ہوئے آئی اور سوال کیا اس وقت میرے پاس ایک خرمے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی خرما اسے دیدیا۔ اس نے اس کو دو ٹکڑے کرکے دونوں لڑکیوں کو دیا اور آپ کچھ نہ کھایا اور چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ: جس کو خدا لڑکیاں دے اور وہ ان کے ساتھ سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی بچانے والی ہو جائیں گی "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ اور میں قیامت میں یوں آؤں گا اور آپ نے اپنی انگلیاں ملائیں "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یتیم کی خبر گیری کرنے والا وہ یتیم اپنا ہو یا پرایا جنت میں یوں ہوگا "۔ یہ فرما کر آپ نے اپنی شہادت کی اور بیچ کی انگلی کا اشارہ کیا اور ان دونوں میں کچھ کشادگی رکھی "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سفر عذاب کا ٹکڑا ہے۔ کیونکہ معمولی سونے کھانے پینے سب میں فتور ڈال دیتا ہے۔ تو جو اپنے سفر کی حاجت سے فارغ ہو جائے وہ اپنے بال بچوں میں جلد آملے "۔

جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو شہر کے باہر ہی گھر کے بچے آپ سے ملائے جاتے۔ ایک بار آپ سفر سے تشریف لئے آتے تھے کہ پہلے لوگوں نے مجھے آپ تک پہنچایا۔ آپ نے مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر لوگ فاطمہؓ کے کسی صاحبزادے (امام حسنؓ یا امام حسینؓ) کو لائے تو آپ نے اپنے پیچھے بٹھایا پھر تو مدینہ میں ایک سواری پر ہم تین لوگ داخل ہوئے حضرت انسؓ اور ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر سے آئے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ اسی سواری پر ام المومنین بی بی صفیہؓ آپ کے پیچھے تھیں "۔

آنحضرتؐ غیروں کے ساتھ بھی بہت نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے حتیٰ کہ جاہلوں کی جہالت سے بھی آپ کے برتاؤ میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ انسؓ فرماتے ہیں "ایک روز میں رسول اللہؐ کے ساتھ کہیں جاتا تھا۔ آپ ایک کنارہ دار چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک دیہاتی نے آپ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ اس کی طرف کھنچ گئے اور میں نے دیکھا کہ گردن میں خراش پڑ گئے تھے۔ اس دیہاتی نے کہا "محمدؐ اللہ کے مال سے کچھ مجھے بھی دو" آپ اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے اور کچھ دلوا دیا" حدیثوں میں مذکور ہے "رسول اللہؐ سے کبھی کوئی چیز ایسی نہیں کہ مانگی گئی اور آپ نے "نہیں" فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ حنین سے واپس آتے تھے کہ دیہاتی سائل آپ کو چمٹ گئے اور آپؐ ہٹتے ہٹتے ببول کے درخت کے پاس پہنچے۔ آپ کی چادر کانٹوں میں الجھ گئی تو آپ ٹھہر گئے اور فرمایا "میری چادر مجھے دیدو۔ اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے برابر بھی گائے بکری اونٹ وغیرہ ہوتے تو میں تم لوگوں کو ضرور دے ڈالتا اور تم مجھے بخیل، جھوٹا اور دو بولا نہ پاتے۔ آنحضرتؐ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی بات بھی نہایت توجہ اور اطمینان سے سنتے تھے۔ مدینہ میں کسی کی ایک لونڈی تھی۔ عرض حال کرنے کو آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی"۔

آنحضرتؐ میں قناعت بہت تھی۔ حرص دنیا چھو بھی نہیں گئی تھی اس کے متعلق آپؐ کے بہت سے مقولے حدیثوں میں ہیں۔ منجملہ ان کے چند یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے آگے ایسی ناچیز ہیں جیسے کوئی شخص اپنی انگلی کو دریا میں غوطہ دے پھر خود ہی دیکھے کہ وہ انگلی دریا سے کیا لے کر آئی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام میں گزرے وہاں ایک بکری کا بچہ چھوٹے کان والا مرا ہوا پڑا تھا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر صحابہؓ سے پوچھا۔ اس کو ایک درم

ہیں خرید نا کسی کو پسند ہے " سب نے عرض کیا اس کو تو کسی چیز کے بھی بدلے لینا پسند نہیں ہے " آپ نے فرمایا خدا کی قسم جسقدر یہ مردار تمہارے نزدیک ذلیل و خوار ہے خدا کے نزدیک دنیا اس سے کہیں زیادہ ذلیل و خوار ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " دنیا مسلمانوں کے لئے قید خانہ ہے اور کافروں کے لئے جنت ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " خدا کی قسم مجھ کو تم لوگوں کے فقیر ہو جانے کا کچھ ڈر نہیں ہے بلکہ ڈر یہ ہے کہ تم پر بھی تمہارے اگلوں کی طرح دنیا پھیلائی جائے گی اور تم بھی ان کی طرح اس پر جھک پڑو گے اور پھر جیسا اس دنیا نے ان کو تباہ کیا ہے ویسا ہی تم کو بھی تباہ کر چھوڑے گی "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے " الہٰی محمدؐ کی آل کو بقدر قوت اور کفاف روزی دے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جو مسلمان ہوا اور اس نے بقدر گزران روزی پائی اور خدا نے اس کو جس قدر دیا ہے اس پر اس کو قناعت بھی دیدی بس وہی کامیاب ہوا "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " لوگ کہتے ہیں میرا مال - میرا مال - حالانکہ صرف تین قسم کے مال ان کے ہیں ایک وہ جسے کھا کر ختم کر دیا - دوسرا وہ جسے پہن کر پرانا کر دیا اور تیسرا وہ جو کسی کو دیدیا اور ذخیرہ آخرت بنایا - ان تینوں اقسام کے سوا جتنا مال ہے بندہ اس کو دوسرے دن کے لئے چھوڑ جانے والا ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا " تم لوگوں میں ایسا کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو " صحابہؓ نے عرض کیا ہم سب کو وارثوں کے مال سے اپنا مال زیادہ پیارا ہے " آپ نے فرمایا بندے کا مال تو وہی ہے جسے اس نے ذخیرہ آخرت کیا باقی جس قدر وہ چھوڑ مرا اس کے وارث کا مال ہے "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو انگری اور آسودگی مال و اسباب کی کثرت سے نہیں ہوتی تو انگری دل کی تو انگری ہے"۔

آج کل کے مسلمانوں میں ایک نہایت ہی برا دستور یہ ہے کہ اپنے یگانوں کے ساتھ سلوک کرنا باعث حسنات نہیں سمجھتے۔ کچھ تو اس لئے کہ وہ اپنی جہالت سے غیر ہی کو دینا اچھا سمجھتے ہیں اور کچھ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ غیروں کو دینا زائد تر ناموری کا باعث ہوگا اس کے برعکس آنحضرتؐ نے ہمیشہ لوگوں کو سمجھایا کہ اپنوں کے ساتھ نیکی کرنا زیادہ اچھا ہے۔

کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ سلوک کرنے کے لائق سب سے زیادہ کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ تیری ماں"۔ اس نے پھر کہا پھر کون؟ فرمایا" تیری ماں" اس نے پھر کہا کون؟ فرمایا تیری ماں"۔ اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا" تیرا باپ اور اس کے بعد ناتے والے جس قدر زیادہ قریب ہوں اسی قدر ان کے ساتھ زیادہ سلوک کرنا چاہیئے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس کی ناک خاک آلود ہو۔ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ اس کی ناک خاک آلود ہو"۔ لوگوں نے عرض کیا" یا رسول اللہ کس کی"؟ فرمایا" اس شخص کی جو اپنی ماں اور باپ دونوں یا ایک کے بڑھاپے کا زمانہ پائے پھر بھی بہشت میں نہ جائے"۔

ابوبکرؓ کی بیٹی اسماؓ نے کہا (قریش کی صلح کے زمانے میں) میری ماں آئیں اور وہ مشرکہ تھیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ میری ماں آئی ہیں اور وہ اسلام سے بیزار ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ بھی سلوک کروں"۔ فرمایا ہاں انکے ساتھ بھی سلوک کرو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے"۔ لوگوں نے پوچھا" کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے"۔ فرمایا" ہاں جب کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ بھی اس کے ماں باپ کو گالی دے گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نیکیوں میں بہت اچھی نیکی یہ ہے کہ

آدمی اپنے باپ کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ احسان کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو منظور ہو کہ اس کی روزی میں برکت ہو اور عمر بھی دراز ہو اسے چاہیئے کہ اپنے ناتے والوں کے ساتھ سلوک کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رحم - رحمٰن سے نکالا گیا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا" اے رحم جو تجھ کو ملائے گا (یعنی ناتے داروں کے حقوق ادا کرے گا) میں بھی اس کو اپنے ساتھ ملاؤں گا - اور جو تجھے چھوڑے گا (یعنی ناتے والوں کا حق نہ ادا کرے گا) میں بھی اسے چھوڑ دوں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ناتا توڑنے والا بہشت میں نہ جائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بدلہ لینے والا ملنے والا نہیں ہے - ملنے والا وہ ہے جسکے قرابت مندوں نے اسے چھوڑ دیا ہو اور وہ ان کے ساتھ سلوک اور احسان کئے جائے۔"

ایک شخص نے عرض کیا" یا رسول اللہ میرے قرابت مند ایسے ہیں کہ میں تو ان سے ملتا ہوں اور وہ مجھے چھوڑنے جاتے ہیں - میں ان کے ساتھ سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں - میں درگزر کرتا ہوں اور وہ خواہ مخواہ زیادتی کرتے ہیں - آپ نے فرمایا" اگر ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو گویا تو ان پر خاک ڈالتا ہے اور جب تک تو اس پر قائم رہے گا تجھ پر اللہ کی نگہبانی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب خدا کسی کو مال عطا کرے تو وہ پہلے اپنے اور اپنے گھر والوں کے کام میں خرچ کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خدا نے تمہارے بھائیوں کو تمہارا ماتحت کیا ہے - تمہیں ان کو بھی اپنی ہی طرح کھانا کپڑا دینا چاہیئے اور طاقت سے زیادہ کام

ان سے نہ لینا چاہیئے۔ بھاری کام ہو تو خود بھی مدد کر دینا چاہیئے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کے گنہگار ہو جانے کو یہی بہت ہے کہ جس کا کھانا اس کے ذمہ ہے اس کو نہ دے"۔

آنحضرتؐ اپنی زبان سے کبھی کسی کو برا نہیں کہتے تھے اور لوگوں کو تعلیم بھی ایسی ہی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مجھے اپنے دو کلّوں اور اپنے پاؤں کے درمیان کی چیزوں کی . . . ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدمی کبھی ایسی بات کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ راضی ہو جاتا ہے اور اس کے درجے بلند فرماتا ہے۔ اور بندے کو اس کہنے کی شان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور کبھی بندہ ایسی بات بول اٹھتا ہے جس سے خدا ناراض ہو جاتا ہے اور بندہ دوزخی ہو جاتا ہے اور بندے کو اس بات کے کہنے میں کچھ کھٹکا بھی نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے اور مار ڈالنا کفر ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہوتا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی کسی کو فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے اس لئے کہ اگر (جس کو تہمت لگائی گئی) وہ شخص فاسق یا کافر نہ ہوگا تو یہ سخت بات (فسق یا کفر) کہنے والے ہی پر واپس آئے گی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو شخص جب آپس میں سخت کلامی کرتے ہیں تو جب تک مظلوم کی سخت کلامی بڑھ نہیں جاتی تب تک دونوں کا گناہ

سخت کلامی شروع کرنے والے پر ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگ قیامت میں اس شخص کو نہایت ہی بدتر پاؤ گے جو دنیا میں ہر ایک کے سامنے اسی کی سی باتیں بنایا کرتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم کسی تعریف کرنے والے کو دیکھو تو اس کے منہ میں خاک ڈالو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "تم لوگ جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا "اللہ اور رسولؐ خوب جانتا ہے۔" فرمایا "اپنے بھائی کا ذکر غائبانہ اس طرح پر کرنا کہ وہ سنے تو اس کا دل دکھے۔ یہی غیبت ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "اگر وہ بات میرے بھائی میں ہو تب؟" فرمایا "جب ہی تو غیبت ہے نہ ہو تو بہتان ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری سب امت آرام وچین سے ہے۔ سوا اس کے جو کھلے بند گناہ کرتی ہے اور یہ بڑی بے پروائی کی بات ہے کہ انسان نے رات کو کوئی برا کام کیا اور خدا نے اس کو چھپا دیا۔ مگر وہ خود صبح کو اپنے یاروں سے کہنے لگا کہ رات کو میں نے یہ کیا وہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے تو رات کے گناہ کی پردہ پوشی کی اور اس نے صبح ہوتے ہی گویا اللہ کا پردہ فاش کر دیا۔"

آنحضرتؐ کوشش کرتے تھے کہ تمام انسان برابر ہو جائیں ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی ترجیح نہ رہے۔ آپ پسند نہ کرتے تھے کہ موقع اور ضرورت سے زیادہ کوئی اپنے آپ کو بڑھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک شخص حاضر ہوا اور وہ آپ کو بہترین خلق کہہ کر کلام کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "بہترین خلق ہونا کچھ ابراہیمؑ ہی کی شان تھی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری تعریف میں ایسا نہ بڑھ جاؤ جیسا نصاریٰ عیسیٰؑ کی تعریف میں بڑھ گئے ہیں۔ میں تو خدا کا غلام ہوں۔ بس مجھے اللہ کا غلام اور اللہ کا رسول (ایلچی قاصد) ہی کہا کرو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اللہ تعالےٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ تم اس قدر عاجزی اور فروتنی کرو کہ کسی کو کسی پر شیخی باقی نہ رہے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔"

آنحضرتؐ میں حلم، شرم، حیا انکسار اور متانت بہت تھی۔ حدیثوں میں ہے کہ کبھی آپؐ بے حیائی کی بات نہیں بولتے تھے نہ غیبت کرتے تھے اور نہ کسی کو گالی دیتے تھے۔ غصّہ کی حالت میں صرف اتنا فرماتے تھے " اس کو کیا ہوا ہے۔ اس کی پیشانی خاک آلودہو"۔ ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا " یا رسول اللہؐ آپ مشرکوں کے لئے بد دعا کیجئے" آپ نے فرمایا۔ میں اس کام کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میں رحمت کے لئے ہوں" احادیث میں مذکور ہے کہ " نبی صلی اللہ علیہ وسلم نئی دلہن سے بھی زیادہ شرمگیں تھے آپؐ جب کوئی چیز ناپسند کرتے تھے تو کچھ بولتے نہ تھے۔ صحابہ آپ کے تیور سے پہچان لیتے تھے"۔ ہنسنے کا طریقہ آپ کا نہایت محمود تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کا منہ کھل گیا ہو اور حلق نظر آیا ہو۔ ہنسی کے وقت آپ مسکرایا کرتے تھے"۔ حضرت عائشہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ہم لوگوں کی طرح جلدی جلدی باتیں نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ کی باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ کوئی ان کو گننا چاہتا تو گن لیتا تھا" مذکور ہے کہ " آنحضرتؐ کو جب کسی دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ آسان ہی کام اختیار فرماتے تھے۔ گناہ کا کام ہوتا تو سب سے زیادہ دور رہتے تھے آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا۔ مجرم خدا کی سزا ضرور دی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا " مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔"

آپ نے فرمایا" غصہ نہ کر" پھر اس نے کئی بار یہی بات کہی۔ آپ برابر فرمایا کئے۔ " غصہ نہ کر"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پہلوان وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو سنبھالے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسکے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا۔ وہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ اور جس کے دل میں رائی برابر بھی شیخی ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا" شیخی کا مضمون لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا تو کسی نے عرض کیا" آدمی اچھے کپڑے اچھے جوتے کو پسند ہی کرتا ہے" آپ نے فرمایا" یہ نہیں اللہ خود اچھا ہے اور اچھائی کو پسند فرماتا ہے" شیخی یہ ہے کہ حق بات نہ مانے اور خدا کے بندے کو حقیر جانے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت میں اللہ تعالےٰ تین قسم کے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا اور ان کی طرف نگاہ کرم نہ فرمائے گا۔ نہ انکو گناہ سے پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (۱) بڈھا زناکار (۲) بادشاہ جھوٹا۔ (۳) غریب مغرور"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کوئی مسلمان نہ کسی مسلمان پر ظلم کرے نہ رسوا کرے نہ ناچیز جانے"

آپ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا" پرہیز گاری یہاں ہے" پھر آپ نے تین بار فرمایا" انسان کے برے ہونے کو اسی قدر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ اس کو ناچیز جانے۔ مسلمان کی سب چیزیں جان مال اور آبرو سب مسلمانوں پر حرام ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلتے تک مسجد سے نہیں اٹھتے تھے۔ جب آفتاب نکل آتا تو باہر تشریف لے جاتے تھے (اس درمیان میں) صحابہؓ جاہلیت

کے وقت کی باتیں بیان کرکے ہنستے تھے اور آپ مسکرایا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کو پڑوسیوں کا بہت کچھ خیال رہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم مومن نہیں ہوا۔ خدا کی قسم مومن نہیں ہوا۔ خدا کی قسم مومن نہیں ہوا" لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہؐ کون؟" فرمایا۔ وہ شخص جس کے پڑوسی اس کے شر سے نہ بچیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جبرئیل پڑوسی کے بارے میں اس قدر حکم کرتے تھے کہ میں سمجھا کہ عنقریب پڑوسی کو بھی وارث بنائیں گے"

آنحضرتؐ کھانے کا بہت ادب کرتے تھے اور یہ ایک طور پر نعمت الٰہی کی، شکرگزاری تھی۔ آپ بسم اللہ کہہ کر کھاتے تھے۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ آپ کپڑے کا دسترخوان بچھا کر کھانا کھاتے تھے۔ گوشت میں آنحضرتؐ کو کدو کی ترکاری بہت پسند تھی۔ غذا آپ کی سادہ ہوتی تھی اور آپ پھل زیادہ کھاتے تھے۔ لہسن پیاز کو آپ نے حرام نہیں ٹھہرایا۔ لیکن اس کی بدبو کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کو جسم کی صفائی اور کپڑوں کی صفائی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ منہ صاف کرنے کے لئے دن میں کئی مرتبہ مسواک کرتے تھے اور بالوں میں شانہ کرتے تھے اور تیل لگاتے تھے۔ مہمان نوازی آنحضرتؐ کو مرغوب تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا۔ اس کو اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔ اور جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور جو کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اچھی ہی بات بولے یا چپ رہے۔ اور ایک روایت میں پڑوسی کے جملہ کے بدلے میں یہ ہے۔

"جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان لایا ہو اس کو اپنے قرابت داروں کے

ساتھ ملا رہنا چاہیے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اس کو اپنے مہمان کا اعزاز کرنا چاہیے۔ ایک رات دن تکلف کے ساتھ مہمان نوازی کرے۔ اور مہمانی تین دن ہے۔ اس کے بعد صدقہ ہے اور مہمان کو اس قدر ٹھہرنا کہ میزبان تنگ ہو جائے حلال نہیں ہے"۔

آنحضرتؐ بہت زائد تحمل اور صائب الرائے تھے۔ جبابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے نیچے کملی رکھے ہوئے کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مشرکوں سے بہت کچھ ایذا اور تکلیف پائی تھی۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کفار پر بد دعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے۔ اگلے لوگوں میں ایسے ایسے لوگ گزرے ہیں کہ بے دین لوگ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کرتے تھے اور اس کے سر پر آرا چلا کر اس کو دو ٹکڑے کر ڈالتے تھے۔ لیکن اس قدر تکلیف بھی اس بندہ کو دین سے پھیرتی نہ تھی۔ اور کسی پر لوہے کی کنگھی اس سختی سے کھینچتے تھے کہ وہ اس کے گوشت کو طے کر کے پٹھے اور ہڈی تک پہنچتی تھی۔ مگر یہ سختی اس کو دین سے پھیرتی نہ تھی۔ واللہ یہ دین ایسا کامل ہونے والا ہے کہ سوار صنعا سے حضرموت تک اس امن و امان سے چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا یا اپنی بکریوں کے لئے وہ بھیڑیوں سے ڈرے گا۔ مگر افسوس کہ تم لوگ جلدی کرتے ہو۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ آنحضرت کے دل میں اصلاح قوم کا خیال پیدا ہوا تھا اور لوگ آنحضرتؐ کی باتیں مانتے نہ تھے اور برا بھلا کہتے تھے۔ جو کام اٹھایا گیا تھا اس کا نتیجہ آپؐ سمجھتے تھے اور ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اس کے بعد جس قدر عربوں نے ترقی کی اور ترقی کے ساتھ تمام ملک میں امن و امان پھیلا یا سب پر روشن ہے۔

فصل نمبر ۵

تمدّن اور حسنِ معاشرت پر نصوص قرآنی

تمدن اور حسن معاشرت پر جتنی آیتیں قرآن میں ہیں ان سب کو ایک جگہ لکھتے ہیں۔ غیر مذہب والے بغور پڑھیں اور سمجھیں کہ قرآن نے کیسی کیسی مفید باتیں تعلیم کی ہیں مسلمان غور کریں کہ وہ کہاں تک اس کے پابند ہیں۔

"ہم نے بنی اسرائیل سے پکا قول لیا تھا کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ ماں، باپ رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کرتے رہیں۔ لوگوں سے اچھی طرح بات کریں، نماز پڑھیں اور زکواۃ دیں۔ پھر تم میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا سب منحرف ہو گئے۔ تم بے پرواہو۔[1] سورہ بقرہ رکوع ۱۰۔

---

[1] واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احساناً وذی القربی والیتمی والمسکین وقولوا للناس حسناً واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم الا قلیلاً منکم وانتم معرضون۔

"یہی نیکی نہیں ہے کہ نماز میں تم اپنا منہ پورب یا پچھم کر لو۔ بلکہ اصلی نیکی ان کی ہے جو اللہ۔ روزِ آخرت، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اللہ کی محبت میں اپنے مال رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دیتے ہیں اور لوگوں کی گردنیں چھڑاتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب کسی بات کا اقرار کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں۔ سختی میں تکلیف میں اور خوف کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی اسلام میں سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں[1]" سورہ بقر رکوع ۲۲۔

"خدا کی راہ میں خرچ کرو اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کرو کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[2]" سورہ بقر رکوع ۲۴۔

"مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو۔ جو اپنا مال دوسروں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا[3]" سورہ بقر رکوع ۳۶۔

"اگر خیرات ظاہر میں دو تو بھی اچھا ہے۔ اور چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے لئے اور بھی اچھا ہے۔ ایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور اللہ کو

---

[1] لیس البرّان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب ولکنّ البرّ من امن باللہ والیوم الآخر والملئکۃ و الکتب والنبین واتی المال علیٰ حُبّہٖ ذوی القربیٰ والیتمی والمسکین وابن السبیل والسایلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعہدہم اذا عاہدوا والصبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولیک الذین صدقوا واولیک ہم المتقون ۔

[2] وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین ۔

[3] یایہا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر ۔

تمہارے اعمال کی خبر ہے[1]۔ سورۂ بقرہ رکوع ۳۷۔

"جس خدا کا تم واسطہ دے کر اپنے کتنے کام نکال لیتے ہو اس کا اور رشتوں کا پاس ملحوظ رکھو۔ خدا تم پر نگراں ہے"[2] سورۂ نساء رکوع ۱۔

"اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ، اقربا، یتیموں، محتاجوں، قرابت والے پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، پاس کے بیٹھنے والوں، مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ ان کو دوست نہیں رکھتا جو اتراتے اور بڑائی مارتے پھرتے ہیں، بخل کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ہماری نعمتوں سے جو ناشکری کرتے ہیں ان کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور نیز ان لوگوں کے لئے جو اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر۔ شیطان جس کا ساتھی ہو وہ بہت ہی برا ساتھی ہے"[3]۔ سورۂ نساء رکوع ۶۔

"مسلمانو! اللہ کا حکم مانو۔ رسولؐ کا حکم مانو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں ان کا بھی حکم مانو۔ اگر کسی وجہ سے تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی بہت اچھا ہوگا"[4] سورۂ نساء رکوع ۸۔

---

[1] ان تبدوا الصدقت فنعما ہی وان تخفوہا و تؤتوہا الفقراء فہو خیر لکم و یکفر عنکم من سیاتکم واللہ بما تعملون خبیر۔

[2] واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا۔

[3] اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا و بالوالدین احسانا و بذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل و یکتمون ما اتٰہم اللہ من فضلہ واعتدنا للکٰفرین عذابا مہینا والذین ینفقون اموالہم رئاء الناس ولا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ومن یکن الشیطٰن لہ قرینا فساء قرینا۔

[4] یایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی (باقی ۱۴۶ پر)

پھلوں کو جب وہ پھلیں تو کھاؤ اور کاٹنے اور توڑنے کے دن خدا کا حق (زکوٰۃ) ادا کرو لیکن فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا ہے[1] سورۂ انعام رکوع ۱۷۔

جان رکھو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد بکھیڑے ہیں اور خدا ہی کے پاس اجر عظیم ہے[2] سورۂ انفال رکوع ۳۔

مسلمانو! بہت سے عالم اور مشائخ دوسروں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں۔ پیغمبر تو ان لوگوں کو جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دے[3] سورہ توبہ رکوع ۵۔

پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ سوا اس کے کسی کی پرستش نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر والدین یا ان میں سے ایک تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کے سامنے کبھی اف نہ کرنا اور نہ ان کو کبھی جھڑکنا۔ اور ادب کے ساتھ بات کرنا اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے خاکساری کا پہلو لئے ہوئے رہنا۔ اور دعا کرنا کہ اے پروردگار جس طرح انھوں نے مجھ پر رحم کر کے چھوٹے سے بڑا کیا اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر[4] سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳۔

(پچھلے صفحہ کا باقی) اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلاً۔

[1] کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔

[2] واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہ اجر عظیم۔

[3] یا ایہا الذین امنوا ان کثیراً من الاحبار والرہبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔

[4] وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً اما یبلغن عندک الکبر احدہما او کلاہما فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما قولاً کریماً واخفض لہما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما ربینی صغیراً۔

" رشتہ دار، غریب اور مسافر کے حقوق دیتے رہو اور دولت کو بیجا نہ اڑاؤ۔ دولت کے بیجا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔ اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہے ان سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو۔ اپنا ہاتھ اتنا سکوڑو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل اس کو پھیلا ہی دو کہ تم تہی دست ہو کر لوگوں کی ملامت سننے بیٹھو۔ اے پیغمبر تیرا رب جسے چاہتا ہے اس کی روزی فراخ کرتا ہے اور مقرر کرتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اور باخبر ہے [۱] سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳۔

" افلاس کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو اور تم کو روزی دیں گے۔ ان کا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے [۲] سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

زنا کے پاس نہ پھٹکنا یہ بے حیائی ہے اور برا چلن ہے [۳] سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا [۴] سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر اس صورت میں کہ تمہارا جانا یتیم کے لئے بہتر ہو [۵] سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

---

[۱] وات ذا القربی حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربہ کفوراً واما تعرضن عنہم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوہا فقل لہم قولاً میسوراً ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسوراً۔ ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ کان بعبادہ خبیراً بصیراً۔

[۲] ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأ کبیراً۔

[۳] ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً۔

[۴] ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ۔

[۵] ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ہی احسن حتی یبلغ اشدہ

"عہد پورا کیا کرو۔ کیونکہ قیامت میں عہد کی باز پرس ہوگی[۱]" سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

"اور جب ناپ تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو اور تولو تو ڈنڈی سیدھی رکھ کے تولو۔[۲]" سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو۔ کان۔ آنکھ۔ ۔ ۔ اور دل ان سب سے پرسش (قیامت میں) ہوگی[۳]" سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین پھاڑ سکے گا اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ سکے گا[۴]" سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴۔

اندھے، لنگڑے، بیمار اور خود تمہارے لئے کچھ حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے اپنے ماں باپ کے گھروں سے اپنے بھائی بہنوں کے گھروں سے۔ اپنے اعمام یا عمات کے گھروں سے یا اپنے ماموں اور خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے پاس ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کچھ کھاؤ۔ اور اس میں بھی کچھ گناہ نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ جب گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو۔ سلام خدا کی طرف سے ایک عمدہ برکت والی دعائے خیر ہے۔ خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم سمجھو[۵]" سورۂ نور۔ رکوع ۸۔

---

[۱] واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولاً۔

[۲] واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم۔

[۳] ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولیک کان عنہ مسئولاً۔

[۴] ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً۔

[۵] لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلو من بیوتکم او بیوت ابائکم او بیوت امہتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخوتکم او بیوت اعمامکم او بیوت امتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خلتکم او ماملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتاً فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علی انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبرکۃ طیبۃ کذلک یبین اللہ لکم الایت لعلکم تعقلون۔ (حاشیہ کا نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن وہ اگر درپے ہوں کہ تو کسی کو میرا شریک سمجھے۔ جس کے لئے تیرے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ مان تم سب کو ہمارے پاس آنا ہو گا اس وقت میں تم کو تمہارے عمل سمجھا دوں گا۔[1] سورۂ عنکبوت رکوع ۲

ماں جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر انسان کو پیٹ میں رکھتی ہے۔ اور دو برس کے بعد دودھ چھڑاتی ہے اس لئے والدین کے حق میں ہمارا یہ حکم ہے کہ تم میرے شکر کے ساتھ اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو۔[2] سورہ لقمان۔ رکوع ۲۔

(پچھلے صفحہ کے حاشیہ کا نوٹ) (بقیہ)۔۔۔۔

لوگوں میں ارتباط و اتحاد پیدا ہونے کا بڑا عمدہ ذریعہ کھانا ہے اور اس آیت کا مقصود اصلی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس ذریعہ سے باہمی اتحاد بڑھائیں اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے ایک دوسرے کے ہاں کھانے میں مضائقہ کرتے ہیں کہ کہیں لالچی اور بدنیت نہ سمجھے جائیں اور بعض لوگ مثلاً لنگ وغیرہ معذوری کی وجہ سے کنارہ کش رہتے ہیں کہ حقیر نہ سمجھے جائیں۔ لیکن اگر یہ دستور زیادہ کثرت سے جاری ہوا کہ ایک نے دوسرے کے ہاں کھالیا تو کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں میں یکدلی اور اتفاق پیدا کرنے کی عمدہ تدبیر ہے اور ما ملکتم مفاتحہ کا ایک محل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اکثر رشتہ داروں میں سے کوئی شخص کہیں مہمان چلا جاتا ہے تو قریب کے رشتہ دار کو جس پر اس کا اعتبار ہے گھر کی کنجیاں دے جاتا ہے اور معنیٰ یہ ایک طرح کی اجازت ہے کہ تمہیں کوئی ضرورت ہو تو گھر سے لے لینا لیکن یہ کنجی رکھنے والے خود اپنی طبیعت سے اجنبیت برتتے ہیں ورنہ اگر صاحب خانہ کی غیبت میں کوئی ضرورت کی چیز لے لیں تو وہ آکر خوش ہو کر دنیا میں نفسا نفسی پھیل گئی ہے نہ کوئی کسی کے ساتھ ایسی سخاوت کرنا چاہتا اور نہ معاوضہ کے ڈر سے کوئی ایسی سخاوت سے فائدہ اٹھاتا مگر اسلامی اخوت کو ترقی دینے کی ایک تدبیر خدا نے بتادی ہے (ایک مفسر)

[1] و وصینا الانسان بوالدیہ حسناً و ان جاہدک لتشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما الی مرجعکم فانبئکم بما کنتم تعملون۔

[2] و وصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وہنا علی وہن و فصلہ فی عامین ان اشکرلی و لوالدیک۔

ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ کس مشکل سے ماں پیٹ میں انسان کو رکھتی ہے اور کس مشکل سے اس کو جنتی ہے۔ حمل اور دودھ پلانے کے ایام کم سے کم ڈھائی سال ہوتے ہیں۔ جب آدمی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس پورے کئے تو وہ اللہ سے کہتا ہے کہ خدا مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور ایسے نیک عمل کروں کہ تو راضی ہو اور میری اولاد پہ نیک بختی پیدا کر۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبردار بندوں میں ہوں [۱] سورۂ احقاف رکوع ۱۔

مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان میں صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے [۲] سورۂ حجرات رکوع ۱۔

مسلمانو۔ کوئی مرد کسی دوسرے مرد پر نہ ہنسے۔ ممکن ہے کہ ہنسنے والے سے وہ بہتر ہو جس پر ہنسا جاتا ہے۔ اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے۔ ممکن ہے کہ ہنسنے والی عورت سے وہ بہتر ہو جو ہنسی جاتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دے اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرے مسلمان ہونے کے بعد بد تہذیبی کا نام ہی بُرا ہے اور ان حرکتوں سے جو باز نہیں آتے وہ ظالم ہیں [۳] سورۂ حجرات رکوع ۱۔

مسلمانو بہت شک کرنے سے بچتے رہو۔ کیونکہ بعض شک گناہ ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک کو دوسرا برا کہے۔ کیا کوئی تم سے گوارا کرے گا کہ اپنے

---

[۱] ووصینا الانسان بوالدیہ احسانًا حملتہ امہ کرہًا ووضعتہ کرہًا وحملہ وفصلہ ثلثون شہرًا حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحًا ترضہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

[۲] انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔

[۳] یایہا الذین آمنوا لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرًا منہم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرًا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ہم الظالمون۔

مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو ہرگز گوارا نہ کرے گا[۱] سورۂ حجرات رکوع ۱۔

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ تمہاری ذاتیں اور گوتیں اس لئے ٹھہرا دیں کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکے۔ لیکن تم میں شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے[۲] سورۂ حجرات رکوع ۱۔

بے شک خیرات کرنے والوں (مرد ہوں یا عورت) اور قرض حسنہ دینے والوں کو دونا ادا کر دیا جائے گا اور ان کو بڑا اجر ملے گا[۳] سورہ الحدید۔ رکوع ۱۔

جان رکھو کھیل تماشہ ظاہری طمطراق۔ ایک کا دوسرے پر فخر کرنا اور ایک کا دوسرے سے بڑھ کر مال اور اولاد کا چاہنا بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کی مثل ایسی ہے جیسے مینہ کہ اس سے کفار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں کرتے ہیں۔ پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے۔ تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ گئی ہے۔ پھر آخر کار روندن میں آ جاتی ہے۔ آخرت میں عذاب سخت اور خدا کی طرف سے معافی اور خوشنودی ہے دنیا کی زندگی نری دھوکے کی ٹٹی ہے[۴] سورۂ الحدید رکوع ۲۔

میرا جی چاہا کہ ان آیات قرآنی کی توضیح کروں اور لوگوں کی موجودہ عادت سے بحث

---

[۱] یاایہا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولاتجسسوا ولایغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرہتموہ۔

[۲] یاایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبایل لتعارفوا ان اکرمکم۔

[۳] ان المصدقین والمصدقت واقرضوا اللہ قرضاً حسناً یضعف لہم ولہم اجر کریم۔

[۴] اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولہو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یہیج فترہ مصفرا ثم یکون حطاماً وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

کر دوں کہ کہاں تک وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ میں نے دخل دیا تو اثر جاتا رہے گا۔ آیات قرآنی کا ترجمہ محاورہ میں کر دیا گیا ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ ہر ایک خود ہی پڑھے اور غور کرے تو اچھا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ باپ دادا کیا کرتے آئے صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس قرآن کو ہم چومتے چاٹتے ہیں جز و ایمان سمجھتے ہیں وہ ہم کو کیا سکھاتا ہے۔ قرآن گویا کسوٹی ہے۔ ہر ایک اپنے دستور کو دیکھے کہ کھوٹا ہے یا کھرا ہے۔

فصل نمبر ۶

ماں باپ کی اطاعت

تمدنی حالات درست کرنے کے لئے ماں باپ کی خدمت اکسیر اعظم ہے اسلام اس بارے میں اپنی آپ نظیر ہے کسی زمانے میں مسلمانوں کو اپنی اس تہذیب پر ناز تھا۔ لیکن اب کوئی جانتا بھی نہیں کہ ماں باپ کے کیا حقوق لڑکوں پر ہیں۔ اگلے زمانے میں لوگ جسقدر اپنے ماں باپ کے دوست اور ہم سنوں کا ادب کرتے تھے اب اس کا عشر عشیر بھی ماں باپ کے مقابلہ میں ظاہر نہیں کیا جاتا جہاں سب خوبیاں مسلمانوں سے جاتی رہیں وہاں یہ ادب بھی جاتا رہا۔

آنحضرتؐ کے والدین آپ کے سن شعور کے قبل مر چکے تھے اور اس لئے آنحضرتؐ کو یہ موقع نہ ملا کہ اپنے طرز عمل سے دکھاتے کہ والدین کے ساتھ برتاؤ کیسا کرنا چاہیئے۔ لیکن قرآن نے ہم کو صاف بتا دیا ہے کہ بعد خدا اور رسول خداؐ کے والدین کا درجہ ہے۔ جا بجا اس کا ذکر ہے اور ہر جگہ خدا پر ایمان لانے کے بعد والدین کی اطاعت محکوم ہے اور اس کے بعد دیگر حسنات اور عبادات کا ذکر ہے (دیکھو تمدن اور حسن معاشرت پر نصوص قرآنی باب فصل ۵۔ کتاب ہذا) اس کے علاوہ کتب احادیث میں والدین کا بڑا احترام روا رکھا گیا ہے (چند حدیثیں" اخلاق محمدیؐ" باب اول فصل ۱۷، کتاب ہذا میں بھی درج ہیں) حتیٰ کہ والدین کے دوستوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ معنوی ماں

باپ یعنی رضاعی ماں باپ کے حقوق اور ان کے احترام بھی حدیثوں اور فقہ کی کتابوں میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں مسلمانوں کی انسانیت آپ اپنی نظیر ہے۔

پیغمبر خدا کے بعد مسلمانوں نے آیات قرآنی اور اقوال نبیؐ کے لحاظ سے جس درجہ اپنے والدین کے حقوق کا خیال رکھا اگر وہ تمام باتیں حکایت کے پیرائے میں ایک جگہ جمع کر دی جائیں تو ایک مستقل اور نہایت دلچسپ کتاب تیار ہو۔ بطور نمونہ کے ایک مشہور حکایت امام ابوحنیفہ کی ان کی سوانح عمری سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

"امام صاحبؒ کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی۔ لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں۔ امام کو ان کی خدمت گزاری کا پورا موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیساکہ عورتوں کا قاعدہ ہے وُعاظ اور قصاص کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں۔ کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے ان کے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتی تھیں کہ عمر بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کے لئے ان کے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے تو وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ امام فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے" اکثر ایسا ہوتا تھا کہ عمر کو مسئلہ کا جواب نہ آتا اور وہ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتا دیں میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں"۔ کبھی کبھی وہ اصرار کرتی تھیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی۔ خچر پر سوار ہوتی تھیں امام صاحب پیادہ پا ساتھ ہوتے تھے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں کہ تمہاری سند نہیں زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھ کو اعتبار آئے۔ امام صاحب ان کو لے کر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی۔ زرعہ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں آپ کیوں نہیں بتا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ میں نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ زرعہ نے کہا بالکل صحیح ہے۔ یہ سن کر ان کو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلا کر میر منشی مقرر

کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر درے لگوائے۔ اس وقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے میری والدہ کے دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔"

یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ ہند کے مسلمان جہاں اپنی تمام صفات بھولے وہاں والدین کا لحاظ کرنا بھی بھولے۔ ایک موقع پر ہمارے ایک ہندو دوست نے کہا کہ "مسلمانوں نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ والدین کا لحاظ نہ کرو۔ ورنہ ہمارے مذہب میں تو والدین کی پرستش ہوتی ہے"۔ اس وقت کسی مسلمان نے کہا کہ "بوڑھے باپ سے محض جائداد بٹوا لینے کا قانون ہندوؤں میں جاری ہے اور مسلمانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ باپ اگر تمام جائداد سے بلا کسی وجہ کے اپنے بیٹے کو محروم کردے تو بجز خاموشی اسے کوئی چارہ نہیں ہے"۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ تمام اخلاق حسنہ قوم کے یا خاندان کے معدوم ہو جاتے ہیں جب والدین کا احترام قومی شعار یا خاندانی دستور نہیں ہوتا۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا گویا انتظام عالم کی جڑ ہے یا خالق عالم کی منشاء کی پیروی ہے۔ اور وہ بات جو اس میں فرق ڈالے بری ہوگی۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو والدین کا ادب نہ کرے گا وہ دنیا میں کسی کا سچا دوست نہیں ہو سکتا۔ اپنے استدلال کے مقدمات مرتب کرنے کے قبل ہم ناظرین سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مشہور مقولہ کو از قسم علوم متعارفہ مان لیں کہ بغیر ادب کے محبت نہیں ہوتی۔ جب والدین کا دباؤ لڑکوں پر نہ ہوگا یا لڑکے والدین کا ادب کرنے کے خوگر نہ ہوں گے تو لڑکوں کے دلوں میں اتنی محبت والدین کی نہ ہوگی جتنی بلحاظ والدین کی محبت اور ان کے احسانات۔ ان کے لڑکوں کے دلوں میں ہونا چاہیئے۔ جب لڑکوں سے بے اعتنائی ظہور میں آئے گی تو والدین کی وہ محبت جو لڑکوں کی عمر بڑھنے کے ساتھ خود بخود گھٹتی جاتی ہے۔ جلد جلد گھٹنے لگے گی جب لڑکوں کو والدین کے ساتھ اور والدین کو لڑکوں کے ساتھ محبت نہ ہوئی تو اس کا اثر بھائیوں اور بہنوں کی محبت پر بھی ضرور پڑے گا۔ کیونکہ انکی محبت والدین کی

محبت کا ایک پرتو ہوتی ہے - جس نے اپنے والدین سے محبت نہ کی وہ والدین کی اولاد سے کیا خاک محبت کرے گا اور جب بھائیوں اور بہنوں میں محبت نہ ہوئی تو انکی اولاد میں بالکل ہی اجنبیت ہوگی - اسی طرح جس خاندان میں اس قدر قریبی رشتہ داریاں نظر انداز رہیں گی وہاں صلۂ ارحام کا پاس رکھنا ہرگز لازمۂ حمیّت نہ ہوگا - اور جس قوم میں صلۂ رحم کا خیال نہیں ہے اس سے ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت بھی نہ ہوگی اور حب الوطنی کی صفت تو قوم کی قوم میں عنقا ہوگی - یہ منطقی دلیلیں نہیں ہیں غور کیجئے تو از قسم بدیہات ہیں - دنیا میں جن کے ذریعہ سے ہم آئے یا جنکو ہم نے اول اول دنیا میں قدم رکھنے کے بعد دیکھا اگر ان سے ہم کو انس نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام چیزیں جو ان کے ذریعہ سے ہمارے سامنے پیش ہوتی ہیں بیگانہ معلوم ہوں گی - جس خاندان یا قوم کی یہ کیفیت ہوگی وہاں نفاق کا بھوت ہر دم سر پر سوار ہوگا اور کبھی ترقی کے میدان میں بڑھنے نہ دے گا -

خلاصہ یہ کہ والدین کی اطاعت صرف بمقتضائے شکر گزاری واجب نہیں ہے - بلکہ اس لئے بھی واجب ہے کہ بغیر اس کے انتظام عالم کا ڈھچر ڈھیلا ہوجاتا ہے اس لئے اسلام میں بعد خدا اور رسولؐ خدا کے والدین کا درجہ قائم کیا گیا ہے - اور یہ درجہ محض دکھانے کے لئے نہیں ہے - بلکہ اس کے متعلق احکام بھی ہیں اور ان احکام سے پورے طور پر ان مدارج کی نگہداشت ہوتی ہے -

ایک بات میرے ذہن میں ہے - جس کا لکھ ڈالنا میں مناسب سمجھتا ہوں - تمام دنیا پر روشن ہے کہ ہندوستان کے باشندے خلیق ہیں، ملنسار ہیں، محبتی ہیں - لیکن سچا خلق سچا انکسار، سچی ملنساری کے ساتھ قومی اتفاق ان میں نہیں ہے - یہ جانتے ہی نہیں کہ حب الوطنی کیا شے ہے تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے شخصی اغراض پر بڑے بڑے قومی حقوق کے تباہ کرنے میں یہ ہمیشہ دلیر رہے - ممکن ہے کہ اب نئی تعلیم نے اس خصوص میں کچھ ان کی اصلاح کی ہو - لیکن پچھلے حالات پڑھنے سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حب وطن جو اور قوموں

میں ہمیشہ اعلیٰ صفت سمجھی گئی ہے ہندوستان میں بالکل ہی معدوم تھی۔ یہاں کے قدیم باشندوں میں حب وطن کی بوتک نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کی صحبت نے مسلمانوں سے بھی یہ صفت فراموش کرادی۔ بہت سے مورخ خاصیت آب وہوا پر الزام رکھ کر الگ ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں کی آب وہوا میں کہولت لازم ہے۔ کہولت کے ساتھ مستعدی جاتی رہتی ہے اور مستعدی کے ساتھ حمیت اور حمیت کے ساتھ حب الوطنی بھی معدوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ توضیح صحیح ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا باعث بھی ہم قرین قیاس سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب شاستر میں بیٹوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ بوڑھے باپ سے اسکی مقبوضہ جائداد موروثی کا ایک جزو چھین لیں اور وہ راضی نہ ہو تو حاکم وقت کے ذریعہ سے بہ جبر بٹوالیں۔ تو اس وجہ سے ضرور والدین پر دباؤ لڑکوں کا رہتا تھا۔ اور اب بھی رہتا ہے۔ بوڑھے تجربہ کار باپ کو یہ حکم ہمیشہ نوجوان ناتجربہ کار بیٹوں کے مقابلہ میں کمزور رکھتا ہے اور اس کمزوری کے ساتھ وہ فطرتی محبت میں بھی ضرور کمزوری پیدا ہوتی ہے جو باپ کو بیٹے کے ساتھ یا بیٹے کو باپ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ اور پھر اس کمزوری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ رشتہ ناتے کا خیال نہیں رہتا۔ ہمسایہ اور ہموطن کا پاس جیسا چاہیئے نہیں ہوتا۔ گویا قومی اتفاق کا تخم شروع ہی سے مارا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں راماین تعلیم اخلاق کی ایک عمدہ کتاب ہے۔ منجملہ اور باتوں کے یہ امر بھی اس میں مذکور ہے کہ رام چندر جی کو ان کے باپ نے بن باس کا حکم دیا اور انھوں نے نہایت کشادہ پیشانی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے لڑکوں کو والدین کے احکام ماننے کا سبق دیا گیا ہے۔ رام چندر جی کے والد بادشاہ وقت تھے اور بادشاہ کے حکم کی تعمیل ایک طور پر لازمی تھی۔ کسی بے بس باپ کی حکم کی تعمیل اس کے لڑکے کی جانب سے دکھائی جاتی تو اس سے بھی زیادہ باثر ہوتی۔ ہم اپنے طور پر راماین کے ناصحانہ سبق کو اور بھی عمدگی سے بیان کریں تو کیسا؟ ہم کہتے ہیں کہ راماین میں یہ دکھایا گیا ہے کہ باپ کا دباؤ جب بیٹے مانتے ہیں تو تمام خاندان میں ایک فطری محبت نہایت اعلیٰ

درجہ پر جوش کر آتی ہے ۔ دسرتھ جی کا اشارہ پاکر فوراً رام چندر جی اگر اجودھیا کو نہ چھوڑ دیتے تو نہیں معلوم کیا کیا شگوفے کھلتے ۔ لیکن چپکے سے ان کا باپ کے حکم پر رضامند ہو جانا باپ کے دل میں الفت فرزندی کے جوش زن ہونے کا باعث ہوا ۔ ان کی جلا وطنی کے دن نہایت پیار اور محبت سے باپ گنتا رہا ۔ باپ کی خالص محبت دیکھ کر بھرت جی ولیعہد جدید کی سچی محبت میں بھی تحریک پیدا ہوئی اور انھوں نے نہایت ہی خلوص سے اپنے سوتیلے بھائی رام چندر جی کے سامنے تاج وتخت پیش کیا اور بڑے بھائی کا فرماں بردار ہو کر دنیا میں رہنا اس خلوص و محبت کے اعتبار سے جو خاندان کے اچھے برتاؤ سے قائم ہوا تھا ان کو مرجح معلوم ہوا ۔ خلاصہ یہ ہے کہ انتظام عالم کا مدار اس پر ہے کہ والدین کو اولاد سے محبت ہو اولاد کو والدین کا ادب ہو اور اس محبت اور ادب میں سچائی ہو اور سراپا خلوص ہو احکام اسلام اس سچائی اور خلوص میں بے انتہا مدد پہنچاتے ہیں ۔ مزید توضیح کے لئے آگے " شرکت خاندان " کی بھی فصل پڑھنا چاہیئے ۔

فصل نمبر ۷

صدقہ اور زکوٰۃ

مصالح عام

کل مخلوقات کی حاجتوں کو رفع کرنے کے لئے زمین بنائی گئی ہے۔ دوسرے حیوانات کی طرح انسان بھی اپنی تمام ضرورتوں کو زمین ہی کی پیداوار سے رفع کرتا ہے۔ لیکن انسان کیلئے جہاں سب زحمتیں ہیں (اور واضح رہے کہ یہ تمام زحمتیں عقل انسانی کی وجہ سے پیدا ہیں) وہاں یہ بھی ہے کہ محنت و مشقت کئے بغیر ان ضرورتوں کے رفع ہونے کے وسائل پیدا نہیں ہو سکتے۔ ان وسائل کے پیدا کرنے میں بالالتزام محنت کا صرف کرنا پیشہ کہلاتا ہے۔ کوئی کھیت بوتا ہے کوئی کھیت کاٹتا ہے۔ کوئی کپڑا بنتا ہے۔ کوئی جوتہ بناتا ہے۔ کوئی لکڑی ڈھوتا ہے۔ کوئی مکان بناتا ہے کوئی کپڑے دھوتا ہے کوئی کپڑے سیتا ہے۔ غرض کہ ہر فرد بشر کا کسی نہ کسی کام میں لگے رہنا انتظام عالم قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اگر تمام بنی نوع انسان بیکار بیٹھنا اپنی عادت ٹھہرا لیں تو کام دنیا کا رک جائے گا۔ اسی اصول پر مذہبی۔ اخلاقی تمدنی جماعتوں نے اس مسئلہ کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ کسب معاش کے لئے انسان کو کوئی نہ کوئی

پیشہ کرنا ضروری ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ دنیاوی کام کے لئے جتنے ضروری اعضاء ہم کو دیئے گئے ہیں ان میں سے اگر ایک بھی بیکار ہو جائے تو ہم کوئی ذریعہ کسب معاش کا قائم نہیں رکھ سکتے ۔ اندھے، لولے، لنگڑے، مخبوط ۔ بڈھے لڑکے ان سب میں وہ قوت کسب معاش کی نہیں ہوتی جو معمولاً تندرست جوانوں میں ہوتی ہے اس لئے اخلاقی جماعت نے ان بے چاروں کی ضرورتوں کا رفع کرنا ان لوگوں پر فرض کفایہ ٹھہرایا ہے جن کے کسی عضو کو فطرت نے بے کار نہیں کیا ہے ۔ اس غرض کے پورا کرنے کو صدقہ یا خیرات کہتے ہیں ۔ مفصلۂ بالا تحریر سے ہم کو یہ دکھلانا تھا کہ عقلاً خیرات لینے کے لئے اہل کون لوگ ہو سکتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی تمام قوتیں صحیح و سالم ہیں ان کو کوئی حق اس کا نہیں ہے کہ بلا کسی معاوضہ کے کوئی شے اپنے ابنائے جنس سے طلب کریں اور اس لئے نہایت خوار وہ لوگ ہیں جو ہٹے کٹے ہیں اور گداگری کو کسب معاش کے لئے ایک پیشہ سمجھتے ہیں ۔

ممکن ہے کہ ان کم ہمت اپاہجوں کا گروہ پہلے بھی ہو ۔ لیکن فی زمانہ ان کی بہت بڑی کثرت دیکھی جاتی ہے اور زیادہ تر معزز لوگوں کی نسلیں اس پیشہ کی عادی ہوتی جاتی ہیں ہندوؤں میں برہمن ۔ مسلمانوں میں ان کے متبرک مقامات کے لوگ یا بزرگان دین کی اولادیں زیادہ تر اسی حالت میں نظر آتی ہیں ۔ تھوڑے دنوں سے بعض بعض یورپین نے بھی ہند کے مختلف مقامات میں اس پیشہ کو شروع کر دیا ہے ۔ ہم بے تکلف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان حضرات کو گداگری کے طریقہ سے روپیہ طلب کرنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے ۔ اور صرف یہی نہیں ہے کہ وہ بلا حق ایک چیز مانگتے ہیں ۔ بلکہ وہ بسا اوقات دوسرے مستحقین کی حق تلفی کا باعث ہوتے ہیں یہ تو ہماری قطعی رائے ہے کہ ان کو بلا طلب دینا سخت غلطی ہے ۔ لیکن اس میں تامل ہے کہ اگر وہ مانگ پڑیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے ۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ گو سوال کرنا ان تندرست

سائلوں کو ضرور برا ہے ۔لیکن ہمارے لئے شکران نعمت کا یہی مقتضا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرورتمندوں کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ ہم ایسے شخص کو دیتے ہیں جس کو لینے کا حق نہیں ہے ۔

ہمارے سامنے جب کوئی اندھا یا لنگڑا آکر کھڑا ہوتا ہے تو زبان حال سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اللہ نے ہمارے اور تمہارے دونوں کے استعمال کے لئے زمین بنائی ہے ہم اپنی جسمانی ناقابلیت سے متمتع نہیں ہو سکتے اور بقدر ہماری کمی کے تمہارے تمتع میں افزائش ہوتی ہے ۔ اس لئے تم ضمناً ہمارے حق کے متصرف ہوئے ہم اس وقت نہایت بھوکے ہیں ۔ ایک چھوٹا سا حصہ تم ہمارے حق کا ادا کر دو تو مناسب ہے ۔فرض کیجئے کہ اس کے بعد ہی ایک دوسرا سائل عربوں ترکوں یا ایرانیوں کا بھیس بدلے ہوئے یا برہمن کے روپ میں نمودار ہوا اور جھوٹ سچ ادھر ادھر کی باتیں بنا کر دو چار روپے حاصل کئے اور چلتا بنا یہ بیچارہ اندھا ہنوز دہلیز کے کنارے لکڑی کے سہارے کھڑا ہوا ہے اور دل میں کہہ رہا ہے کہ دنیا میں اللہ نے سبھی کو اندھا بنایا ہے کسی کو آنکھ کا اور کسی کو عقل کا ۔

انسان کو اللہ جب پیٹ بھر کھانے کو دے تو اس پر یہ دیکھنا فرض ہے کہ اس کے پڑوس یا راہ گزر یا شہر میں وہ کون کون لوگ ہیں جن سے ذریعہ کسب معاش اللہ نے لے لیا ہے اور اغنیا کے امتحان کے لئے انھیں بے چارہ بنا کر چھوڑ دیا ہے ۔جب ایسے محتاجوں کا سامنا ہو تو ان کو ہرگز کبھی ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے ۔ اپنی حالت پر شکر گزاری چاہیئے اور یہ سوچنا چاہیئے کہ گھٹانا اور بڑھانا ہر وقت اللہ کے اختیار میں ہے (تعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر)

ہمارے نزدیک سب سے زیادہ جاہل ۔سب سے زیادہ غافل اور سب سے زیادہ بے عقل وہ شخص ہے جس کا دل انسان کو بے چارگی کی حالت میں دیکھ کر بھر نہیں آتا ۔ صدقہ دینے کے جو طریقے اس وقت جاری ہیں اس پر ہم ایک اجمالی بحث کرنا چاہتے ہیں ۔ بعض مقامات پر ہم نے دیکھا ہے کہ صدقہ دینے کے لئے ہفتہ میں ایک دن لوگ مقرر کرتے ہیں اور اس دن کے لئے صلائے عام مساکین کو دی جاتی ہے اندھے لولے لنگڑے گرد و نواح سے آکر صبح گیارہ بجے تک جمع ہو جاتے ہیں ۔ ان بے چاروں کو سائبان میں تو جگہ ملنے سے رہی ۔ دھوپ میں انکی تذلیل کی جاتی ہے ۔ جس

طرح تھیٹر میں انسان کو اچھی سے اچھی حالت میں دکھانے کے لئے انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح انسان کو بری سے بری حالت میں دیکھنے کے لئے یہ تماشہ گاہ بنائی جاتی ہے۔ ہم نے ایسے مجمع بارہا دیکھے۔ لیکن جب ہم نے دیکھا ایک خاص صدمہ ہمارے دل پر پہنچا۔ ہم ان طبیعتوں پر نہایت تعجب کرتے ہیں جن کو انسان کا بری حالت میں دیکھنا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ ہم نے کبھی بارہا تفحص کی نگاہ سے دیکھا کہ ان بیچاروں کو کیا کیا دیا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ہم نے مقدار خیرات کو جو فی کس دیجاتی ہے انسان کی ایک وقت کی خوراک کے سولہویں حصے سے زیادہ نہیں پایا ذی عقل اس طریقہ کو خالصتہً للّٰہ سمجھنے میں ضرور تامل کریگا۔

ایک عنایت فرما کے ساتھ ایک روز ہم کو شہر میں نکلنے کا اتفاق ہوا گزرگا ہوں میں جہاں جہاں بھی لنگڑے لولے اندھے نظر آئے ان کا ملازم گاڑی سے اتر کر کچھ پیسے ان بے چاروں کے ہاتھ پر رکھتا اور پھر چلتی ہوئی گاڑی پر سوار ہو لیتا تھا۔ راہ میں کئی بار ملازم کو چڑھتے اترتے دیکھ کر ہم نے اپنے عنایت فرما سے استفسار کیا کسی قدر اصرار کے بعد اس کریم النفس نے فرمایا کہ یہ بے چارے ہماری کمائی میں حق رکھتے ہیں جب ہم ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو ان کے حقوق ہمیں یاد آجاتے ہیں ہماری ہدایت کے موافق ہمارے ملازم ایسے موقعوں پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور رکھتے ہیں اور ہمارا اشارہ پاکر دے دیا کرتے ہیں۔ ہم ان بے فکروں کو دینا بالکل عبث سمجھتے ہیں جنکے دینے کا نتیجہ صرف اسی قدر ہے کہ چند سپید پوشوں کے سامنے ہماری کم فہمی کو وہ سخاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم نے کہا جزاک اللہ آپ کا طریقہ ضرور قابل تقلید ہے۔

ایک طریقہ ہم نے خیرات کا یہ بھی دیکھا ہے کہ اژدہام میں روپیہ پیسا پھینک کر لوٹنے کا تماشہ دیکھا جاتا ہے۔ اس لوٹ مار میں عموماً وہ لوگ شریک ہوتے ہیں جو خیرات لینے کے اہل نہیں ہوتے اس لوٹ میں اکثر آپس میں مار پیٹ بھی ہو جاتی ہے اور عموماً زبردست ہی کی جیت رہتی ہے اس طریقہ کی نسبت ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ جب جانوروں کا لڑانا قبیح سمجھا گیا ہے تو آدمیوں کا لڑانا کب مستحسن ہو سکتا ہے۔

بھائیو! روپیہ پیدا کرنے سے روپیہ کا موقع سے خرچ کرنا زیادہ مشکل ہے۔ دولت

انسان کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ دولت جب تک ہی ہماری ہے کہ ہم کو اس کے خرچ کرنے کی قوت حاصل ہے جب تمہارے خرچ سے روپیہ بچے تو تم اس کو سمجھو کہ وہ دوسروں کا حق ہے لیکن حقداروں کی تلاش میں کوشش کرو۔ پہلے اپنے عزیزوں میں دیکھو کہ کون کون محتاج ہے پھر اپنے پڑوسیوں اور شہر والوں اور ملاقاتیوں میں محتاجوں کی تلاش کرو یتیموں کو بھی حقدار سمجھو۔ مسافروں کے ساتھ بھی سلوک کرو لیکن وہ مسافر نہیں جو گداگری کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔

بعض مقامات پر تمام باشندوں کی اتفاق رائے سے جو محتاجوں کے حقوق کی پوری حفاظت کی جاتی ہے۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ ایک فنڈ میں حسب حیثیت جمع کرتا جاتا ہے اور فنڈ کے مہتمم ڈھونڈ ڈھونڈ کر مستحقوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ کیا مبارک وہ شہر ہے جہاں یہ دستور ہے۔ اور کیسے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو ان شہروں میں بستے ہیں۔ ناظرین ان شہروں سے واقف نہ ہوں گے کیونکہ ضعف اسلام کے ساتھ یہ شہر بھی معدوم ہو گئے ورنہ اسلام کے اچھے دنوں میں تمام بلاد اسلام میں ایسا ہی دستور تھا اور اس طرح کے چندہ کو اصطلاح شرع میں زکوٰۃ کہتے ہیں۔

زکوٰۃ

اسلام میں صدقہ دینے کا اتنا عمدہ طریقہ ہے کہ اس کی نظیر دنیا کے کسی گزشتہ یا موجودہ قوم میں نہیں ہے۔ وہ طریقہ ہے زکوٰۃ دینا۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا۔ اصلاح فقہ میں آمدنی کے ایک حصہ کا فقیروں میں تقسیم کر دینا زیادہ صحت کے ساتھ کہیے تو حولان حول کے بعد مال کا چالیسواں حصہ خیرات کرنا زکوٰۃ ہے۔ مشہور یوں ہے کہ مال مزکی ضائع نہیں ہوتا اس قول کی اکثریت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ایک کے مال پر دوسرا حریص ہوتا ہے۔ ایک کا تمول دوسرے کے رشک و حسد کا باعث ہوتا ہے دوسروں کے مال پر چوروں کے دندان طمع بھی تیز رہتے ہیں۔ دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ انسان اپنے مال سے کچھ کچھ دوسروں کو بھی دیتا رہے تو لوگوں کے رشک و حسد۔ طمع اور حرص میں خواہ مخواہ کمی ہو گی۔ جس کو نہ ملے گا اس کے دل میں کبھی دوسروں کی حاجت برآری دیکھ کر اچھے خیالات پیدا ہوں گے۔

زکوٰۃ کا مال مساکین کو دیا جاتا ہے پیٹ بھروں کے لئے یہ نہیں ہے۔ زیادہ تر اس کے . . .

مستحق وہ لوگ ہیں جو کسب معیشت سے معذور ہیں۔ اندھے، لنگڑے، لولے، کوڑھی جو کسب معاش نہیں کر سکتے۔ وہ گویا حقدار ہیں ان لوگوں کی کمائی میں جو اس طرح معذور نہیں ہیں۔ خدا نے زمین پیدا کی اور زمین کی ملکیت انسان کے سپرد کر دی۔ انسان کا کام ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین کی پیداوار سے اپنے حوائج رفع کرے۔ ملکی انتظام یا انتظام عالم کے قیام کے لئے قواعد بنے ہوئے ہیں انکی پابندی کے ساتھ ہر شخص کو زمین سے مستفید ہونے کا مساوی حق حاصل ہے۔ اب جو معذور ہیں بقدر ان کے غیر معذورین کے لئے ذرائع رزق نسبتاً زائد ہو گئے اور گویا غیر معذورین نے معذورین کے حق پر بھی تصرف کیا۔ مثلاً ایک گاؤں میں چار اشخاص پیشہ حدادی کرتے ہیں ان چاروں کی آمدنی چھ چھ روپے ماہوار کی ہے ایک ان میں اندھا ہو گیا تو لامحالہ گرد و نواح کے کام بجائے چار کے اب تین پر تقسیم ہوں گے اور ہر ایک کی آمدنی بجائے چھ کے آٹھ ہو جائے گی تو کیا اخلاقاً یہ مناسب نہیں ہے کہ جو دو روپے کا اضافہ اس اندھے کی وجہ سے دوسروں کو ہوا ہے اس میں برائے نام کچھ حصہ اندھے کا بھی مقرر کر دیا جائے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے اس کو بڑے پیمانے پر پھیلا کر دنیا کے انتظامات کو خیال کر لیجئے۔

اندھے، لولے، لنگڑے، کوڑھی اور شیخ فانی تو صریح معذور ہیں مسافر بھی معذور سمجھا جاتا ہے جب تک وہ سفر میں ہے۔ کسب معاش کے ذرائع اس کے لئے بہت کم ہیں۔ جو حضرات انقلاب زمانہ کی وجہ سے تنگ دست ہو گئے ہیں اور باوجود ہر طرح کی ذہانت اور محنت کے قرعہ قسمت ہر بار ان کے خلاف ہی پڑتا ہے وہ بھی جب تک مفلس ہیں معذور اور محتاج سمجھے جائیں گے اب ان معذورین کی پرورش گویا فرض کفایہ ہے ان لوگوں پر جو معذور اور محتاج نہیں ہیں۔ شرع اسلام نے اس فرض کفایہ پر لوگوں سے بجبر عمل کروانا حاکم وقت سے متعلق کر دیا ہے اور یہ فرض کفایہ اپنی نوعیت میں بھی ایسا ہی ہے کہ حاکم وقت کی وساطت سے اس پر عمل کیا جائے اسی لئے زکوٰۃ کا روپیہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع ہونا محکوم ہے اور بیت المال سے اس کا صرف ہونا مشروع ہے آجکل ہندوستان میں بیت المال کے نہ ہونے سے زکوٰۃ دینے والے مسلمان بہت کم ہیں اور جو دیتے بھی ہیں وہ علیحدہ علیحدہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں۔ نہ دینے سے یہ دینا کہیں اچھا ہے لیکن اگر شہر کے تمام زکوٰۃ دینے

والے مسلمان زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کر دیا کریں اور وہاں سے اکٹھا شہر کے تمام مساکین اور فقراء میں باقاعدہ تقسیم ہو تو بہت اچھا ہو۔ متفرق طور پر دینے سے کسی کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور کسی کو ضرورت سے بہت زیادہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ شرع میں کسی فقیر کو اس قدر دینا کہ وہ تونگر ہو جائے مکروہ ہے۔ جس کے پاس ایک دن کی غذا ہو اس کو سوال کرنا منع ہے زیارت گاہوں کے گداگر خیرات اور صدقہ کی وجہ سے بڑے متمول ہو جاتے ہیں۔ لیکن شرع محمدی نے اس طرف خیرات کے ٹکڑوں سے متمول ہونا جائز نہیں رکھا ہے۔

زکوٰۃ تو ایک لابدی صدقہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی شخص محتاجوں کو دیا کرے تو بڑا ثواب ہے۔ اس دینے کو ہر شخص کی مرضی اور خواہش پر چھوڑا گیا ہے۔ صدقہ کہتے ہیں اور ان صدقات میں صرف صدقہ یوم الفطر واجب ہے۔ یہ ایک خفیف مقدار غلہ کی ہے یعنی فی کس نصف صاع گیہوں ، (تقریباً دو سیر) اور وہ بھی صاحب نصاب پر واجب ہے ہر شخص کے لئے نہیں۔

بہرحال محتاجوں کا دینا زکوٰۃ کے پیرائے میں ہو یا صدقہ کے پیرائے میں ہو نہایت ہی ضروری امر ہے۔ انسانیت کا مقتضا یہی ہے اور خود غرضی کے اصول سے بھی یہی مناسب ہے۔ کیا معنی کہ جب تک تمام ہمسایہ یا شہر کے باشندے پیٹ بھر نہ کھائیں گے اغنیا کو آرام سے سونا نصیب نہ ہوگا۔ قحط کے زمانے میں محتاجوں کی کثرت جو بے لطفی اغنیا کے لئے پیدا کر دیتی ہے اس کا تجربہ ادھر کئی سال کے متواتر قحط سے بخوبی ہو گیا ہے۔ جا بجا سڑکوں پر اندھوں اور جذامیوں کی نمائش نہایت ہی دلخراش نظارہ ہوتی ہے۔

ہر مقام کے باشندے کچھ نہ کچھ خیرات یا صدقات دیتے ہیں اگر وہ اکٹھا جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کریں تو بہت کچھ حالت شہر کی سدھر جائے بے قاعدہ صدقہ دینے کی ہی یہ وجہ ہے کہ جا بجا بدنما حالت دکھائی دیتی ہے۔ شرع محمدی میں زکوٰۃ کے وصول کرنے اور اس کے باقاعدہ خرچ کرنے کے مصالح ایسے عمدہ اصول پر مبنی ہیں کہ اسکی مثال دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔

تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ مہاراجہ درگبجے سنگھ والی ریاست بلرام پور اودھ نے ایک

محتاج خانہ جزامیوں کے لئے بنوایا تھا۔ سیکڑوں جزامی اس میں رہتے تھے۔ مکان بہت صاف تھا۔ انتظام بہت عمدہ تھا۔ جزامیوں کے کھانے کپڑے کا اچھا بندوبست تھا۔ ہر موسم کے موافق غذا اور پوشش ملتی تھی۔ نہایت ہی آرام سے وہ رہتے تھے ایک دن ایک شخص نے مجھ سے مفصل کیفیت اس محتاج خانے کی بیان کی تو سن کر میرا جی بہت خوش ہوا۔ عرصہ سے میرا خیال تھا کہ شہر کے باشندوں کو چاہیئے کہ چندہ کر کے ایک ایسا ہی مکان شہر کے قریب معذورین کے لئے بنوا دیں اور جب تک وہاں کا خرچ پورا نہ ہوئے دوسرے ہر قسم کے خیرات و صدقات کو بند رکھیں۔ میں نے بہت تفصیل کے ساتھ تمام حالات سنے اور سن کر مجھے خیال آیا کہ مسلمانوں کے بیت المال سے بھی یوں ہی معذورین کی پرورش کا انتظام ہوتا ہے اور اسی وقت یہ بھی ذہن میں آیا کہ ان محتاجوں کی خبرگیری اور باہمی حسن معاشرت قائم رکھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی جو شرع نے زکوٰۃ کے پیرائے میں قائم کی ہے۔

خیرات کی دو صورتیں شرع میں ہیں ایک تو زکوٰۃ اور دوسرا صدقہ دونوں صورتوں میں محتاجوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن اول صورت فرض ہے اور دوسری مستحب۔ کیا معنی کہ ہر متمول پر مال کا چالیسواں حصہ الگ کر کے اس خزانے میں داخل کرنا جس سے معذورین کی پرورش گورنمنٹ کرائے فرض ہے۔ اسلامی گورنمنٹ کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ متمول لوگوں سے زکوٰۃ (چندہ) لے کر مساکین کی پرورش کے لئے فنڈ قائم رکھے۔ یہ فنڈ قحط فنڈ کا کام بھی دیتا ہے متمول مساکین اور معذورین کی بھی پرورش کرتا ہے اس کے علاوہ جو صاحب صدقہ دینا چاہیں تو ؎

درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

جتنا چاہیں وہ دیں لیکن اگر ان پر زکوٰۃ فرض ہے تو پہلے زکوٰۃ دے لیں اس کے بعد جہاں تک چاہیں خیرات کریں اس قدر توضیح کے بعد یہ مسئلہ شرع کا بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کل مال کے قریب زکوٰۃ کی نیت کئے بغیر خیرات کر دے جب بھی زکوٰۃ ان پر سے ساقط نہیں ہوتی زکوٰۃ کا فنڈ جدا ہے اور اس کے اغراض جدا ہیں ایک کو دوسرے سے ملانا نہیں چاہیئے۔

میں نے یہاں اصول سے بحث کی ہے اور زیادہ تر اس کتاب میں میرا یہی کام ہے - کسی کو مغالطہ نہ ہو - اس لئے کہ یہ کہنا بے موقع نہیں ہے کہ اس وقت اسلامی گورنمنٹ نہ ہونے سے زکوٰۃ کی فرضیت ساقط نہیں ہے - یہ تیسرا رکن اسلام کا ہے - اور اس کی پابندی بہت ضروری ہے - ہر شخص کو زکوٰۃ نکالنا اگر اس کی حیثیت اس پر زکوٰۃ واجب کرتی ہے ضروری ہے - زکوٰۃ کی طرف سے مسلمان بہت غافل ہیں اور یہ ان کی غلطی ہے - سال میں وہ بہت کچھ خیرات کرتے ہیں - لیکن زکوٰۃ کے نام سے نہیں دیتے - ؟ کیوں - کاہلی - کون حساب کرے اور تقسیم کرتا پھرے لوگ سوچتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے دردسر مول لینا بے کار بے سود کرنا ہے - ہندوؤں میں دیکھئے کہ ادنیٰ بنیا بھی سال ختم ہونے پر اپنا حساب درست کرتا ہے گزشتہ سال کی حالت خراب ہے تو آئندہ کے لئے وہ نصیحت پکڑتا ہے - اور اگر اچھی ہے تو اس کا دل بڑھتا ہے اور مسلمان امرا اس وقت تک حساب نہ جانچیں گے جب تک اندرونی خرابیاں لاعلاج نہ ہو جائیں - ایک یہ مصلحت بھی زکوٰۃ میں ہے کہ سال کا سال حساب پاک وصاف رہتا ہے -

اس وقت مہذب گورنمنٹوں میں انکم ٹیکس قائم ہے جو ایک طور پر زکوٰۃ کی طرح وصول کیا جاتا ہے - مثلاً جو انکم ٹیکس ہندوستان میں ہے وہ شروع شروع ۴۰ روپے میں ایک روپیہ لیا جاتا ہے لیکن آگے چل کر ۴۰ سے کچھ زیادہ لیا جاتا ہے اور زکوٰۃ کی یہ کیفیت ہے کہ جتنا ہی زائد مال ہو اتنا ہی کم لیا جاتا ہے - مثلاً ۴۰ بکری میں ایک بکری اور زائد بکریاں ہوں تو فی صد ایک بکری - انکم ٹیکس اور زکوٰۃ کا مقابلہ ایک طور پر اور ہونا چاہئے - انکم ٹیکس آمدنی پر لگایا جاتا ہے اور زکوٰۃ مال پر فرض ہوتی ہے - اگر مال تجارت میں نہ لگایا جائے جب بھی زکوٰۃ فرض ہوگی - بظاہر یہ سختی معلوم ہوتی ہے لیکن سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اس میں بے انتہا مصلحت ہے -

احکام شرعی محض احکام گورنمنٹ نہیں ہیں جو ملکی انتظام پر مبنی ہوتے ہیں - بلکہ ان میں بہبودی خلائق اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی ہوتی ہے - دیگر گورنمنٹ کے مجموعہ احکام صرف انتظام ملکی سے تعلق رکھتے ہیں اور مجموعہ احکام شرع محمدی دین - دنیا - اخلاق - تمدنی ، مالی تمام متعلقات انسانی

سے بحث کرتا ہے۔ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام باتیں سکھائیں جن پر عمل کرنے سے دنیا میں انسان کو سچی خوشی حاصل ہو سکتی ہے ان میں ایک کسب معاش بھی ہے جو تمام خوشیوں کی جڑ ہے۔ رزق تنگ ہے تو خوشی کوسوں دور ہے۔ پیٹ بھرا ہوا ہے تو اطمینان ہے کسب معاش کے لئے آنحضرتؐ نے دو طریقوں پر زیادہ زور دیا ہے۔ ایک حرفت دوسری تجارت۔ زمین سے چیزیں پیدا کرنے کے طریقے بھی حرفت میں داخل ہیں ان دونوں میں تجارت کو آنحضرتؐ نے مقدم رکھا ہے ایک حصہ حرفت میں تو نو حصے تجارت میں وقت صرف کرنا چاہیئے اس لئے نہیں کہ عرب میں کاشتکاری نہ تھی۔ بلکہ اس لئے کہ فی الواقع نفس کاشتکاری تجارت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ کاشتکاری تو ایک مصنوعی طریقہ ہند اور ایسے ہی مقامات میں پیدا کر لیا گیا ہے۔ ورنہ تمام ضروری چیزیں انسان کے لئے خود جا بجا پیدا ہیں۔ جانوروں کے بال۔ انکی کھال۔ انکے گوشت۔ مچھلیاں۔ میوہ جات۔ معدنیات ادویات یہ چیزیں جہاں ہیں بے مقدار ہیں اور جہاں نہیں ہیں وہاں بے انتہا ضرور ہیں ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا کہ دنیا کی تمام چیزیں بحصہ رسدی سب کے پاس پہنچ جائیں اسی کا نام تجارت ہے۔ تجارت سے بڑھ کر کوئی چیز بنی نوع انسان کے لئے کارآمد نہیں ہے اور نہ تجارت سے بڑھ کر کسی چیز میں نفع ہے۔ بغداد کی ایک نقل مشہور ہے کہ ایک بڑا تاجر مال تجارت لے کر چلا تو ایک بڑھیا سے مزاحاً کہنے لگا۔ بی تم کچھ روپیہ دو تو تجارت میں لگا دیا جائے بڑھیا نے کہا کہ نفع کس حساب سے ہوگا۔ تاجر نے کہا کہ ہر چھٹے مہینے سرمایا دوچند ہو جائے گا۔ بڑھیا نے ایک آنہ اسے ہنسی ہنسی دیدیا اور تاجر نے اسے جیب میں رکھ لیا۔ وہ تاجر بغداد سے یمن۔ یمن سے جاوا۔ جاوا سے چین۔ چین سے سیلون۔ سیلون سے خلیج فارس اور وہاں سے مصر اور شام۔ شام سے جبل الطارق غرض کہ تمام دنیا میں پھرتا پھراتا کوئی بارہ برس کے بعد واپس آیا۔ اور فی الواقع تجارت میں نفع اس کو اتنا ہوا کہ قریب قریب ہر چھٹے مہینے سرمایا دونا ہوتا رہا۔ ڈیڑھ چار ہزار کے سرمائے سے وہ نکلا تھا اور اب دولت اتنی لایا کہ خلیفہ بغداد نے بھی کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا۔ بڑھیا جو ملنے گئی تو تاجر نے دو چار ہزار اس کو احساناً دینا چاہا۔ بڑھیا نے کہا کہ حضرت

پانچ لاکھ دلوائیے ۔ ناظرین اس کو نہ سمجھیں گے اور نہ حساب لگانے کی تکلیف گوارا کریں گے اور اس طرح تجارت کے اندھا دھند منافع کے سمجھنے سے محروم رہیں گے اس لئے حساب سمجھا دیا جاتا ہے ۔ بارہ سال میں چوبیس ششماہیاں ہوئیں ۔ ایک آنہ چوبیس مرتبہ دونا کیجئے ۔

(۱)	۲/	(۷)	[illegible]	(۱۳)	[illegible]	(۱۹)	[illegible]
(۲)	۴/	(۸)	[illegible]	(۱۴)	[illegible]	(۲۰)	[illegible]
(۳)	۸/	(۹)	[illegible]	(۱۵)	[illegible]	(۲۱)	ایک لاکھ [illegible]
(۴)	[illegible]	(۱۰)	[illegible]	(۱۶)	[illegible]	(۲۲)	[illegible]
(۵)	[illegible]	(۱۱)	[illegible]	(۱۷)	[illegible]	(۲۳)	[illegible]
(۶)	[illegible]	(۱۲)	[illegible]	(۱۸)	[illegible]	(۲۴)	دس لاکھ [illegible]

لیجئے حساب سے ساڑھے دس لاکھ کے قریب ہوئے ۔ بڑھیا خوشی میں ایک ششماہی بھول گئی تھی ۔ وہ صرف پانچ لاکھ کا تقاضہ کرتی تھی ۔ دیکھیئے تجارت میں کیسا نفع ہے ۔ اگر محنت سے تجارت کی جائے تو سال میں سرمایا دوگنا ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے مستعدی سے تجارت کی جائے تو دولت کی انتہا نہ رہے گی ۔ ہندوستان میں تو مثال موجود ہے کہ انگلستان کے تاجروں نے ہندوستان کی سلطنت لے لی اب بتائیے کہ اس تجارت کی طرف جس شرع نے عملی طور پر انسان کو مجبور کیا ہو اس سے اچھی کوئی بھی شرع ہو سکتی ہے ۔ نہیں ۔ شرع محمدی نے سود حرام کیا ہے کہ سود پر کہ جس میں بہ نسبت تجارت کے نفع کم ہے اور سراسر کج خلقی پر مبنی ہے روپیہ نہ دیں ۔ پھر روپیہ پر زکوٰۃ لگادی کہ وہ گھر میں بھی نہ رہے ورنہ زکوٰۃ ہی دیتے دیتے غائب ہو جائے گا اس طرح لوگوں کو تجارت کرنے پر مجبور کیا ۔ آگے روک پیچھے ٹھونک ۔ گھوڑے کا جس طرح قدم نکالا جاتا ہے اسی طرح دنیا میں چلنے کا یہ راستہ شرع نے نکالا ہے ۔ مسلمان جب تک احکام شرع پر عمل کرتے تھے دنیا میں ان سے زیادہ متموّل کوئی قوم نہ تھی ۔ عربوں کی تجارت پیغمبرؐ خدا کے مقولات پر عمل کرنے سے دس صدی عیسوی تک اور اس کے بعد کے زمانے تک بھی ایسی تھی کہ پہلے کسی قوم کی نہ تھی اور نہ اب کسی قوم کے ہاتھ میں اس طرح تمام دنیا کی تجارت ہے

جیسی کہ عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہم نے شرع محمدیؐ کے احکام بے وجہ نظر انداز کر دیئے ہیں ورنہ اس کے اصول ہر حالت اور ہر قوم کے لئے مناسب ہیں۔ وہ اپنی برکتوں کے ساتھ ہر وقت ہم کو مدد دینے کے لئے تیار رہے۔ یہ ہماری نادانی ہے کہ ہم انھیں بے کار سمجھے ہوئے ہیں۔

احادیث نبویؐ

اسلامی ترقیوں کا سبب تھا اپنی آپ مدد کرنا اور اسلامی تربیت کا گر تھا حتی الوسع دوسروں کا احسان نہ لینا۔ مسلمان دولت پیدا کرنے پر ضرور حریص تھے لیکن اس کے ساتھ ہی طریقۂ جائز پر عمل کرتے تھے۔ اور خرچ کرنا بھی جانتے تھے۔ مسلمان گنج رکھتے تھے مگر مار گنج نہ تھے اور نہ حصول گنج کی فکر میں خود کو برباد کرتے تھے۔ آجکل ترقی یافتہ قوموں نے جتنی پسندیدہ باتیں پائی ہیں وہ سب مسلمانوں میں تھیں اور وہ سب آنحضرتؐ کے فیض صحبت سے تھیں اس لئے مناسب ہے کہ اس بارہ میں آنحضرتؐ کے چند اقوال بھی بیان کئے جائیں۔

صدقہ لینا اچھا نہیں ہے۔ لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ ہاں بغیر شرعی اجازت کے صدقہ کے لئے سوال کرنا ضرور حرام ہے۔ یہ احکام عام مسلمانوں کے لئے ہیں۔ لیکن پیغمبرؐ خدا نے اپنے اوپر صدقہ حرام کر رکھا تھا اور اپنے اہل بیت کو بھی صدقہ نہیں لینے دیتے تھے۔ اہل بیت میں بعض کے نزدیک بنو ہاشم بھی شامل ہیں اور اس لئے بنو ہاشم صدقہ لینے کے لئے ناقابل سمجھے جاتے ہیں۔ اس تخصیص کے اسباب بظاہر دو تھے ایک تو یہ کہ آنحضرتؐ صدقہ لیتے تو آپ کی ہدایتیں زکوٰۃ اور صدقات کے متعلق خود غرضی پر محمول سمجھی جاتیں اور دوسرے یہ کہ صدقہ کا لینا شان خودداری کے خلاف تھا اور نہ لینا بعض اوقات مساکین کیلئے ستم تھا۔ آنحضرتؐ نے خود کو الگ رکھا لیکن عوام کے لئے ممانعت نہیں کی۔ صریحاً ممانعت کرنا حرمت کی حد تک پہنچ جاتا اور یہ انتظام عالم کے خلاف ہوتا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حسنؓ ابن علیؓ نے ایک خرمہ صدقہ کا منہ میں رکھ لیا۔ آنحضرتؐ نے کہا "کخ کخ" یعنی تھوک دو اور ارشاد فرمایا "تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ صدقہ کھانے سے خیالات میں پستی اور ہمت میں کمی پیدا ہوتی ہے" آنحضرتؐ نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا ہے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہے محمدؐ اور اسکی آل اولاد کے لئے حلال نہیں ہے آنحضرتؐ کے پاس جب کوئی چیز کھانے کے

کے لائق کہیں سے آتی تھی تو آنحضرتؐ پوچھتے تھے" ہدیہ ہے یا صدقہ" اگر صدقہ ہوتا تھا تو صحابہ کو کھلا دیتے تھے خود نہ کھاتے تھے اور یہ ہدیہ ہوتا تھا تو خود بھی کھاتے تھے۔

ہدیہ اور صدقہ میں فرق کرنا ذرا مشکل ہے لیکن سمجھانے کے لئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ میں کسی قسم کے معاوضہ کی چشم داشت نہیں ہوتی۔ اور یہ ہدیہ میں ایک امید موہوم معاوضہ پانے کی ہوتی ہے جیسے حساب دوستان در دل کہتے ہیں۔ احادیث میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ دوسروں کا تحفہ قبول فرماتے تھے اور خود بھی تحفہ دیتے تھے۔ تحفہ اور ہدیہ ایک چیز ہے آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ یا تحفہ دینا اخوت اسلامی کے استحکام کا باعث ہوتا ہے اور اس لئے مثل صدقہ دینے کے یہ بھی باعث ثواب سمجھا جاتا ہے تحفہ اس شخص کو بھی دیتے ہیں جسے حاجت نہ ہو۔ لیکن صدقہ صرف محتاج کو دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کو کوئی چیز دی تو انھوں نے عذر کیا اور کہا کہ دوسروں کو مجھ سے زیادہ اس کی احتیاج ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اسے لے لو پھر تمہیں اختیار ہے اپنے پاس رکھنا یا صدقہ کر دینا۔ جب کوئی مال بے خواہش اور بے طلب ملے تو لے لینا چاہیئے۔ اور نہ ملے تو اس کی فکر بھی نہ کرنا چاہیئے"۔

صدقہ میں جب معاوضہ کی کوئی امید نہیں ہوتی تو دینے والا لینے والے کو محتاج سمجھتا ہے اور لینے والے کی توہین ہوتی ہے اگر مساکین کی دقت پر لحاظ نہ ہوتا تو یہ جائز نہ رکھا جاتا اسی لئے صدقہ لینا بدرجہ مجبوری روا رکھا گیا ہے اور سوائے چند صورتوں کے عام طور پر یہ سوال کرنا حرام قرار پایا ہے۔ گویا گدائی ایک شرعی جرم ہے لیکن ایسا جرم کہ اس کا مرتکب گنہگار ہو معین گنہگار نہ ہو یعنی مانگنے والا بدکار اور دینے والا نکوکار سمجھا جائے۔

قبیصہ سے روایت ہے کہ وہ کسی شخص کے ضامن تھے اور استمداد کے لئے آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ٹھہرو۔ زکوٰۃ کا مال آنے دو تو ملے گا اور اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ سوال کرنا صرف تین شخصوں کو حلال ہے"

۱۔ اس شخص کو جو کسی کے دین کا ضامن ہوا دائے دین تک سوال کرنا درست ہے۔

(۲) جس کسی کا مال تباہ ہو گیا ہو اس کو محض اپنی گزران کا سامان کرنے کے لئے سوال کرنا درست ہے۔

(۳) جس کسی کو فاقہ کی نوبت پہنچی ہو اور اس کی قوم کے تین ذی عقل اس کی فاقہ کشی پر گواہی دیں تو اس کو محض اپنی گزران کے سامان کے لئے سوال کرنا درست ہے۔

سوائے ان تین کے اور کسی کو سوال کرنا درست نہیں ہے۔ اگر وہ سوال کرتا ہے تو حرام کھاتا ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص مال جمع کرنے کے لئے سوال کرتا ہے وہ آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ اسے اختیار ہے کہ کم مانگے یا زیادہ۔ آنحضرتؐ نے کسی موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو شخص ہمیشہ سوال کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس ہئیت سے آئے گا کہ منہ پر ایک بوٹی گوشت بھی نہ ہو گا۔

اس وقت ہندوستان میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو گدائی اپنا پیشہ سمجھتے ہیں۔ مزدوری کسی قسم کی نہیں کرتے گدائی کا پیشہ آبائی سمجھ کر ناز کرتے ہیں۔ اور ایک طور پر خود کو مذہبی رہنما سمجھتے ہیں انھیں لوگوں کی شان میں آنحضرتؐ کا قول ہے کہ جو شخص مال جمع کرنے کے لئے مانگتا ہے۔ وہ آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ اور دوسرا مقولہ بھی آنحضرتؐ کا انھیں کی شان میں ہے کہ قیامت میں منہ پر ایک بوٹی گوشت بھی نہ ہو گا۔ اسلام میں گدائی کوئی جائز پیشہ نہیں ہے۔ ہماری پست ہمتی یہاں تک پہنچی ہے کہ ہر شخص جو محنت و مزدوری سے متنفر ہو کر بے حیائی اختیار کرتا ہے۔ ہم اس کو بجائے ذلیل سمجھنے کے معزز سمجھتے ہیں۔

بعض سائلوں میں یہ بھی خرابی ہے کہ وہ سوال ہی نہیں کرتے بلکہ اڑ جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دوسروں کو مجبور کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اور بھی ناپسندیدہ ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سوال کرنے میں ضد نہ کیا کرو۔ کوئی مجھ سے سوال کرے میں اس کے مانگنے سے بہ مجبوری اور بغیر خوشی کچھ دوں تو بخدا ایسا دینا باعث برکت نہ ہو گا۔" حکیم ابن حزام سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے کچھ مانگا۔ آنحضرتؐ نے کچھ دیا اس کے بعد پھر مانگا تو آنحضرتؐ نے پھر دیا لیکن اس مرتبہ فرمایا۔" حکیم سوال کرنے میں قناعت ملحوظ رہے تو برکت ہوتی ہے۔ لالچ میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ کھانا کھاتے جاؤ اور سیری نہ ہو۔ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔" حکیم کو تنبیہ

ہوئی اور انھوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم اب عمر بھر کسی سے نہ مانگونگا۔ اس حدیث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کی حاجت ہو جب بھی قناعت کرنا چاہیئے عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے سوال کرنے میں خودداری مدنظر رہے تو زائد ملتا ہے۔

دنیا میں دو ہی طریقے کسب معاش کے ہیں۔ محنت مزدوری سے حاصل کرنا یا گدائی کرنا۔ باپ دادا کا ترکہ پانے والے یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی تیسرا طریقہ کسب معاش کا ہے۔ جو دولت آج ان تک پہنچی ہے ان کے باپ دادا نے اس کے پیدا کرنے میں بڑی محنت کی تھی۔ محنت کبھی قومی ہوتی ہے اور کبھی شخصی۔ اگر کوئی قوم محنت کی عادی ہے تو قوم کی قوم متمول ہو جاتی ہے۔ اور پھر گئی گزری حالت میں بھی سیکڑوں برس تک قوم کا تمول قائم رہتا ہے بہر حال محنت میں بڑی برکت ہے جو شخص معیشت حاصل کرنے میں محنت کرتا ہے وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"جو شخص اپنی پیٹھ پر لکڑی کے گٹھے رسی میں باندھ کر لاتا ہے اور اس کو فروخت کرتا ہے تو اللہ اس کی آبرو قائم رکھتا ہے۔ اور وہ ان لوگوں سے کہیں اچھا ہے جو لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں۔ کہیں پاتے ہیں اور کہیں نہیں پاتے۔" آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو محنت و مزدوری کا سبق بہت اچھا دیا تھا۔ جس وقت ابتداء میں یہ سبق پڑھایا جاتا تھا لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ آنحضرتؐ فرماتے تھے۔ گھبراؤ نہیں جس راستہ پر میں تمکو چلاتا ہوں اگر تم اس پر چلو گے تو عنقریب وہ زمانہ ہے کہ تم میں ایک بھی مفلس باقی نہ رہے گا۔ آنحضرتؐ کا قول حدیثوں میں یوں منقول ہے۔" صدقہ دو۔ وہ زمانہ قریب ہے کہ صدقہ لئے ہوئے لوگ پھریں گے اور لینے والا نہ ہوگا۔ سب یہی کہیں گے کل لاتے تو لیتے آج تو ہم کو حاجت نہیں ہے۔"

صدقہ لینے کی توہین کرنا بھی ایک طور پر محنت مزدوری کی تاکید کرنا ہے۔ صدقہ لینے کو بار بار آنحضرتؐ نے حقیر ٹھہرایا ہے۔ مسجد نبویؐ کے ممبر پر بارہا اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ فرمایا "اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے اونچا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچا لینے والا ہے۔"

ایک مرتبہ بعض انصار نے آنحضرتؐ سے کچھ مانگا آپ نے دیا۔ پھر مانگا۔ پھر دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا خرچ ہو گیا تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میرے پاس جہاں تک ہوگا میں تم سے دریغ

نہ کروں گا۔ لیکن جو شخص سوال سے بچتا ہے خدا بھی اس کو بچائے رہتا ہے اور قناعت کرنے والوں کو خدا بے پرواکر دیتا ہے اور خدا اس کو فی الواقع بے پروا اور صابر کر دیتا ہے۔ جو بے پروا رہتا ہے اور صبر کی خواہش رکھتا ہے کوئی بخشش صبر سے بہتر اور فراخ تر کسی کو نہیں دی گئی ہے۔" اس سے یہ ظاہر ہی ہے کہ مانگنا معیوب ہے اور پھر اس بیباکی سے مانگنا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور بھی برا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گو آنحضرتؐ کو سائل کا مانگنا برا معلوم ہوا لیکن آپ دیتے ہی گئے۔

خدا بر تو باشد تو بر خلق باش

پر عمل کیا۔ انکار نہیں کیا اور بجائے ترش رو ہونے کے نصیحت کے پیرایہ میں سمجھا دیا اور سمجھایا تو بھی سوال پورا کرنے کے بعد تاکہ مانگنے والا یہ نہ سمجھے کہ دینا مقصود نہیں تھا۔ ٹالنے کے لئے نصیحت شروع کر دی لیکن یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان سے دوسرا مسلمان سوال کرے تو خواہ مخواہ وہ پورا کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی حالت دوسری تھی۔ وہ قوم کے رہنما اور پیشوا تھے۔ خدا کے پیغامبر تھے۔ بہت سی باتیں ان کے ساتھ مختص تھیں اگر اس وقت کوئی یہ قصد کرے کہ مانگنے والے کو مایوس نہ کرے تو زندگی اسپر بار ہو جائے گی اور مسلمان ہونا وبال ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ کے تمام اقوال پڑھ کر رائے قائم کرنا چاہیئے کہ سخاوت کیا ہے۔ بخل کیا ہے، اسراف کسے کہتے ہیں اور ایک کے مال سے دوسرے فائدہ اٹھانے کے مستحق کن قیود اور شرائط سے ہیں۔

آنحضرتؐ کو بحیثیت پیغامبر ہونے کے مال جمع کرنا کتنا بے جوڑ تھا۔ اور اسی لئے آنحضرتؐ دولت و مال جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے تھے۔ دو کام ایک ساتھ کیونکر کرتے۔ لوگوں کو ہدایت کرتے یا مال کا جمع خرچ جوڑا کرتے۔ اسی لئے آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر آپ اس طرح سوتے تھے کہ صبح کے لئے کچھ نہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ فرمایا "اگر احد کے پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا ہے کہ میں رات گزارنے سے قبل سب خرچ کر دوں اور اگر کچھ بچاؤں، تو اتنا ہی کہ ادائے دین کے لئے ضروری ہو" اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ بہت مال جمع کرنا اور اسی کا ہو رہنا اچھا نہیں ہے لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ کسی مال کو تین دن تک

اپنے پاس رکھنا معیوب ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کو زائد وضاحت کے ساتھ آنحضرتؐ نے دوسرے موقع پر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "لوگو! تمہاری ضرورت سے زائد خرچ کرڈالنا بہتر ہے رکھ چھوڑنا اچھا نہیں ہے اور ضروری اخراجات کے لئے رکھ چھوڑنا بھی برا نہیں ہے۔ اور دیتے وقت اس کا حق مرجح سمجھو جس کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔ بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف آنحضرتؐ نے بھی کی ہے۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہنے ہوئے ہیں اور ان کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوئے ہیں۔ سخی جب صدقہ کرتا ہے تو اس کا کرتہ ڈھیلا ہو جاتا ہے اور بخیل جب صدقہ کرتا ہے تو اس کا کرتہ تنگ ہو جاتا ہے اور زنجیر کے حلقے اور بھی سکڑ جاتے ہیں" اس حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ دولت ایک قسم کا بار ہے سخی کو سخاوت میں اس لئے لطف آتا ہے کہ اس کا بار ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن بخیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اور وہ خرچ کے نام سے ڈرتا ہے۔

کسی نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ صدقہ کا بڑا ثواب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "جب تم بھلے چنگے ہو اور مال جمع کرنے پر حریص ہو۔ محتاجی کا ڈر ہو اور دولت کی خواہش ہو ایسے وقت کا صدقہ اللہ کو پسند ہے۔ صدقہ دینے میں اس قدر تاخیر نہ کرو کہ جان نکلنے لگے۔ اور تم تقسیم کرنے بیٹھو اس وقت تو خود ہی وہ دوسروں کا مال ہوتا ہے"

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور آنحضرتؐ دیوار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "برب کعبہ! وہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں" ابوذرؓ نے فرمایا "یا رسولؐ اللہ وہ کون لوگ ہیں" آپ نے فرمایا "مالدار۔ مگر وہ مالدار نہیں جو ادھر ادھر آگے پیچھے داہنے بائیں خرچ کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خسارہ میں نہیں ہیں مگر یہ تعداد بہت کم ہے۔

صدقہ دینے میں حتی الوسع مستحق کا خیال رکھنا چاہیئے لیکن اگر کسی ناسزاوار کو صدقہ مل جائے تو صدقہ دینے والے کو پچھتانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ دنیا ہر حالت میں اچھا ہے اسی کو آنحضرتؐ نے بر سبیل حکایت کسی موقع پر یوں فرمایا ہے کہ کسی کو ایک شخص نے کچھ دیا لوگ کہنے لگے کہ

کہ رات کا صدقہ چور کے ہاتھ لگا۔ دینے والے نے سن کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور پھر صدقہ دیا دوسرے دن معلوم ہوا کہ لینے والا بدکار تھا دینے والے نے خدا کا شکر ادا کر کے پھر تیسرے کو دیا تو لوگوں نے کہا کہ اب کی پانے والا تو نگر تھا مفلس نہیں تھا۔ دینے والے کو خواب میں یہ سمجھایا گیا کہ چور صدقہ پاکر چوری سے کنارہ کرے اور بدکار شاید بدکاری سے باز آئے اور ممکن ہے کہ اس تونگر کو صدقہ لینے کے بعد عبرت ہو اور وہ خود بھی راہ خدا میں خرچ کرنا شروع کرے "۔

خدا بر تو پاشد تو بر خلق پاش

کتنا سچا مقولہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے تم کو دیا ہے تم بھی دوسروں کو دو۔ خدا تم کو نہ دیتا تو تم سے دوسرے کبھی نہ مانگتے۔ بات نہایت واجبی ہے جو کسی طرح غلط نہیں ہو سکتی مگر دقت یہ ہے کہ لوگ مالدار ہونے کے بعد یہ سمجھتے ہی نہیں کہ خدا نے ان کو دیا۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ محض قوت بازو یا بزور تدبیر انھوں نے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

کیمیا گر بہ غصہ مرد و رنج ابلہ اندر طویلہ یافتہ گنج

اچھا مانا کہ دولت بزور تدبیر حاصل ہوتی ہے یا محض قوت بازو سے پیدا ہوتی ہے لیکن تدبیر عمل میں لانے کی قوت تو خدا نے ہی دی ہے۔ آنکھیں اندھی ہوں کچھ نظر ہی نہ آئے گا تو تدبیر کہاں سے صرف کی جائے گی یا ہاتھ پاؤں بے کار ہوں تو کہاں سے قوت بازو آئے گی بظاہر اسباب تندرستی تو خدا کے دیئے ہوئے ہیں ہر حالت میں یہی سمجھنا چاہیئے کہ دولت خدا کی دی ہوئی ہے اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا شکر گزاری اور بہادری کی شان ہے۔ اسی مضمون کو آنحضرتؐ نے برسبیل تمثیل عوام کے سمجھانے کے لئے حکایت کے پیرائے میں یوں بیان فرمایا ہے "بنی اسرائیل میں تین اشخاص معذور محض تھے ایک کوڑھی دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا تھا خدا نے ان کی آزمائش کے لئے اپنا فرشتہ بھیجا۔ کوڑھی سے فرشتے نے پوچھا۔ تو کیا چاہتا ہے اس نے جواب دیا اچھا رنگ اچھا چمڑہ اور گندگی کا دور ہونا۔ خدا کی شان سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق پورا ہو گیا فرشتہ نے کہا اور کیا چاہتا ہے اس نے کہا۔ ایک اونٹنی۔ فرشتہ نے اسے ایک گابھن اونٹنی دے دی اس کے پاس سے وہ گنجے کی طرف گیا اور اسکی خواہش پوچھی

اس نے اپنی بیماری کے دفعہ ہونے کی اول خواہش کی۔جب وہ دفع ہوگئی تو ایک گابھن گائے مانگی وہ بھی مل گئی آخر میں وہ اندھے کے پاس آیا۔ اندھے نے اول دو آنکھیں مانگیں پھر ایک گابھن بکری طلب کی خدا نے اس کی خواہش بھی پوری کردی پھر ان کے مال میں اس قدر برکت دی کہ ان کے مواشی سے تمام جنگل بھر گیا۔ وہی فرشتہ پھر ان تینوں کے پاس آیا۔ اول کوڑھی کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میں مسافر ہوں سامان سفر جاتا رہا ہے اس وقت خدا اور تمہاری مہربانی کے سوا سہارا نہیں ہے جس خدا نے تم کو کوڑھی سے اچھا کرکے اتنا سب مال دیا اسی کی راہ میں تم سے ایک اونٹنی مانگتا ہوں اس نے کہا میرے ذمہ خود اکثروں کے حقوق متعلق ہیں تمہارے دینے کو میرے پاس کہاں ہے ۔ فرشتہ نے کہا میں تجھے پہچانتا ہوں۔ تو وہی کوڑھی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے تھے اور کھانے کا ٹھکانا تجھ کو نہ تھا۔ خدا نے تجھ کو اس حالت سے اس حالت تک پہنچایا۔ پہلے کہاں تھے وہ لوگ جن کے حقوق اب تیرے متعلق ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ "یہ مال میرے بزرگوں کے وقت سے چلا آتا ہے پہچاننے میں تو نے دھوکا کھایا" فرشتہ نے بد دعا دی اور پھر وہ اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔ پھر گنجے سے ملاقات ہوئی گنجے نے بھی ویسی ہی ناشکری کی اور اس کا بھی وہی انجام ہوا۔ اب اندھے کی نوبت آئی تو اندھے نے کہا "بے شک میں اندھا تھا اور خدا نے مجھے بینا کیا۔ اسکے نام پر جتنی بکریاں تیرا دل چاہے لے لے۔ میں ہرگز نہ روکوں گا" فرشتہ نے کہا میں صرف تجھ کو آزماتا تھا مجھے ضرورت نہیں ہے"

صدقہ دینا۔ عفو تقصیر کرنا اور عاجزی کرنا ان تینوں باتوں کو آنحضرتؐ نے ایک درجہ میں رکھ کر ایک موقع پر یوں فرمایا ہے "کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ قصور معاف کرنے سے قصور معاف کرنے والے کی عزت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کے واسطے فروتنی کرنے والے کا مرتبہ بہشت میں بلند ہوتا ہے"

صدقہ کے لئے تمول ضروری نہیں ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی صدقہ کر سکتا ہے اس مضمون کو آنحضرتؐ نے ایک موقع پر یوں فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کو صدقہ کرنے کا حکم ہے" لوگوں نے عرض کیا "اگر کسی کے پاس نہ ہو تو کہاں سے صدقہ کرے" آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کمائے

اور اس سے خود کو اور دوسروں کو نفع پہنچائے "۔ ایک نے عرض کیا کہ وہ کما نہ سکے "۔ آپؐ نے فرمایا کہ " حاجتمند اور غمگین کی مدد ہی سہی "۔ لوگوں نے کہا کہ مدد بھی نہ کر سکے "۔ تو فرمایا "۔ اچھی بات ہی بتائے - یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنی برائیوں سے لوگوں کو بچائے رہے - یہ بھی ایک صدقہ ہے "۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے باندھا ہے ۔

مرا از خیر تو امید نیست شر مرسان

اور ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ " آدمی کے جوڑ جوڑ پر ہر روز صدقہ لازم آتا ہے دو شخصوں میں انصاف کر دینا صدقہ ہے ۔ کسی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے ۔ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے ۔ نماز کے لئے قدم اٹھانا بھی صدقہ ہے رہ گذر سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے ۔ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا بھی صدقہ ہے ۔ کسی نے کہا وہ تو اپنی خواہش نفس پوری کرتا ہے ۔ صدقہ کیسا ۔ آپ نے فرمایا " وہ ایسی خواہش کو حرام طور سے بھی پوری کر سکتا تھا ۔ اس نے جائز طور پر پوری کی تو بے شک ثواب کا کام کیا "۔ پھر ایک اور موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ " ایک فاحشہ عورت نے ایک کتے کو پیاس سے مرتا ہوا دیکھ کر اپنا موزہ اتارا اور اوڑھنی میں اسے باندھ کر کتے کیلئے پانی بھرا خدا نے اس نیکی کے صلہ میں بخش دیا "۔ کسی نے پوچھا کہ جانوروں کے ساتھ بھی سلوک کرنا باعث ثواب ہے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ ہاں ۔ ہر جاندار کے ساتھ سلوک کرنا باعث ثواب ہے "۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ فاقہ کرتے ہیں ۔ بھوکوں مرتے ہیں اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر بڑے سخی سمجھے جاتے ہیں ۔ پڑوسیوں کو قربانی کا گوشت تک نہیں کھلاتے اور نام کے لئے راہ چلتوں کو سب کچھ دے ڈالتے ہیں ۔ اسی کے متعلق آنحضرتؐ نے خرچ کرنے کی تہذیب سکھائی ہے ۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا " بہترین صدقہ وہ ہے جو آسودگی کے ساتھ ہو اور پہلے اس کو دے جس کا نفقہ اس پر واجب ہے "۔ دوسرے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ " اگر تو خدا کی راہ میں دے ۔ کسی کی گردن چھڑانے میں خرچ کرے (یعنی کسی کو دین سے سبکدوش کرے یا غلامی سے آزاد کرا دے) مسکین کو دے اور اپنے گھر والوں کو دے تو ان سب میں اس مال

کا زیادہ ثواب ملے گا جس کو تو نے اپنے گھر والوں میں خرچ کیا ہے ۔ ایک چوتھے موقع پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ۔ بال بچوں میں خرچ کرنا ۔ جہاد کے لئے جانور پالنے میں خرچ کرنا اور اپنے دوستوں کے لئے خرچ کرنا تمام خرچوں سے بہتر ہے ۔

ام سلمہؓ نے پوچھا ۔ یا رسول اللہ اگر میں ابو سلمہ کے لڑکوں کو جو میرے بطن سے پیدا ہیں کچھ دوں تو مجھے ثواب ملے گا ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ ہاں ملے گا ۔ رسول اللہ نے فرمایا ۔ قرابت مند کو دینے کا دوہرا ثواب ہے ۔ ایک ثواب قرابت دوسرا ثواب صدقہ ۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں آنحضرتؐ نے فرمایا جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو ۔ ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن اُن سے رسول اللہ نے فرمایا کہ ۔ جب شوربہ پکاؤ تو پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کو دو ۔

مدینہ میں سب انصار سے زائد تر مالدار حضرت ابو طلحہؓ تھے ۔ ان کا ایک باغ بیرو ہا نام مسجد نبوی کے قریب تھا ۔ وہ باغ نہایت ہی اچھا تھا ۔ آنحضرتؐ بھی اس باغ میں اکثر جایا کرتے تھے اور حضرت ابو طلحہؓ کو بھی وہ باغ بہت پسند تھا ۔ جب یہ آیت اتری " لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون " (جب تک اپنی پیاری چیزوں کو راہ خدا میں نہ دو گے نیکی کو نہ پہنچو گے) تو حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ اس باغ سے مجھے کوئی شے زیادہ پیاری نہیں ہے ۔ میں نے اس کو اللہ کے واسطے صدقہ کیا ۔ جہاں آپ مناسب سمجھئے خرچ کیجئے ۔ اس موقع پر آنحضرتؐ اگر خود غرضی کو کام میں لاتے تو فرماتے بہت اچھا خدا کی راہ میں وقف کردو میں انتظام کرلوں گا ۔ اپنی مسجد کے پاس آپ کو ایک باغ نہایت اچھا مفت ہاتھ آتا تھا ۔ مگر وہاں تو خود غرضی چھو کر بھی نہیں گئی تھی ۔ تعلیم اخلاق حسنہ اور اصلاح قوم مد نظر تھی ۔ آپ نے فرمایا کہ ۔ واہ واہ ، یہ مال تو بڑے فائدہ کا ہے ۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے اقربا میں تقسیم کردو ۔ ابو طلحہؓ نے اسے اپنے اقربا اور بنی اعمام میں تقسیم کردیا آنحضرتؐ کی منصف مزاجی اور علو ہمتی کو دیکھئے ۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ فاقہ کشوں کی ایک جماعت کثیر بہ لقب " مہاجر " آپؐ کے ساتھ تھی انکو اس قسم کی مدد کی بہت ضرورت تھی ۔ آنحضرتؐ پر گویا ان کا بار تھا ۔ ابو طلحہؓ کیسا اچھا باغ ان مساکین کے لئے دیتے تھے مگر آنحضرتؐ نے عدل کو ہاتھ

سے نہ جانے دیا۔ اور فرمایا کہ تمہارے اقربا کیا کم محتاج ہیں۔ ایک طرف تو یہ حدیث نبوی پڑھیئے اور دوسری طرف حال کا ایک واقعہ بہار کا سنیئے۔ چار پانچ سال کا عرصہ گزرا ایک بڑی مالدار بیوہ کو لوگوں نے یہ رائے دی کہ وہ اپنی جائداد وقف کر دے۔ اس بیچاری بیوہ نے یہ سمجھ کر کہ راہ خدا میں دینا عزیزوں اور رشتہ داروں کے دینے سے زائد تر ثواب کا موجب ہوگا اپنی تمام جائداد کار خیر میں وقف کر دی اور ایک غیر شخص کو متولی کر دیا اور اپنے تمام اقربا کو جو اس کی حیات میں اس کی جائداد سے پرورش پاتے تھے بالکل محروم کر دیا۔ اتنے بڑے معاملہ میں کسی ایک شخص نے بھی اس بیچاری کو راہ راست نہ بتائی۔ ہم نے اخباروں میں پڑھا تو راولپنڈی سے کلکتہ تک تمام مسلمان اخبار اس کی فیاضی کے مدح خواں تھے۔ بمبئی سے مدراس تک اس کا شہرہ ہوا اور وہاں کے اخباروں نے بھی تعریف کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس زمانہ میں اخبار "الوقت" کے ہم اڈیٹر تھے۔ ہم نے تمام اخباروں سے اختلاف کیا اور یہ لکھا کہ اس بیچاری عورت کو شرعی معلومات نہ تھی لوگوں نے اس کو دھوکا دیا۔ وہ اپنے اقربا کو دیتی تو اس سے کہیں اچھا ہوتا۔ نقارخانہ میں طوطی کی آواز ایک تنہا ہمارا لکھنا اور وہ بھی انتظام ہو جانے کے بعد۔ ہماری تحریر کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس موقع پر ہم کو صرف یہ کہنا ہے کہ اس وقت تمام قوم کے ذہن میں یہ بات ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو کچھ دینا باعث ثواب نہیں ہے۔ اور یہ خیال پیدا ہوا ہے خود غرض ناصحوں اور واعظوں کی بدولت کہ وہ اپنے ہی ایسوں کو دینا باعث حسنات بتاتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں سناتے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشش اور کرم کے متعلق کیا کیا ہدایتیں کی ہیں۔ ایک واقعہ ہمیں اور بھی یاد ہے کہ ایک مسلمان نے ایک بڑے مولوی صاحب کے پاس جو خود بھی متمول اور مالدار تھے حاضر ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی چند دکانیں مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتے ہیں۔ اور خود مولوی صاحب کو متولی کرنے آیا ہے مولوی کی باچھیں کھل گئیں کہ خوب شکار ہاتھ آیا۔ نہایت عجلت کے ساتھ انھوں نے قبالہ رجسٹری کروا لیا اور یہ نہ پوچھا کہ تیرے چھوٹے چھوٹے یتیم نواسے جن کی تو پرورش کرتا ہے تیرے بعد کیا کھائیں گے۔ اپنی تمام جائداد سے تو ان معصوموں کو کیوں محروم کرتا ہے۔؟

فصل نمبر ۸

عربوں کی بہادری

بہادری کے سمجھنے میں لوگوں نے غلطیاں کی ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ مختلف حالتوں میں اس کے مختلف معنی سمجھے گئے ہیں۔ ایک ہی قوم اپنی ترقی کے زمانے میں بہادری کے معنی کچھ سمجھتی ہے اور تنزل کے وقت کچھ خیال کرتی ہے۔ اس لئے ہم بہادری کو اس معنی میں لیتے ہیں جو ہر ایک قوم اپنے عروج کے زمانے میں سمجھتی آئی ہے۔

ظلم اور خونخواری کو بہادری نہیں کہتے۔ بلکہ بہادری اخلاق حسنہ کی ایک شاخ ہے یا یہ کہ تکمیل اخلاق حسنہ کا ایک نتیجہ ہے۔ جب کسی قوم میں۔ حیا۔ حمیت۔ خودداری اور راست بازی درجہ کمال کو پہنچتی ہے تو خود بخود وہ بہادر ہو جاتی ہے اور اگر اس کے ساتھ زور بازو بھی ہے تو کیا کہنا سونے پہ سہاگہ ہے۔ لیکن محض خون بہانا کسی طرح بہادری نہیں ہے۔ جلاد کو کوئی بھی بہادر نہیں کہتا۔ شکاری رات دن مارتے ہیں۔ قصائی جان مارنے کا پیشہ رکھتے ہیں ڈاکو آدمیوں کے قتل و غارت پر ہر وقت مستعد رہتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بہادر نہیں کہلاتا

اسی طرح اپنی جان دینا بھی بہادری نہیں ہے۔ ورنہ خودکشی کرنے والے سب سے بڑے بہادر سمجھے جاتے۔ حالانکہ تمام عقلائے زمانہ اس پر متفق ہیں کہ نوع انسانی میں سب سے زیادہ بودا وہ ہے جو اپنی جان دے کر دنیا کی زحمتوں سے بچنا چاہتا ہے۔ بال بچے چھوڑ

کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپنے والے۔ دنیا کی زحمتوں سے گھبرا کر جان دینے والے غصہ سے مغلوب ہو کر خود کشی کرنے والے یہ سب ایک ہی مد میں ہیں اور دنیا کے کمزور ترین انسانوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں عورتیں زیادہ خود کشی کرتی ہیں۔ ساس سے لڑائی ہو۔ یا شوہروں کی کوئی حرکت ناگوار گزری اور جان پر کھیل گئیں۔ کوئیں میں کود پڑیں یا زہریلی چیز کھالی۔ لڑائیوں میں گھر سے ٹھان کر مرنے کے لیئے نکلنا بھی بہادری نہیں ہے۔ پروانے شمع پر جان دینے کے لیئے حملہ کرتے ہیں نا کہ شمع کے گل کرنے کو۔ اگر پروانے بہادر ہیں تو وہ لوگ بھی بہادر ہیں جو گھر سے یہ سمجھ کر نکلے کہ گھر سے بے مرے واپس نہ آئیں گے۔

ہندوستان کے چھتّری بہت بہادر مشہور ہیں۔ لیکن میرے نزدیک گو وہ لڑنے والی قوم ہیں، جاں بازی ان کا پیشہ ہے۔ لیکن بہادری کو ان سے کوئی نسبت نہیں ہے اگر وہ بہادر ہیں تو دنیا میں ہر ایک بہادر ہے اگر یہی بہادری ہے تو دنیا میں کوئی بھی بزدل نہیں ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مہابھارت کے چھتریوں کو بھی ہم بہادر نہیں کہتے۔ یا اس کے قبل کے ہندوستانی بہادروں کے ہم قائل نہیں۔ ہم ہر قوم میں بہادری پاتے ہیں۔ لیکن بہادروں کا وجود قومی عروج تک محدود جانتے ہیں۔ بہادری ایک ایسی شے ہے جس کو قومی عروج سے بے انتہا تعلق ہے ہندوستان میں جب عروج تھا تو یہاں کے چھتریوں نے بیشک بڑے بڑے نمایاں کام کیئے لیکن قومی عروج کے ساتھ جب قومی بہادری بھی مٹ گئی تو ان چھتریوں کے ساتھ بہادری کا لقب ایسا ہی رہ گیا جیسا کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد بہت سے علاقہ داروں کے پاس جاگیر ضبط ہو جانے کے بعد بھی پروانہ باقی رہ گئے۔

ہم کو حیرت ہے کہ جب یہاں کے لوگ چھتّریوں کی بہادری کا ذکر کرتے ہیں تو اسی زمانے کے چھتریوں کو یاد کرتے ہیں جب ان میں بہادری کا نام بھی نہ تھا۔ مثلاً چھتّریوں کا اپنے لڑکے بالوں کو تہ تیغ کر کے میدان جنگ میں جانا چھتریوں کی بہادری کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے شروع میں جب تاریخوں میں ہم نے پڑھا کہ فلاں مقام کے راجپوت اپنی جوروؤں اور بچوں کو تہ تیغ کر کے میدان جنگ کی طرف بڑھے اور نہایت دلیری سے خود کو ملک پر قربان کر دیا

تو ہمارے دل میں ان کی عظمت قائم ہوئی۔ لیکن اب غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسا کم ہمت شخص جو پہلے سے اپنی ناکامی فرض کرکے عورتوں کو تہ تیغ کرتا ہے اور ایسا شخص جو گھر کی عورتوں کو اپنی جہالت سے اپنے اوپر پہلے سے قربان کر دینے میں باک نہیں رکھتا وہ ایسی پست حوصلگی میں دشمنوں سے کیا مقابلہ کرے گا۔

ایک تاریخ میں ہم نے پڑھا ہے کہ اکبر کے زمانے میں بڑے بہادر چھتری تھے اور کبھی کبھی بعض ان میں سے جوش بہادری میں تلوار کی نوک پیٹ میں گھسیڑ لیتے تھے۔ اکبر نے ایک روز ایک تلوار ہاتھ میں اٹھائی اور چاہا کہ اپنے پیٹ میں مارے اور لوگوں پر ثابت کرے کہ وہ بہادری میں کسی طرح چھتریوں سے کم نہیں ہے۔ ہم کو حیرت ہے کہ چھتریوں کے اس فعل کو بہادری سے اس مورخ نے تعبیر کیا ہے۔ اور پھر اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ اس نے اکبر کو اس درجہ جاہل تصور کیا۔ اگر یہ حکایت سچ ہے تو اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اکبر نے اپنے چند ندیموں کو آزمانا چاہا۔ "شرط عقل ست بدگمان بودن" پر اس نے عمل کرکے چند ارکین دولت کو جمع کیا اور چھتریوں کی بہادری کا ذکر کرکے ایک جوش کی حالت میں اپنے اوپر طاری کی اور تلوار کا پھینیا شکم پر رکھ کر دیوار سے قبضہ کو اڑایا۔ اور ایسا ظاہر کیا کہ بادشاہ خود کو ہلاک کیا چاہتا ہے۔ ندیموں نے تلوار چھین کر بادشاہ کی جان نہیں بلکہ اپنی جان بچائی اگر وہ ہاں ہاں کرکے تلوار نہ پکڑ لیتے تو ان سب پر آبنتی۔ بادشاہ مجنون نہ تھا کہ اپنے کو ہلاک کرتا لیکن ممکن تھا کہ وہ آئندہ ان تماش بینوں کی ہلاکت کے لئے مجنون بن جاتا یا کسی اور حکمت عملی سے ان سب کا خاتمہ کر دیتا۔

بہادری کے لئے خیال میں قوت اور دل میں مضبوطی کا ہونا ضروری ہے۔ حیا اور ہمت لازمی ہے۔ استقلال و حمیت تو گویا اس کا جزو اعظم ہے۔ اتفاق اور راست بازی گویا قومی بہادری کے پاؤں ہیں۔ سیر چشمی خودداری عالی حوصلگی بہادروں کا جوہر ہے اس لئے بہادری کے لئے اتنی سب صفتوں کا ہونا ضروری ہے اور یہ صفات کسی قوم میں جمع نہیں ہوتیں جب تک اس کے عروج کا وقت نہیں آتا۔ قوم منکوب میں بہادری کا ہونا کسی طرح تجربہ تسلیم نہیں کرتا۔

دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر بااقبال قوم گذری ہے اور اس لئے ایک سے ایک بڑھ کر بہادر بھی گزرے ہوں گے۔ پرانے حالات بخوبی نہیں معلوم ہوتے اور معلوم بھی ہوں تو ان پر وثوق کرنے کے ذرائع مفقود ہیں۔ صرف ایک مسلمان ہیں جنکی تاریخ اول سے آخر تک صحت کے ساتھ لکھی گئی ہے اور جب کسی تاریخی واقعات کو بہ نظر وثوق دیکھنا ہو تو صرف یہ تلاش کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی پرانی تاریخوں میں یعنی ان تاریخوں میں جو انکی ترقی کے زمانے میں لکھی گئیں ان کا پتہ لگتا ہے یا نہیں۔ جب ہم مسلمانوں کی تاریخ میں بہادروں کی تلاش کرتے ہیں تو ان میں بے انتہا بہادر پاتے ہیں اور مسلمانوں ہی میں ہمکو سچی بہادری نظر آتی ہے۔ ان کے اخلاق حسنہ بہت درست تھے۔ اس لئے اس لئے ان کی عادت اور ان کا قومی شعار بہادری میں بڑی مدد دیتا ہے۔

مثلاً ہندوؤں میں یہ دستور تھا کہ شوہروں کے مرنے پر عورتیں اپنی جان دے ڈالتی تھیں اور جو زندہ رہتی تھیں وہ بیوہ ہو کر مُردوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک بہادر سے بہادر چھتری گھر سے نکلا اور بیوی نے رنڈاپے کی مصیبت کو یاد کر کے رونا شروع کیا۔ ایک چھتری میں انسانیت ہے تو قوم، افسر اور اپنے نام سے زیادہ بیوی کا پاس خاطر مدنظر رکھے گا۔ اب وہ چھتری میدان میں جا کر کیا خاک جان دے گا۔ اگر اسے جان دینا ہے تو پہلے ہی سے رونے والوں کا خاتمہ کر کے گھر سے نکلے گا اور پھر اپنی جان دے کر گھر والوں کے پاس دوسرے عالم میں پہنچ جانے کی کوشش کرے گا۔ بیچارہ چھتری بڑا شجاع ہے۔ لیکن اس کے قانونِ تمدن کے نقص نے اسے بے انتہا بودا بنا دیا ہے۔ اب اسی کے ساتھ ایک مسلمان سپاہی کو دیکھیئے کہ اس کی بیوی اپنے شوہر میں بہادری کی صفت کو تمام صفات سے بالا سمجھتی ہے۔ گئی گزری حالت میں شیر افگن کی بیوی نورجہاں ایک عرصہ تک جہانگیر کی زوجیت میں آنے سے محض اس لئے انکار کرتی رہی کہ شیر افگن ایسے بہادر کے بعد وہ جہانگیر کی بیوی کیا بنے۔ راجہ کی بیوی بننے سے وہ بہادر سپاہی کی بیوی بننا مرجح جانتی تھی۔

عربوں کی لڑائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ عورتیں ہمت دلانے والے باجے بجاتی تھیں۔ اور گیت گاتی تھیں۔ ایک عورت شوہر کا دامن پکڑے ہوئے قبل از وقت رو رہی ہے اور

دوسری میدان جنگ میں اسے لڑائی کے لئے مستعد کر رہی ہے۔ اب بتائیے یہ قومی شعار کہاں تک دولتوں کے شوہروں کی شجاعت پر اثر ڈالے گا۔ یہیں سے صاف عیاں ہے کہ جن خاندانوں میں عقد بیوگان کا دستور نہیں ہے ان میں میدان جنگ کی بہادری بھی مفقود ہوگی۔

لڑکوں کو ماؤں سے ضرور محبت ہوتی ہے اور جب لڑکے کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کو لسا اوقات خیال موت سے زیادہ تکلیف اپنی ماؤں کے غمگین ہونے کی ہوتی ہے۔ جہاں قوم میں زور نہیں ہوتا اور عورتوں میں آزادی نہیں ہوتی وہاں کی مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ جیسے اس وقت ہندوستان کی مائیں ہیں۔ برخلاف اس کے عرب کی مائیں اپنی عزت سمجھتی تھیں جب ان کے لڑکے قومی لڑائیوں میں خود کو قوم پر نثار کرتے تھے۔ جہاں گھر کے تمام لوگ خواہش مند ہوں گے کہ مرد میدان رزمگاہ میں اپنی بہادری دکھائے وہاں بودے سے بودا لڑنے والا بھی بہادر ہو جائے گا۔ اور جب ایک طرف ماں رو رہی ہے دوسری طرف بیوی دامن پکڑے ہوئے ہے۔ لڑکے الگ منہ لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں تو میدان جنگ کے عازم کو میدان جنگ میں جانا گویا سولی کا چڑھنا ہے اور ایسی حالت میں وہ جیسی بہادری کرے گا ظاہر ہے۔

اکیلا چنا بھاڑ کیا پھوڑے گا۔ شخصی بہادری کسی شمار میں نہیں ہے۔ جب تک قوم کی قوم بہادر نہ ہو۔ جب تک کسی قوم میں حمیت۔ خود داری۔ شرم نہ ہوگی اس میں حب الوطنی پیدا نہ ہوگی اور جب تک حب الوطنی نہ ہوگی اتفاق نہ ہوگا۔ اور جب تک اتفاق نہ ہوگا۔ بہادری نہ ہوگی۔ اگلے پچھلے حالات انسان کو بہادر بناتے ہیں۔ جس طرح ناموافق ہوا میں بادبانی جہاز نہیں چل سکتا اسی طرح کوئی شخص اپنی بہادری نہیں دکھا سکتا۔ جب تک اس کے ہمراز اس کے موید نہ ہوں۔ اور اس لئے وہ قوم بہادر نہیں ہو سکتی جس میں اتفاق اور حب الوطنی نہیں ہے۔

اوہام باطلہ بھی بہت زیادہ بہادری کے منافی ہیں ایک شخص میدان جنگ میں محض تلوار کے زور سے اور مشیت ایزدی پر بھروسہ کرکے آیا ہے اور وہ ڈرا ہے کہ چلتے وقت ساعت اس کی نہیں بنی۔ فال بد اور شگون بد سے دل اس کا لرز رہا ہے خواب پریشان اس کو رات کو

نظر آیا تھا۔ جی ڈر رہا ہے۔ نجومیوں نے اگر پہلے سے ڈرا دیا ہے تو ہاتھ پاؤں قبل از وقت پڑ جاتے ہیں اور اگر خوشخبری سنا دی ہے تو وہ بد خبری سے بھی زیادہ برا اثر رکھتی ہے کہ طبیعت نے تکیہ کر لیا اور جانفشانی سے جی چرانے لگی۔ اب بتائیے یہ پچھلا شخص جوان تمام زحمتوں اور بکھیڑوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اس جواں مرد کے مقابلے میں بھلا کیا ہتھیار چلائے گا جس کو صرف اپنی تلوار پر بھروسہ ہے۔

بت پرستی بھی انسان کی بہادری میں فرق ڈالتی ہے۔ اگر بت پرستی کے صرف یہ معنی ہیں کہ پروردگار کے دھیان کرنے کے لئے اس طرح کوئی شے سامنے رکھ لی جس طرح بچے الف بے لکھنا سیکھتے ہیں اور استاد سے تختی پر پہلے نقش بنوا لیتے ہیں اور پھر اس پر قلم پھیرتے ہیں تو چنداں مضائقہ نہیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس اصول پر بڑے بڑے عقلا بھی قائم نہیں رہتے عوام کس شمار میں ہیں بت پرستی کا لازمہ ہے کہ زبردست چیز کی پرستش کرنا اور اس سے ایک طور پر خیال میں غلامی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم بت پرستی کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی بہادر نہیں ہوئی۔ بت پرستی سے ہم اوہام باطلہ کی پرستش مراد لیتے ہیں۔ شروع سے چلئے۔ سکندر موحد تھا اس لئے یونان سے لے کر ہندوستان تک کوئی بھی اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا۔ رومیوں نے گو کفر کی حالت میں ترقی کی لیکن عیسائیت پھیلنے کے بعد ان کو مذہب عیسوی اختیار کرنا لازم آیا۔ وہ سمجھے کہ بہادر عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ نہ ٹھہر سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ وہ خود عیسائی ہو جائیں۔ اس وقت کے عیسائی نہ تثلیث کے قائل تھے اور نہ رومن کیتھولک کی طرح عیسائیت کو برائے نام قائم رکھتے تھے جب عیسائیوں میں اوہام باطلہ کی پرستش پھیلی تو مسلمان چند سال کی جہد کے بعد ان میں اس طرح تیر گئے کہ جس طرح صابن میں تار نکل جاتا ہے۔ عجم کے ستارہ پرست اور آفتاب پرست بھی اسلام کے موحدوں کا مقابلہ نہ کر سکے نہ کفار تاتار۔ نہ کفار مغول تاب مقابلت لا سکے۔ ہندوستان میں بودھ مذہب کا زوال تھا اور برہمنوں کا مذہب از سر نو پھیل چکا تھا۔ برہمنوں کے مقلد راجپوت بھی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور جب تک عربوں کو عروج تھا تب تک کوئی قوم

ان کا مقابلہ نہ کرسکی۔ لیکن مسلمانوں میں اوہام باطلہ نے اپنا گھر کر لیا تو وہ بھی پست ہوتے گئے کچھ روز تک نومسلم ترکوں نے سچی توحید کے زور میں عربوں کی گئی گزری حالت کو سنوارا لیکن پھر وہ بھی اسی رنگ میں آ گئے عیسائیوں کی طرح ان میں خانقاہیں بن گئیں بزرگان دین کی پرستش شروع ہوئی بت پرستی نہیں تو قبر پرستی ضرور قائم ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کفار مغل ان سے اچھے ٹھہرے اور تمام بلاد اسلام پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ مسلمانوں میں وہ توحید کی صفت باقی نہ رہی جس کے سبب سے وہ بت پرستوں اور بگڑے ہوئے عیسائیوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ کفار مغل نے اپنی حالت کو تولا تو عیسائیوں کے مقابلہ میں خود کو قائم رکھنے کے لئے سوا اسکے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ توحید اسلامی کو وہ اپنے دم سے ایک مرتبہ پھر رونق دے کر اسلام کی بہادریوں کو از سر نو تازہ کریں کچھ دنوں کے بعد نومسلم مغلوں نے بھی اوہام باطلہ کی پرستش شروع کی اور وہ زمانہ آیا۔ کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ نیچا دیکھیں۔ لیکن یہ معلوم رہے کہ اسلام کیسا ہی گیا گزرا تھا مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائی کسی طرح بہادر نہیں ہو سکتے تھے جب تک وہ اپنے عقائد کو درست نہ کرتے۔ تمام عیسائیوں کو لوتھر کا شکر گزار ہونا چاہیئے جس نے پروٹسٹنٹ مذہب نکال کر عیسائیوں میں سچی آزادی اور سچی بہادری کی روح پھونکی آج چار خمس سے بھی زیادہ یورپین لوگ موحد ہیں جو لوگ بپاس وضع پرانے گرجاؤں کے مقلد ہیں ان میں بھی بہت سے لوگ پروٹسٹنٹ کے عقائد رکھتے ہیں۔ اور جب اس ذریعہ سے مسلمانوں سے کم عیسائیوں میں اوہام باطلہ کی پرستش رہ گئی تو اب وہ ضرور مسلمانوں سے زیادہ بہادر ہیں اور مسلمانوں سے بڑھے تو گویا تمام دنیا سے بہادر ہیں اور اسی لئے تمام دنیا میں اس وقت عیسائیوں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اگر عیسائیوں میں آج ویسی ہی تاریک خیالی ہوتی جیسی ان میں ابتدائے اسلام کے وقت تھی تو یہ ترقی ان کو نصیب نہ ہوتی۔

چین اور جاپان دونوں قومیں ایک ہی شاخ سے ہیں لیکن ایک میں اوہام باطلہ بڑھے ہوئے ہیں اس لئے وہ ذلیل ہے اور دوسری میں اوہام باطلہ کم ہیں اس لئے وہ معزز ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں جب اوہام باطلہ حد سے زیادہ بڑھ گئے تو مرہٹوں

نے اسی طرح ان پر قبضہ کر لیا جس طرح کفار مغل نے وسط ایشیا کے مسلمانوں پر قبضہ کر لیا تھا مرہٹوں کی شہنشاہی میں کوئی شبہ نہ تھا۔ لیکن وہ اپنی شہنشاہی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ سکتے تھے یا تو وہ مسلمانوں کی قدیم توحید اختیار کر کے نئے سرے سے اپنی روحانیت اور اس کے ساتھ ہی اپنی تمام قوتوں کو ترقی دیتے یا کسی اور قوم کی اطاعت کرتے جو روحانی قوت میں ان سے بڑھی ہوئی ہوتی۔ پچھلی صورت سامنے آئی اور عیسائیت کی طرح ہندوستان کی شہنشاہی منتقل ہوئی زور بازو کے ساتھ مرہٹے توحید میں بھی ترقی کرتے تو شاید آج وہی شہنشاہ ہند ہوتے۔

تمام صفات حسنہ کے ساتھ مسلمانوں میں ایک چیز نہایت ہی عجیب تھی جس نے ان کو بے انتہا بہادر بنا رکھا تھا اور اس لئے انکی فتوحات عجائبات روزگار سمجھی جاتی ہیں۔ یعنی وہ خود پر بھروسہ کرتے تھے اور اپنی قدر کرتے تھے۔ مثلاً ایک شخص غیر قوم کا ہے جس نے تمام دنیا کے نقصانات کسی مسلمان کو پہنچائے ہیں۔ اس کے بال بچے قتل کر ڈالے ہیں اس کا گھر جلا دیا ہے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی ہے اس کا مال و اسباب لوٹ لیا ہے۔ بعد کوشش حالت جنگ میں وہ اس مظلوم مسلمان کے ہاتھ لگ گیا ہے اور یہ مسلمان اس کو ٹپک کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا ہے اور خنجر نکال کر چاہتا ہے کہ اس کا کلیجہ نکال لے کہ وہ نیچے سے بولا "میں تمہارے خدا پر ایمان لاتا ہوں یعنی میں تم سے رشتہ برادرانہ قائم کرنا چاہتا ہوں" تو وہ مسلمان فوراً اس کی چھاتی سے اتر پڑے گا اور اس کے قتل کرنے کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا۔ اس کا اثر نیک صرف اس ایک دشمن پر نہیں بلکہ اس کے کروڑوں ہمقوم پر پڑے گا۔ وہ سب کے سب مسلمانوں کے اخلاق اور بہادری پر فریفتہ ہو جائیں گے۔ وہ کیا شے تھی جس نے مسلمانوں کو دشمن کی چھاتی سے الگ کر دیا۔ وہ صفت کیا تھی خود آپ اپنے اوپر بھروسہ کرنا تھا۔ وہ مسلمان سپاہی سمجھتا تھا کہ مجھ میں ایسی صفات ہیں کہ میری صحبت میں رہنے کے بعد یہ میرا سچا دوست ضرور ہو جائے گا مجھ سے دشمنی نہ کرے گا اور اگر کسی وقت اس سے مجنونانہ حرکت صادر ہو گی اور میری تمام خوبیوں کو یہ نظر انداز کرے گا تو اس کے لئے میں پھر بھی کافی ہوں گا۔ اس لئے کہ میں راہ راست پر ہوں یہی سچی بہادری ہے اور جس شخص میں تمام اخلاق حسنہ جمع ہوں گے اس سے ایسی سچی بہادری

ضرور ظہور میں آئے گی - تاریخیں کہتی ہیں کہ مسلمان اپنے عروج کے زمانے میں ایسے ہی بہادر تھے اور اسی بہادری کے سبب سے انھوں نے تمام دنیا مسخر کر لی تھی - ان کے پاس نہ کوئی جادو تھا اور نہ کوئی منتر تھا - وہ سچے بہادر تھے - تلوار سے جب وہ کسی کو زیر کرتے تھے تو اس کے ذریعہ سے اس کی تمام قوم میں اپنی سچی بہادری کا ڈنکا بٹھواتے تھے - ہمیں کوئی بتادے کہ دنیا میں کوئی اور بھی ایسی بہادر قوم پیدا ہوئی ہے جس کا قومی قانون یا جنگی قانون اس قسم کی فیاضی دکھاتا ہو - اگر ناظرین نہیں دکھا سکتے تو ہمارا کہنا بجا ہے کہ جو بہادری مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں دکھائی تھی اس کی نظیر کہیں نہیں پاتے -

فصل نمبر ۹

غلاموں کی حالت

غلامی کے انسداد کی طرف اخیر اٹھارہ صدی میں انگریزوں کو توجہ ہوئی اور نصف انیسویں صدی تک تمام یورپین سلطنتوں نے اسے اکثر حصۂ زمین سے اٹھا دیا - اس کے قبل آقا اور غلام کے پیرائے میں جو برتاؤ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ تھا وہ بہت ہی شرمناک اور دردانگیز تھا - باری باری سے ہر ملک میں تہذیب آئی چمن دہر میں ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ پھول کھلے لیکن غلام ہر وقت مواشی میں شمار کئے گئے - ان کے گلستان میں کبھی بہار نہیں آئی خود غرضیوں نے ان کے حقوق کی طرف توجہ نہیں ہونے دی - دین اسلام نے پہلے پہل ان کے حقوق کی نگہداشت کی اور وہ بھی اس زمانے میں جبکہ ہر چہار طرف ان غلاموں پر بے انتہا ظلم ہو رہے تھے اسلام کا یہ احسان بنی نوع انسان پر تاریخی یادگاروں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے -

رسول خدا نے لوگوں کو ادھر متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بردہ آزاد کرے گا تو اس کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے اعضا کو دوزخ کی آگ سے خدا آزاد کرے

گا - ایک بحث یہ ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے آئندہ کے لئے غلامی کو حکماً روک کر موجودہ غلاموں کی آزادی کی یہ فکر کی یا غلامی کا انسداد قطعی نہیں کیا - اور اگر قطعی انسداد نہیں کیا تو کن کن شرائط کے ساتھ غلامی جائز رکھی یعنی پیغمبرؐ خدا کے وقت میں اطراف عالم میں جتنے اقسام غلاموں کے تھے اسلام نے وہ سب اقسام جائز رکھے یا کچھ ترمیم بھی کی" اس بحث کے لئے "اسلام اور غلامی" کا مضمون پڑھنا چاہیئے - اس فصل میں صرف یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کے غلاموں کی حالت کیا تھی -

غلام جب آزاد ہو جائے تو اس میں اور آقا کے مدارج میں شرعاً کچھ فرق باقی نہیں رہتا اخوت اسلامی کے اعتبار سے تو وہ پہلے بھی برابر تھا - آزاد ہونے پر شادی بیاہ میں بھی وہ برابر کا بھائی سمجھا جاتا ہے - حضرت زید آزاد شدہ غلام حضرت خدیجہؓ کے تھے جن سے آنحضرتؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن زینب کا عقد کر دیا تھا - حضرت بلال حبشی غلام تھے جن کو حضرت صدیقؓ نے آزاد کر دیا تھا مسلمانوں میں وہ بڑے پایہ کے صحابی سمجھے جاتے ہیں - ہندوستان میں تو غلام بادشاہوں کا ایک سلسلہ ہی جاری تھا - بادشاہوں نے غلاموں کی اچھی تربیت کی - اپنی لڑکیاں ان کے حوالے کیں اور مرنے کے بعد ہند کی سلطنت ان کے لئے چھوڑ گئے - ہندوستان کی تاریخوں میں غلام بادشاہوں کا ایک باب ہی جدا ہے اور ایک بہت بڑی یادگار مسلمانوں کی اخوت اسلامی کی ہے کسی دوسری قوم میں اس بیجی فیاضی اور منصف مزاجی کی مثال نہیں ملے گی گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں نے یہ وہ کام کیا ہے جو دنیا کی تاریخوں کے صفحے الٹنے سے کہیں اور جگہ دکھائی نہیں دیتا بجز مصر کے کہ وہاں بھی سلاطین مملوک کا سلسلہ محض قانون اسلام کی فیاضیوں کا نتیجہ تھا -

جو کوئی کسی شرط کے ساتھ غلام آزاد کرے تو وہ مکاتیب اور مدبّر کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے - مکاتیب اور مدبّر کے احکام فقہ میں بہت شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کہاں تک انکی آزادی کا خیال رکھا ہے - لونڈی سے اگر اولاد ہو جائے تو وہ لونڈی لونڈی نہیں رہ جاتی وہ ام الولد کہلاتی ہے اور اس کے بطن کی اولاد دوسرے لڑکوں کے ساتھ برابر کا ترکہ پاتی ہے اور مدارج میں مساوات کا

درجہ رکھتی ہے۔ غلاموں کی حالت درست کرنے کے متعلق جو احسانات اسلام میں بنی نوع انسان کے ساتھ ہیں دیگر مذاہب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ رعایتیں ملاحظہ فرمائیے۔

بحالت زنا اگر آزاد کے لئے سو کوڑے ہیں تو غلام کے لئے پچاس ہی کوڑے ہیں اسی طرح شراب پینے کے جرم میں آزاد کے لئے ۸۰ کوڑے ہیں اور غلام کے لئے ۴۰۔ فقہ میں غلاموں کا آزاد کرنا معاصی اور جرایم کا فدیہ اور کفارہ مقرر ہوا ہے۔ مسلمانی گورنمنٹ نے جرمانہ کی رقم خزانہ عامرہ میں داخل کرنے کے عوض غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب دی تھی۔ جو فی الواقع مجرموں کے لئے مالی نقصان اٹھانا تھا۔ آنحضرتؐ نے جو سال وفات میں آخری اسپیچ مکہ میں دی اس میں بھی غلاموں کو فراموش نہیں کیا اور قوم سے وصیت کی کہ غلاموں کو اپنا سا پہناؤ اور اپنا سا کھلاؤ حضرت عمرؓ نے اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگ مسلمان غلاموں کی حالت پر رشک کرنے لگے۔ چنانچہ بیت المقدس کی چڑھائی کے وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو ایک ہی اونٹ انکے اور ان کے غلام کی شرکت میں تھا دونوں باری باری سے چڑھتے اترتے تھے اور جس وقت بیت المقدس کے قریب سواری پہنچی تو وہ غلام کے سوار رہنے کی باری تھی۔ غلام اونٹ پر تھا اور اس کی مہار ہاتھ میں لئے ہوئے حضرت عمرؓ دوڑ رہے تھے اور آگے آگے ہیبت حق بتا رہی تھی کہ کامیاب مسلمانوں کا یہ عدل ہے۔ واللہ اس وقت کے مسلمانوں کے غلام زمانہ حال کے برادران خورد سے کہیں اچھی حالت میں تھے "سگ زرد باش برادر خورد مباش"۔ اس زمانہ کے طرز تمدن کے لحاظ سے بولا جاتا ہے۔

فصل نمبر ۱

عورتوں سے متعلق نصوص قرآنی

قومی ادبار کے ساتھ کم ہمتی لازم ہے اور کم ہمتی کے ساتھ کمزوروں کے حقوق کا غصب کرنا بھی ضروری ہے۔ عورتیں مردوں سے کمزور ہیں اس لئے قومی ادبار یا قومی تنزل کی حالت میں عورتوں کا غلامی کی حالت میں رہنا ایسا امر یقینی ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخ اس مکروہ نظارہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ عورتوں کی حالت کو قومی مقیاس التہذیب کہیں تو بجا ہے۔ جب قوم نے ترقی کی تو عورتوں کی عزت نے بھی ترقی کی اور جب قومی تنزل شروع ہوا تو عورتوں کی عزت بھی کم ہونے لگی۔ دنیا کی تمام گزشتہ اور موجودہ قوموں میں یہ باتیں گویا فطرت نے اصول موضوعہ کی طرح قائم کر رکھی ہیں۔ عورتوں کی عزت دیکھ کر قوم کی تہذیب اور ترقی کا پتہ لگتا ہے اور ان کو ذلیل دیکھ کر قوم کے ادبار اور نکبت کا یقین کیا جا سکتا ہے۔ آج انگریزوں میں جو عزت لیڈیوں کی ہے یہ انکی جہالت کے زمانے میں نہ تھی یا جس بری حالت سے ہم اپنے گھر کی عورتوں کو رکھتے ہیں ہماری دادیوں کی لونڈیاں بھی ایسی تباہ حالت میں نہ تھیں۔ گھر کی چہار دیواریوں میں ان کو بند رکھنا یا کبھی جانوروں کی طرح پنجروں (ڈولیوں) میں رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا ہم لوگ انتہائے عزت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی عزت نہیں ہے۔ بلکہ عزت ہے ان کے حقوق کی حفاظت کرنا جس کو ہم بالکل پامال کرتے ہیں اور اپنی جہالت سے اسے اسلامی شعار سمجھتے ہیں۔ یہ تقریر اس وقت بطور جملہ معترضہ لکھی گئی ہے اس کے متعلق مفصل تحریر

دوسرے مواقع پر ہے۔ یہاں صرف یہ لکھنا ہے کہ عرب اپنے زمانہ جاہلیت میں جتنا تہذیب اور ترقی کے میدان سے دور تھے اتنے ہی اپنی ماؤں، بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق سے بھی غافل تھے۔ قرآن نے ان عورتوں کے حقوق کے متعلق جس قدر احکام صادر کئے ان کو ہم ایک جگہ لکھ کر مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ عورتوں کے حقوق ہم پر کیا کیا ہیں۔ اور غیر قوموں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرنا کہ ان کے قانون میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کی جاتی بالکل بہتان ہے۔

قرآن میں ایک سورت ہی "نساء" کے نام سے موسوم ہے جس میں جابجا عورتوں کے حقوق سے بحث کی گئی ہے۔ ہم سلسلہ وار اس میں سے ضروری آیتوں کا ترجمہ نقل کرتے ہیں اور ان کے معنوں کی توضیح کرتے ہیں۔

عربوں میں کثرت ازدواج کا دستور تھا۔ وہ عورتوں کو مواشی کی طرح رکھتے تھے۔ جتنی چاہیں گھر میں باندھ لیں۔ اور لونڈیوں کی طرح ان سے برتاؤ کرتے تھے کہ کھانا کپڑا دیا۔ اور خدمت لی۔ گویا دس خادمہ گھر میں نہ ہوئیں دس بیویاں ہوئیں۔ اس پر طرہ یہ تھا کہ رشتہ ناتے کی یتیم لڑکیاں ان کی ولایت میں ہوتی تھیں تو ان کی مٹی خراب ہوتی تھی وہ دوسروں سے ان کا بیاہ کرتے نہ تھے خود اپنے ہی پاس رکھ لیتے تھے۔ تمام عورتیں تو دلفریب صورتیں نہیں رکھتی تھیں لیکن ابان الشباب فطرۃً ہر ایک کا دلفریب ہوتا ہے۔ دو چار مہینے تک وہ یتیم لڑکیاں بیوی بنی رہیں۔ جب ابان الشباب کے ساتھ ان کی عزت گئی تو پھر خادمہ کی طرح گھر کا کام کرنے لگیں۔ قرآن میں سب سے پہلے ان برائیوں کی طرف توجہ ہوئی۔ چار عورتوں تک تعداد بیویوں کی محدود کر دی اور یہ حکم ہوا کہ جن یتیم لڑکیوں کو تم سمجھتے ہو کہ زیادہ عرصہ تک خوش نہ رکھ سکو گے ان کے ساتھ نکاح نہ کرو۔ عورتوں کا کال نہیں ہے۔ دوسری عورتیں کر دو جن کے اولیا سوچ سمجھ کر تمہارے ساتھ بیاہنا پسند کریں اور تم پر بھی کچھ دباؤ رہے۔ چنانچہ سورۂ نساء کے اول رکوع میں خدا فرماتا ہے۔

(اگر تمہیں) اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے متعلق تم سے انصاف نہ ہو گا تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار تک تم نکاح کر سکتے ہو اور اگر ان میں بھی عدل نہ کر سکو تو بس ایک بیوی

کرو یا جو لونڈی تمہارے قبضہ میں ہو اس پر قناعت کرو۔ عدل نہ ہونے کی حالت میں یہی قرین مصلحت ہے[1]۔

زمانہ جاہلیت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ عورتوں کو مہر نہیں دیتے تھے اور طلاق دینے میں آزاد تھے مہر ادا کرنے کے وقت بخیل تھے لیکن بیچاری عورتوں کے پاس کچھ دولت ہوتی تو اسے پھسلا کر کھا جانے کے لئے بڑے مرد تھے اس بے حیائی کے دفع کرنے کے لئے سورۂ نساء کے رکوع اول میں حکم ہوا "عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دیدیا کرو۔ پھر وہ بہ خوشی دلی اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو مزے سے کھاؤ"[2]

جس طرح ہندوستان کے بدبخت مسلمان ماں باپ اور اعزّہ کے ترکے سے عورتوں کو محروم رکھتے ہیں یہی کیفیت زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔ یہ برا دستور مٹانے کے لئے سورۂ نساء کے پہلے رکوع میں محکوم ہے "ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں تھوڑا بہت جس طرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے اور ٹھہرایا ہوا ہے[3]" یعنی عورتوں کا حصہ بھی ترکہ متوفی میں معین ہے دوسروں کو کم بیش کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ خدا کہتا ہے کہ تم کم و بیش نہیں کر سکتے اور ہم ہیں کہ بالکل ہی ندارد کرنے کو مستعد ہیں۔

شرع محمدیؐ میں عورتوں کا حصہ مردوں کے نصف ہے۔ بھائی کو دو حصہ تو بہنوں کو ایک حصہ دیا جاتا ہے یہ کمی بیشی اس لحاظ سے ہے کہ مردوں پر اپنی بیویوں کا نفقہ فرض ہوتا ہے اور عورتوں کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے۔ اس پر بھی ہم لوگوں کی یہ نیت ہے کہ لڑکیاں کچھ بھی نہ پائیں صرف بھائیوں کی نیت میں یہ فساد نہیں ہوتا بلکہ بعض باپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ لڑکیاں کچھ نہ پائیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ خدا فرماتا ہے "اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تم کو یہ بتاتا ہے کہ لڑکوں

---

[1] یا یہا الذین آمنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرہاً ولا تعضلوہن لتذہبوا ببعض ما اتیتموہن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروہن بالمعروف فان کرہتموہن فعسیٰ ان تکرہوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔

[2] وآتوا النساء صدقٰتہن نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منہ نفساً فکلوہ ہنیئاً مریئاً۔

[3] للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل۔

کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ پھر اگر لڑکیاں دو سے زائد ہوں تو ترکہ کا دو ثلث ان کو پانا چاہئے۔ اور ایک ہو تو نصف[1]۔" زائد وضاحت کے لئے "توریت" کا مضمون پڑھنا چاہئے۔

ایام جاہلیت میں عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا ظلم بہت بڑھا ہوا تھا۔ حیا بالکل نہ تھی۔ کوئی مر جاتا تھا تو اس کی بیوی پر اس کے ورثہ قبضہ کر لیتے تھے قبضہ تو اب ہند میں بھی کر لیتے ہیں یعنی سسر اور دیور وغیرہ۔ رشتہ داران خاوند بیوہ خاندانی کو لونڈی کی طرح اپنی ملک جانتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ عرب میں زوجہ کی طرح رکھتے تھے اور یہاں مواشی کی طرح رکھتے ہیں۔ عرب میں ایسا بھی دستور تھا کہ بیواؤں کا عقد دوسروں کے ساتھ کر دیتے تھے اور مہر خود تصرف کرتے تھے یہ حالت پھر بھی ہندوستان کی موجودہ حالت سے اچھی تھی۔ خیر نکاح تو کر دیتے تھے۔ یہاں تو نکاح بھی نہیں کرتے حبس دوام کی سزا اپنے گھر میں دیتے ہیں۔ خدا ان سب مظالم کے مٹانے کے لئے فرماتا ہے۔

"مسلمانو! تم کو روا نہیں ہے کہ عورتوں کو میراث سمجھ کر ان پر بہ جبر قبضہ رکھو۔ جو کچھ ترکہ شوہر سے ان کو تم نے دیا ہے اسے چھین لینے کے لئے انھیں قید میں نہ رکھو۔ ہاں کھلی ہوئی بدکاری ان سے ہو تو قید رکھنا مضائقہ نہیں ہے۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو۔ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر و برکت دے[2]۔" اس آیت کے پچھلے حصہ میں نہایت ہی حکمت کی بات ہے۔ یعنی عورتوں کی پیدائش کی غرض اصلی یعنی تولد و تناسل کا ذریعہ تو سب میں یکساں ہے۔ باقی چیزیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی میں حسن زائد ہوتا ہے تو کسی کا بدن سڈول ہوتا ہے۔ ایک میں گفتگو کا مادہ ہے۔ دوسری میں انتظامی قوت بڑھی ہوئی ہے۔ ایک کو اپنے جسم کی صفائی کا زیادہ خیال رہتا ہے دوسری اپنے جسم سے بڑھ کر مکان کی صفائی کا خیال رکھتی ہے۔ ایک مرد کو باتوں سے خوش رکھنے کی قابلیت رکھتی ہے۔

---

[1] یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلہن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلہا النصف۔ رکوع ۱

[2] یاایہا الذین آمنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرہا ولا تعضلوہن لتذہبوا ببعض ما آتیتموہن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروہن بالمعروف فان کرہتموہن فعسی ان تکرہوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

دوسری بیماری کی حالت میں خدمت کرنے کا سلیقہ جانتی ہے۔ غرض مردوں کے مذاق کے مطابق اور موقع اور محل کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کسی عورت کی کوئی بات ایک وقت شوہر کو پسند نہ آئے اور شوہر بے دل ہو کر بیوی کی قدر نہ کرے تو خدا اس کے متعلق سمجھاتا ہے کہ کوئی ادا بیوی کی ناپسند ہو تو اس کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ بہت سی باتیں ان میں ایسی ہو سکتی ہیں کہ ان سے آئندہ تم خوش رہ سکوگے۔

عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ جہاں کوئی اچھی صورت نظر آئی تو پہلی بیوی کو فوراً الگ کر دیا اور جو کچھ اس کو دے رکھا تھا سب واپس لے لیا اور وہی دوسری بیوی کے حوالے کیا۔ ایک تو یہ بے حیائی تھی۔ دوسری کثرت ازدواج اور کثرت طلاق میں اس طرح پر سہولت ہوتی تھی۔ عقلاً اور اخلاقاً یہ حرکت نہایت ہی ناپسندیدہ تھی۔ خدا اس کو مٹانے کے لئے قرآن میں فرماتا ہے "اگر تمہارا ارادہ ہو کہ ایک بیوی کی جگہ پر دوسری بیوی کرو تو پہلی بیوی کو کتنا ہی مال دیا ہو لیکن اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا بہتان لگا کر اور صریح بیجا بات کرکے اپنا دیا ہوا واپس لوگے اور کیونکر واپس لوگے جبکہ باہم صحبت کر چکے ہو اور بیویاں تم سے پکا قول لے چکی ہیں[1]"

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ باپ کے مرنے پر لوگ سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے اس شرمناک دستور کے مٹانے کے لئے قرآن میں محکوم ہے "جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ ان عورتوں سے نکاح نہ کرنا جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات ہے اور بہت ہی برا دستور ہے[2]"

زن و شو کی تمدنی حالت کے متعلق قرآن میں یوں محکوم ہے کہ "مرد عورتوں سے زبردست ہیں اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ نے فضیلت دی ہے اور نیز اس لئے بھی کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں . . . . نیک بیویاں مردوں کا

---

[1] وان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احدیٰہن قنطاراً فلا تاخذوا منہ شیئاً اتاخذونہ بہتاناً واثماً مبیناً وکیف تاخذونہ وقد افضیٰ بعضکم الیٰ بعض واخذن منکم میثاقاً غلیظاً۔ رکوع ۳

[2] ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء الا ما قد سلف انہ کان فاحشۃ ومقتا وساء سبیلاً رکوع ۴

کہنا مانتی ہیں اور انکی پیٹھ پیچھے حفاظت کرتی ہیں کہ اللہ نے ان کو یہ سلیقہ دیا ہے۔ جن بیویوں کے سر چڑھنے کا تمکو اندیشہ ہو تم ان کو سمجھاؤ۔ پھر ہم بستری موقوف کر دو۔ یا آخر مار پیٹ سے پیش آؤ۔ پھر تمہاری اطاعت کریں تو تم بھی ان پر چھڑنے رکھ کر پہلو نہ ڈھونڈو واللہ سب پر غالب اور بڑی قوت والا ہے۔ اور اگر تم کو جھگڑا بڑھتا نظر آئے تو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں پنچ اصلاح چاہیں گے تو اللہ توفیق دے گا کہ وہ علیم و خبیر ہے"[1]

بعض گھروں میں زن و شو کی لڑائی بے وجہ بڑھ جاتی ہے۔ مرد اپنے کو غالب سمجھ کر کبھی کبھی عورتوں سے خوشامد کرانا چاہتا ہے۔ عورتوں میں مادہ خودداری بہت ہوتا ہے لیجئے ہنسی ہنسی میں بات بڑھ گئی اور برسوں کے لئے اور کبھی کبھی عمر بھر کے لئے نفرت پیدا ہو گئی۔ ان مواقع پر اگر دوسرے صلح کرا دینا چاہیں تو نہایت سہولت سے بات بن جاتی ہے۔ انسان کی فطرت پر نظر کر کے خدا نے فرمایا ہے اور کیسی اچھی صورت بتائی ہے کہ زن و شو کی لڑائی میں دو پنچ بیچ ہو کر تصفیہ کرا دیا کریں تو بہت سے مہلک اور خطرناک جھگڑوں کی جڑ قائم ہونے نہ پائے۔

---

[1] الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما انفقوا من اموالہم فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ اللہ والتی تخافون نشوزہن فعظوہن واہجروہن فی المضاجع واضربوہن فان اطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلا ان اللہ کان علیا کبیرا و ان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما ان اللہ کان علیما خبیرا۔ رکوع ۵

فصل نمبر ۱۱

کارِ منصبی

انسان جب نیک نام بننا چاہتا ہے یا خلائق کے سامنے سرخرو ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک بہت بڑی دقت اس کے سامنے یہ پیش ہوتی ہے کہ بھلائی اور برائی کا امتیاز کرنا اس کو مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً رحم دل ہونا انسان کی بہت اعلیٰ صفت ہے۔ لیکن قطاع الطریق کی گرفتاری اور سزا دہی میں اگر پہلوتہی کی جائے۔ تو شحنہ اور قاضی کے لئے یہ پہلوتہی رحیم المزاجی ہی کے اقتضا سے کیوں نہ ہو۔ بدترین خصلت سمجھی جائے گی۔ ظالم اور سنگدل حکام کو اس بارہ میں کہیں ترجیح ہوگی۔ نشتر اگر تیز نہ ہو تو برا ہے۔ مرہم میں زخم بھر لانے کی صفت نہ ہو تو بیکار ہے۔ کبھی ایک ہی شخص دو مختلف حالتوں میں متضاد اوصاف سے متصف ہو کر اچھا کہا جاتا ہے۔ جیلر کو قیدیوں کے پیٹ بھرنے کے لئے رحم دل ہونا چاہیئے اور حکم سزا کی تعمیل کے وقت سنگدل ہونا چاہیئے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ۔ نرمی، سختی۔ رحیم المزاجی، قساوت قلبی، سستی، پھرتی، چالاکی، کاہلی، کوئی اچھی یا بری صفت انسان کی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی صفت ایسی ہے جو تمام انسانوں میں ہونا چاہیئے۔ اور اسی کے ہونے سے انسان اپنے نقصانات اور فطرتی کمزوری کی تلافی کر سکتا ہے۔ وہ صفت کیا ہے۔ اپنی ڈیوٹی یا کار منصبی کا پہچاننا اور اس کو پورے طور پر انجام دینا۔ ماں کی ڈیوٹی ہے بچوں کی پرورش

کرنا۔ باپ کی ڈیوٹی ہے بچوں کے لئے مایحتاج بہم پہنچانا۔ شوہر کا فرض منصبی یہ ہے
کہ بیوی کو خوش رکھے۔ بیوی کا کام ہے کہ شوہر کو راضی رکھے۔ کسی شخص میں تمام دنیا کے
اوصاف ہوں لیکن اپنی آزادمنشی سے بچوں کی خبر نہیں لیتا یا بیوی کے خوش کرنے کی فکر نہیں
کرتا تو ہم بے تکلف کہیں گے کہ وہ بدترین خلائق ہے۔ بیوی حسین ہے۔ خوش مزاج ہے۔
شیریں مقال ہے۔ باعصمت ہے۔ سب کچھ ہے لیکن اپنی شوہر کی اطاعت سے بغیر کسی معقول
وجہ کے گریز کرتی ہے تو وہ عورت ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ کوئی بھلامانس اپنے گھر میں
اس کا آنا پسند کرے۔ کیونکہ شوہری حقوق کے بجا نہ لانے سے وہ ایک بہت بڑے جرم
کی مرتکب ہے اور اس کی صحبت سے ممکن ہے کہ دوسری عورتوں پر بھی اس بارے میں برا اثر پڑے۔

پولیٹکل صیغہ میں بادشاہ سے لے کر ادنیٰ چوکیدار تک ہر ایک عہدیدار کی ڈیوٹیاں
الگ الگ ہیں۔ ہم جب کسی جج۔ مجسٹریٹ۔ پولیس مین۔ وکیل۔ مختار یا عملے کو اچھا یا برا کہنا
چاہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے منصبی کام کو کس طرح انجام دیتا ہے۔
اگر وہ اپنی ڈیوٹی کو پورے طور پر انجام نہیں دیتا تو انسانی سوسائٹی میں عزت کی نگاہ سے
دیکھے جانے کے لائق نہیں ہے۔ دیانت دار ہے۔ راست باز ہے۔ سمجھ دار ہے۔ محنتی ہے
سب کچھ ہے لیکن اپنے کام کو انجام نہیں دے سکتا تو اسے عہدہ سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے
اپنے عہدہ سے الگ نہیں ہوتا اور پھر ڈیوٹی کے انجام دینے پر قوی نہیں ہوتا تو ایسے ضعیف
الخیال انسان کے تمام اوصاف ناپائیدار ہیں اور وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ دوسرے لوگ
اس پر بھروسہ کریں۔

انسان کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں ڈیوٹیاں پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک جج۔ اب
اس ضعیف الخلقت کی ڈیوٹیاں ملاحظہ فرمائیے۔ بیوی کی خاطرداری۔ ماں باپ کی اطاعت
بچوں کی پرورش۔ ملاقاتیوں کے ساتھ اخلاق۔ انفصال مقدمہ میں بے طرفداری۔ وقت پر
کچہری آنا۔ کام سے جی نہ چرانا۔ روزنہ کا روزکام ختم کرڈالنا۔ اہالی مقدمہ کو حیران نہ کرنا۔ اپنے
پچھلے دوستوں کو یاد رکھنا۔ محسنوں کو فراموش نہ کرنا۔ حق ہمسائیگی ادا کرنا۔ بڑوں کا ادب

کرنا۔ چھوٹوں سے محبت کرنا۔ لوگوں سے بہ تواضع پیش آنا۔ اگر یوں ہی ہم لکھتے چلے جائیں تو دفتر ہو جائے۔ یہ مضمون ختم نہ ہو۔ غرض کہ سیکڑوں ہزاروں ڈیوٹیاں اس کے متعلق ہیں۔

ایک پرانے زمانے کے حاکم کی نقل ہے۔ وہ بدرجہ نہایت غیر متدین اور اپنے کار منصبی میں نہایت درجہ کاہل وجود تھا۔ رعایا سخت نالاں تھی۔ ملازمت سرکاری میں تو آپ کی یہ حالت تھی اور خانگی معاملات میں اس درجہ رحم آپ کے مزاج میں تھا کہ جب چیونٹیاں سوراخوں سے نکلتی تھیں تو یہ آٹا اپنے ہاتھ سے ان پر چھڑکتے پھرتے تھے۔ صبح شام گھڑی دو گھڑی آپ کا یہی مشغلہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی آٹے کی گولیاں بناکر تالاب میں مچھلیوں کو کھلانے چلے جاتے تھے۔ اپنے نزدیک تو وہ بڑا کام کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ بعض بے دانشوں کے نزدیک ممدوح بھی ہوں۔ لیکن اہل خرد ان کو مالیخولیا میں مبتلا سمجھتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو سب سے اہم ڈیوٹی ان کے متعلق تھی اس کی پروا ان کو کچھ نہ تھی اور چھوٹی ڈیوٹیوں میں جن کے ڈیوٹی ہونے میں بھی کلام ہو سکتا ہے ان کو اس قدر انہماک تھا۔ انسان کو اتنا وقت نہیں ملتا۔ کہ وہ اپنی تمام ڈیوٹیوں کو پورے طور پر انجام دے سکے اور اس لئے ضرور ہے کہ وہ اپنی اہم ڈیوٹیوں کا انتخاب کرے اور اس کی بجاآوری میں منہمک رہے جس شخص میں اس انتخاب کی پوری قابلیت ہے۔ وہی نوع انسانی کا مایۂ ناز ہے مسلمان اپنے زمانۂ ترقی میں اپنے کار منصبی کے سمجھنے میں آپ اپنی نظیر تھے اور یہی امر ان کو تمام عالم پر ہر امر میں غالب رکھتا تھا۔ اب بھی کوئی سیکھنا چاہے تو پورا سبق شرع محمدیؐ ہی میں ملے گا۔

فصل نمبر ۱۱

الرفیق ثم الطریق

اس مقولہ کا منشاء یہ ہے کہ کوئی کام کرنا ہو تو پہلے اس ڈھب کا آدمی ڈھونڈ لو راہ چلو تو سامان سفر سے پہلے راہ کے ساتھی کا بندوبست کرو۔ کوئی تجارت یا کوئی کاروبار کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کام کے لائق کسی ہوشیار گماشتہ کا بندوبست کرو۔ زمینداری کا شوق ہو اور زمینداری سے فائدہ اٹھانا چاہو تو زمینداری کے لئے روپیہ نکالنے سے پیشتر ایسے کارندہ کی تلاش کرو جو رعایا کے طرز تمدن سے واقف ہو۔ رعایا سے لگان وصول کرنے اور ان کو راضی رکھنے کے طریقہ سے واقف ہو۔ سیر اور اس کے متعلق تمام امور کے انجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو۔ وکالت کا پیشہ کرنا ہے تو واقف کار محرر کی ضرورت اسی قدر تسلیم کرو جتنی مفصلہ بالا کاموں میں گماشتے اور کارندے تم کو اہم بتائے گئے ہیں۔ کچھ اچھے کاموں کی تخصیص نہیں۔ برے کام میں بھی جب تک تمہارا ساتھی ہوشیار نہیں ہے رونق نہ ہوگی۔ چور چوری میں۔ رہزن رہزنی میں۔ ڈاکو ڈاکہ زنی میں اسی وقت پورے طور سے کامیاب ہوگا اور اس کے نام کو اسی وقت شہرت ہوگی جب جاں نثار اور ہمت والے ساتھیوں سے سابقہ پڑے گا۔ سکندر۔ جولیس سیزر۔ تیمور۔ نپولین بونا پارٹ۔ نادر شاہ۔ ان سلاطین کے کارنامے پڑھیئے تو اچھا ہوتا ہے۔ کیا ان میں کوئی خاصیت ایسی تھی جو دوسرے انسان

ہیں ممکن نہیں۔ نہیں یہ کوئی عجیب الخلقت نہ تھے۔ ہیں آپ ایسے آدمی تھے اور کسی قدر ہمت اور استقلال کے ساتھ شجاعت کی صفت بڑھی ہوئی تھی مگر نہ اتنی کہ وہ ان کو ہم سے الگ کردے۔ مگر اتفاقات ان کے مساعد ہوتے گئے اور وہ بڑھتے گئے۔ اور بڑا اتفاق تو ہم یہی سمجھیں گے اور ہر ذی فہم ایسا ہی سمجھتا ہے کہ ان لوگوں کو اچھے اچھے بہادر اور تجربہ کار ساتھی ملے اور انھوں نے ان کی بدولت اپنی شہرت کا جھنڈا آسمان پر جا گاڑا۔ دنیا میں ہم اس کو بڑا خوش نصیب سمجھتے ہیں جو کوئی کام کرنا چاہے اور اس کام کے لائق اسے آدمی مل جائے اور نہایت بدبخت وہ شخص ہے جو کسی ایسے کام کا منصوبہ کرے جس سے اس کے ساتھیوں کی طبیعت مناسب نہو۔ یا مناسب طبیعتوں کے ساتھی اسے میسر نہ آئیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ کار آمد چیز زر ہے۔ کسی کا شعر ہے۔

اے زر تو خدائی ولیکن بخدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

لیکن ہمارے نزدیک زر کو آدمی سے کوئی لسبت نہیں ہے۔ سب سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں آدمی کی ذات ہے۔ جس کسی کو کام کا آدمی ہاتھ آیا اس کو سمجھنا چاہیئے کہ بڑی نعمت ملی۔ آدمی کوئی بے کام نہیں۔ آدمی سب کام کے ہیں۔ لیکن ہم کسی آدمی کو اپنے کام کا اسی وقت کہیں گے جب وہ ہماری مدد اس کام میں کرسکے جو ہمارا مرکوز خاطر ہے اگر ہم مہاجنی پیشہ کرتے ہیں اور ساتھی ہمیں ملا چوروں کا سردار تو ہمارا دیوالہ نکلا دھرا ہے۔ ہم نے چوری کا پیشہ کیا اور ہم کو ساتھی ملا راستبازنہ خدا ترس تو سمجھیئے کہ اپنے ساتھ وہ ہمیں بھی جیل خانے جائے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ رہزنی اپنا پیشہ ٹھہرائیں اور ساتھی ہمارے بزدل اور ناتجربہ کار ہیں تو سمجھیئے ہم دھرے بیٹھے ہیں۔ آجکل ترقی کے بے انتہا وسائل اور بیحد ذرائع ہمارے سامنے ہیں۔ نیا نیا علم اور نیا نیا شوق طبیعتوں میں تقلید کا مادہ۔ ناعاقبت اندیشی ہمارے خمیر میں ہر کام کرنے کو ہم سب سے پہلے تیار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم اسے کر بھی سکتے ہیں "ہر کالے دہر مردے" اگر ہمارے کرنے کا کام نہیں ہے تو کم سے کم ہمیں اتنا سوچ لینا چاہیئے کہ اس کام سے مناسبت رکھنے والے پہلے ڈھونڈ لیجئے۔ پہلے نوابی عملداری میں دو قسم کے ٹھرے

تھے ۔ایک تو وہ جو جنگلوں میں رہ کر راہزنی کرتے تھے اور دوسرے لکھے پڑھوں کی جماعت جو اچلے ٹھگوں سے موسوم تھی ۔آخر الذکر اکثر شاہی عہدوں یا شاہی ملازمتوں کا سہارا ڈھونڈ کر اپنا رنگ جماتے تھے اور باستثناء چند مذہبی طلباء کے عموماً تمام پڑھے لکھے لوگ اسی گروہ میں داخل تھے اور قطاع الطریق اپنے لکھنے پڑھنے کی غائت جانتے تھے ۔اب نئے خیالات اور نئی تعلیم نے بہت کچھ اس بارہ میں اصلاح کی اور کرتی جاتی ہے ۔اب لوگوں کے نزدیک یہ بات ذہن نشین ہوتی جاتی ہے کہ لکھنے پڑھنے کی یہ غائت کہ دوات قلم لے کر کسی کچہری کا سہارا پکڑ لیا اور جھوٹ سچ مکروفریب سے دو پیسہ شام کو گھر لائے ناپسندیدہ بات ہے اب طلباء و مدرسہ نئے نئے منصوبے باندھتے ہیں۔تجارت ایک نہایت وسیع شاخ ہے ۔اس کے مختلف شعبوں پر غور کرتے ہیں نئے نئے کارخانوں کے اجرا اور صنعت و حرفت میں ترقی دینے کا منصوبہ باندھتے ہیں ۔اگر زمانہ نامساعدت نہ کرے اور ناتجربہ کاریوں سے نقصان کی صورتیں پیدا نہ ہوں تو نہ معلوم یہ نو تعلیم یافتہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں ۔ایسی حالت میں ہم اپنے ہونہار نوجوانوں کے سامنے نہایت امید کے ساتھ عربوں کا پرانا مقولہ پیش کرنا اپنا انسانی فرض سمجھتے ہیں اور اس لئے ہم اس مضمون کو اسی مقولہ پر ختم کرتے ہیں جس پر ابتداء کی تھی ۔" الرفیق ثم الطریق "

فصل نمبر ۱۳

قومی امتیاز

قومی امتیاز ہندوؤں کے ساتھ مختص نہیں ہے - ہر قوم میں اس کا وجود کم وبیش پایا جاتا ہے - ہاں صورتیں مختلف ہوتی ہیں - اس اختلاف صورت کی وجہ سے جتنا چاہو ہندوؤں پر الزام رکھ لو لیکن فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ ہندوؤں کا جو اعتراض تم پر ہے وہ صحیح ہے یا تم جو اعتراض ہندوؤں پر عائد کرتے ہو وہ زیادہ باوقعت ہے -

فاتح ومفتوح میں قومی تفرقہ اور اس کے ساتھ قومی امتیاز لازم ہے - ہندوستان کے قدیم فاتح آریہ (برہمن چھتری) لوگوں نے جو سلوک اصل باشندگان ہند کے ساتھ کیا وہ ظاہر ہے - لیکن مسلمان کسی طرح ان آریوں کو قابل الزام نہیں ٹھہرا سکتے - جب انھوں نے خود اپنے لئے اس الزام کو قائم رکھا اور اس طرح کہ اپنے مذہبی مسئلہ کو بھی بدل ڈالا نناویں نناوے مسلمان ہند کے ایسے ہیں جو برہمن اور چھتری کی چھوئی ہوئی چیزوں کو تو کھاتے ہیں مگر ان لوگوں کی چھوئی ہوئی چیزوں کو نہیں کھاتے جن سے برہمنوں اور چھتریوں کو نفرت ہے حالانکہ جن مسلمانوں کے نزدیک غیر موحدوں کا چھوا ہوا کھانا کھانا روا ہے اور زیادہ تر مسلمان اسی عقیدے کے ہیں - ان کے نزدیک مذہب کی رو سے اس بارے میں تمام غیر موحدوں کا درجہ مساوی ہے وہ برہمن ہوں یا چمار ہوں -

عرب اپنی ابتدائی فتوحات میں دوسری قوموں کو عجمی کہتے تھے - یہ عجمی کا لفظ ابتداء

میں ویسا ہی سمجھا جاتا تھا جیسا انگریز ہندوستانیوں کے لئے نیٹو کا لفظ استعمال کرتے ہیں مسلمانوں میں کلمہ پڑھنے کے بعد غیر قوموں کے ساتھ جو درجہ اخوت کا قائم ہو جاتا ہے اس کی نظیر دوسری قوم اور مذہب میں ملنا مشکل ہے اور عام طور پر یہی کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں میں قومی امتیاز کا کبھی خیال نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی دلوں کی کیفیت کو کیا کیا جائے مکہ اور مدینہ کے باشندے جو پیغمبر خدا کے وقت میں مسلمان ہو گئے تھے ان کو عرب کے دوسرے مسلمانوں پر ضرور ایک خصوصیت تھی۔ خود ان میں بھی اہل بیت کا درجہ ضرور بڑا سمجھا جاتا ہے یہ خصوصیت نسلوں میں بھی منتقل ہوئی۔ مسلمانوں میں پہلے اہل بیت کا اس کے بعد مکہ اور مدینہ کے باشندے پھر عرب کے عام باشندوں کا درجہ ہے اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جن کو عربوں نے اسلام کی تعلیم دی۔ جہاں تک عرب، ایران اور مصر کا تعلق ہے ان مدارج پر بہت کم لحاظ ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس اختلاف نے بہت زیادہ رونق پکڑی ہندوؤں کی طرح برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ شودر کے درجہ تو نہیں قائم ہوئے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی اعلیٰ قوم کے چار درجے قرار پائے۔ شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ عرب کے لوگ عموماً شیخ کہلاتے ہیں۔ اور مغل ایک قوم ہے جس کو سلطنت مغلیہ کے نام سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد پٹھانوں کا درجہ ہے جو افغانستان اور افغانستان کے گرد و نواح سے ہندوستان میں آئے۔ یہ مدارج باعتبار اس قوت کے نہیں قائم ہوئے جو ان قوموں کو ہندوستان میں حاصل تھی۔ بلکہ بہ اعتبار مدارج اسلام کے یہ درجے قائم ہوئے تھے اہل عرب اس وجہ سے قابل تعظیم ضرور تھے کہ اسلام کا سچا نقشہ اسی وقت تک قائم رہا جب تک یہ عربوں کے ہاتھ میں تھا۔

ہندوستان میں شیخوں کی سلطنت شاید کبھی نہیں ہوئی۔ مغلوں اور پٹھانوں کی سلطنت عرصہ تک رہی۔ لیکن شیخ کا درجہ ان بادشاہوں اور اراکین سلطنت کے دربار میں مذہبی رعایت سے ویسا ہی تھا جیسا کہ ہندوؤں کے راج دربار میں برہمنوں کا۔ شیخ کوئی قوم نہیں ہے بلکہ ایک تعظیم کا لفظ ہے جو نام سے پہلے عرب میں اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مسٹر

یا سر کا لفظ انگریزی ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہندوستان میں قوم کو اس لفظ سے کیوں تعبیر کرنے لگے زمانہ موجودہ میں شیخ کا لفظ جن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے یہاں اس کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی ایک طور پر اپنی قوم کو ہندوستان میں تقسیم کیا گیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ قومی امتیاز کو مٹانے اور اخوت اسلامی کے قائم کرنے کو اسلام اترا تھا۔

یہ غلط ہے کہ انگریزوں میں قومی امتیاز نہیں ہے۔ جتنا ہندوستان میں یہ قومی امتیاز کا لحاظ رکھتے ہیں وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے خیال سے بھی بعض امور میں بڑھا ہوا ہے۔ ان کے یہاں بھی تین درجے قائم ہو گئے ہیں۔ یوروپین۔ یوریشین۔ نیٹو کرسچین۔ دیسی عیسائی۔ یوروپین لوگ یوریشین سے بھی بالکل علیحدہ رہنا چاہتے ہیں۔ یوریشین گویا بین بین ہیں۔ نیٹو کرسچین کے ساتھ جہاں تک ہم کو واقفیت اور تجربہ ہے کسی کام میں یوروپین شرکت پسند نہیں کرتے۔ طرز تمدن سے بالکل یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان میں مذہبی اخوت ہے۔ مسلمانوں میں ایک ادنیٰ درجہ کا شخص مسلمان ہونے پر جو درجہ حاصل کر سکتا ہے وہ بڑے سے بڑا نیٹو عیسائی ہو کر عیسائیوں میں حاصل نہیں کر سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہر شخص اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے ویسے ہی ہر قوم اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنے کی خواہش رکھتی ہے اور جب اس خواہش کے ساتھ تائید غیبی شامل ہوئی تو قومی نخوت پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتی اس قومی نخوت کا نام ہے قومی امتیاز جو مختلف حالتوں میں مختلف طور پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

اسلام کا بھی ایک زمانہ تھا اور مدت تک وہ زمانہ قائم رہا۔ تمام دنیا میں ان کی عظمت تسلیم کی جاتی تھی۔ لیکن قومی امتیاز کو وہ ہمیشہ برا سمجھتے تھے اور یہی ایک دنیا میں ایسی قوم ہوئی ہے جس نے اپنی ترقی کے زمانہ میں اس کا قائم رکھنا کیسا اس کے مٹانے کی فکر کی ہے۔

عرب زمانہ جاہلیت میں بھی خود کو دنیا کی تمام قوموں سے شریف تر سمجھتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت سخت تھے۔ اسلام نے جو ان کا درجہ بڑھایا تو ان کو اور تیز ہونا تھا لیکن یہ تعجبات اسلام سے ہے کہ بجائے تیز ہونے کے وہ اور نرم ہوتے گئے۔ غیر قوم کے ساتھ وہ

اپنی لڑکی زمانہ جاہلیت میں بیاہتے نہ تھے۔ پیغمبرؐ خدا نے اول اول اپنی پھوپی زاد بہن کی شادی زید ابن حارثہ سے کی اور یہ امر اتنا مہتم بالشان پایا کہ قرآن میں بھی اس کا تذکرہ آیا۔ قریش شروع شروع اس پر معترض ہوئے لیکن جب آنحضرتؐ نے سمجھا دیا کہ اسلام مسلمانوں میں اس امتیاز کا مٹانے والا ہے تو وہ سب کے سب چپ ہو رہے۔ اس کے بعد خود پیغمبرؐ خدا کی نسل میں مفتوحہ قوم کی لڑکیاں بیاہ کے ذریعہ سے داخل ہوئیں اور اکثر ائمہ انھیں کی نسل سے پیدا ہوئے۔ خلفائے بغداد نے بارہا اپنی لڑکیاں نومسلموں سے بیاہیں اور جب تک مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ تھا اس قومی امتیاز کا مٹانا اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اخوت اسلامی کا مساوی درجہ پر قائم رکھنا وہ قومی شعار اور اپنی ترقیوں کا سبب سمجھتے تھے شاہان ہند کے اچھے دنوں میں بھی اس کی تقلید ہوتی رہی۔ غلام بادشاہوں کے سلسلے میں جتنے بادشاہ ہوئے ان میں سے اکثر سابق بادشاہ کے داماد تھے۔ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ مسلمان بیاہ شادی میں صرف کفو کا خیال رکھتے تھے اور وہ بھی لازمی طور پر نہیں۔ غیر کفو میں نکاح ہو جاتا تو وہ بھی جائز تھا۔ کفو کے معنی صرف مساوات کے تھے یعنی طرز زندگی اور طریقہ بود و باش میں عورت اور مرد کا مساوی درجہ ہونا ان کی آئندہ بہبود اور خیالات کے مساوات کے لئے مناسب سمجھا جاتا تھا۔ اب جو دستور مسلمانوں میں جاری ہے کہ پہلے ہڈی دیکھتے ہیں اس کے بعد تمول۔ علم اور اخلاق پر نظر ڈالتے ہی نہیں یہ زمانہ حال کا دستور ہے زمانہ عروج میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں کسی قسم کا قومی امتیاز نہ مسلمانوں میں پہلے تھا اور نہ اب ہے کلمہ پڑھنے یعنی اخوت اسلامی قائم ہوتے ہی نومسلم تمام امور میں جہاں تک ان کو قومی امتیاز سے تعلق ہے حقیقی بھائی کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے پھیلانے میں اس صفت نے بڑی مدد دی تھی اور اب بھی اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر کوئی تبدیل مذہب کرنا چاہے تو سب سے زائد سہولت اس کو اسلام اختیار کرنے میں ہوتی ہے۔ چین اور افریقہ میں جہاں حکومت اسلامی نہیں ہے۔ لیکن اسلام کو روز بروز ترقی ہے اس اخوت اسلامی کے اصول سے بڑی ترقی ملتی ہے۔ اور عیسائی مورخ اس کو حیرت اور پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

فصل نمبر ۱۴

بخل اور اسراف

تعجب ہے کہ فرط فیاضی یا غائت سخاوت کو بھی لوگ بخل کہتے ہیں۔ آدمی جو کچھ پیدا کرے اسے خود کھائے اور اپنے اعزہ کو نہ دے وہ بیشک بخیل ہے۔ خود بھی نہ کھائے تو اس سے بڑھ کر بخیل ہے۔ خود کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے یہ سخاوت ہے۔ خود نہ کھائے اور دوسروں کو کھلائے یہ غائت فیاضی ہے اب اگر کوئی اس سے بھی ترقی کر جائے یعنی نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو اپنی آنکھ کے سامنے کھلا کر لطف حاصل کرے بلکہ دوسروں کے لئے اس طرح دولت جمع کر جائے کہ وہ اس کے مرنے پر متصرف ہوں یعنی اس لطف سے بھی اپنے کو محروم رکھے جو اہل سخا کو احسان کرتے وقت حاصل ہوتا ہے تو اس بے ریا فیاضی کو بخل سے تعبیر کریں گے یا سخاوت سے؟ سوال نہایت ٹیڑھا ہے عام طور پر ایسا شخص برا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن گفتگو یہ ہے کہ ایسے بے نفس شخص کو جو تمام عمر دوسروں کے لئے مزدور بنا رہا بجائے اصلح الصالحین کہنے کے لوگ انجل البخلا کیوں کہتے ہیں؟ ایسا شخص برا ضرور ہے لیکن ہرگز ہرگز بخیل نہیں ہے۔ اس کو بخیل نہ کہو۔ بدترین خلائق کہو کس صفت سے یہ ایسے ذلیل درجہ میں قائم ہوا؟ یا کس اخلاقی برائی میں اس کا فعل داخل ہو اس کا جواب آئندہ سطروں میں ہے ہم اس کو بخل سے نکال کر اسراف میں داخل کرتے ہیں اور بجائے بخیل کے اسے مسرف ثابت کرتے ہیں۔

ضرورت سے زیادہ کسی چیز کا صرف کرنا اسراف ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں اسراف بہت مذموم ہے۔ خدا نے بندوں کو اپنی نعمتوں کا محتاج بنایا اور نعمتیں اس لئے پیدا کیں کہ بندوں کی ضرورتیں ان سے رفع ہوں۔ اگر ایک شخص ضرورت سے زیادہ نعمت اپنے صرف میں لائے تو وہ گویا بقدر غیر ضروری صرف کے دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ مثلاً ایک قافلہ میں چار مشک پانی ہے اور سو آدمیوں کو دن بھر اسی سے اپنا خشک گلا ترک کرنا ہے۔ ایک قافلہ کو غسل کی احتیاج ہوئی۔ دو چار لوٹے پانی اسکے نہانے کو کافی ہے۔ اب بجائے دو چار لوٹے پانی کے تمام مشک وہ نہانے میں خالی کر دے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے اس کو کوئی حظ نہیں ملے گا اور دن بھر قافلے

والے پیاس سے بےچین رہیں۔ کوئی تعزیری قانون ایسا نہیں ہے جو نہانے میں زیادہ پانی صرف کرنے سے روکے لیکن اخلاقی قانون ان صرف بیجا کو اسراف بتاتا ہے اور سخت مذموم ٹھہراتا ہے۔

اسی طرح جاڑوں کے موسم میں کوئی امیر دو چار پانچ کمبل بچھانے کی جگہ پر ہزار کمبل تہ بہ تہ بچھا کر اس پر آرام کرے اور ایسا کرنے سے مال کا جمع کرنا مقصود نہ ہو تو یہ فعل عبث بھی۔۔۔۔ داخل اسراف ہے یعنی محلہ بھر کے لئے جس قدر کمبلوں کی ضرورت تھی اتنے کمبل تنہا ایک شخص نے بلا ضرورت اپنے صرف میں رکھ کر گویا تمام محلہ والوں کے حقوق پر ایک گونہ تصرف بیجا کیا۔ لیکن تصرف بیجا کا الزام صریح طور پر عائد نہیں ہوتا۔ اس لئے اخلاق نے کہا اسے متصرف بیجا نہ کہو۔ مسرف کہو۔

ایک شخص کی عادت ہے کہ رات کو وہ تمام کمروں میں بے وجہ سیکڑوں لمپ روشن رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ کمرے میں جا کر سو رہتا ہے جب بھی تمام کمروں میں سیروں تیل پھکا کرتا ہے اس بیہودہ حرکت کو کس مد میں داخل کریں گے؟ اسراف میں۔

اسلیے کو روز روشن شمع کافوری نہد؛ زود بینی کش بہ شب روغن نباشد در چراغ

محض اس لئے نہیں کہ کل خود اس کے پاس مال نہ ہوگا تو اس کو تکلیف ہوگی بلکہ اس لئے بھی باری تعالےٰ نے اپنے بندوں کی آسائش کے لئے جو نعمتیں پیدا کی ہیں ان کا بے ضرورت صرف کرنے والا نعمتوں کی قدر نہیں کرتا کفران نعمت کرتا ہے۔

مفصلہ بالا امثالیں اس امر کے سمجھانے کو کافی ہیں کہ کسی شے کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا یا بے محل صرف کرنا اسراف کہلاتا ہے۔

اب جس نے دولت اس لئے چھوڑی کہ اس کے مرنے پر دوسروں کے کام آئے وہ دولت کو بے محل صرف کرتا ہے اور اس لئے ضرور مسرف ہے۔ رکھنے والا تو اس لئے نہیں رکھتا کہ دوسرے صرف کریں لیکن نتیجہ پر نظر ڈال کر یہی کہا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے جمع کرتا ہے جمع کرنے والے کا خیال تو یہ ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں گا اور میں پیدا اس لئے کیا گیا ہوں کہ دولت جمع کرتا رہوں وہ سعدی کے مقولے کو کہ "مال برائے آسائش عمر است نہ عمر از برائے گرد کردن مال"

کو نہایت ہی حقارت سے سنتا ہے جیتے جی اپنے اور اپنے تمام متعلقین کے حقوق کو پامال کر کے مارِ گنج کی طرح خزانہ کی حفاظت کرتا ہے اور مرتے دم اپنے ورثا کو اجازت دے جاتا ہے کہ "مال مفت دل بے رحم" وہ خوب دولت اڑائیں اور بجائے تشکر گزار ہونے کے صبح وشام مرنے والے کی برائیاں کرنے لگیں۔

"برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر" جو لوگ آنکھ بند کر کے زمین میں روپیہ گاڑتے جاتے ہیں۔ یا کسی اور طریقہ سے دولت اس طرح بڑھاتے ہیں کہ محض جمع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ خرچ کرنا مد نظر نہیں ہوتا۔ تکلیف سے بسر کرتے ہیں۔ بھوکوں مرتے ہیں۔ اپنے متعلقین کو بھوکا رکھتے ہیں دن رات دولت بڑھنے کی دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے اشخاص بدنصیب ہیں۔ مالدار نہیں ہیں مفلس ہیں۔ غنی نہیں ہیں۔ فقیر ہیں معزز نہیں ہیں۔ ذلیل ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی مسرف بخیل سے بھی زیادہ برا ہے۔ بخیل صرف اپنے یا اپنے یگانوں کے لئے برا ہے۔ مسرف اپنے اور اپنے بیگانوں کے لئے تو برا ہے ہی۔ تمام دنیا کیلئے بھی برا ہے۔ اسراف کے ساتھ دنیا جہان کی برائیاں لازم ہیں۔ مال کے بے موقع صرف کرنے سے کفران نعمت ہی کا الزام مسرف پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عملی طور پر چوری کرنے۔ جھوٹ بولنے۔ دغا دینے۔ فریب کرنے پر بھی مجبور رہتا ہے جو شخص اپنے مال کی قدر نہیں کرتا دوسروں کے مال کی بھی قدر نہیں کرتا۔ جو اپنی دولت کو مٹی سمجھتا ہے وہ دوسروں کے مال کو بھی مٹی سمجھتا ہے اور دوسروں کی چیزیں لینے میں اسے اتنا بھی دریغ نہیں ہوتا کہ جتنا مٹی کے ڈھیلے اٹھانے میں پرہیز گاروں کو ہوا کرتا ہے۔ "اللہ مسرفوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا"[1]۔ اس سے زیادہ اور کیا مذمت مسرفوں کی ہو سکتی ہے۔

قرآن میں اس کے متعلق بہت ہی معتدل حکم حکمتوں سے بھرا ہوا منصوص ہے "خرچ کرنے والے فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگ دستی کریں۔ ان کا خرچ دونوں کے بین بین ہوتا ہے[2]"

---

[1] انہ لایحب المسرفین (سورہ انعام رکوع ۱۷)

[2] والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً (سورۂ فرقان۔ رکوع ۶)

فصل نمبر ۱۵

حسن پرستی

حسن پرستی کے معنی ہوں اچھی چیزوں کا پسند کرنا تو کیا کہنا۔ کپڑے صاف ہوں۔ گھر صاف ہوں ملنے والے اچھے ہوں۔ جوتے پر گرد نہ ہو۔ بال صاف ہوں چمن کا شوق ہو۔ پھولوں سے رغبت ہو مکان کی چیزیں ترتیب سے رکھی ہوئی ہوں۔ جن کو یہ دھن ہے ان کے اوقات اچھے ہیں اور اخلاق اچھے ہیں۔ لوگ عزت کی نظروں سے ان کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ بھی فی الجملہ دنیا ایسی دار الحزن میں خوش رہ سکتے ہیں۔ اور اگر حسن پرستی سے خوبصورت عورتوں کا نظارہ مراد ہے تو اس کا شیدا ہمیشہ غیر مطمئن رہتا ہے اور سب کی نظروں میں ذلیل رہے گا یہ نہایت بری چاٹ ہے۔ خدا اس سے بچائے جس کو اس کا خبط ہوا وہ دین اور دنیا دونوں سے گیا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

یہ شعر شاعروں کی معمولی بات ہے اور اس موقع پر خوب چسپاں بھی نہیں ہے لیکن یہاں اس غرض سے نقل کیا کہ شاعر کچھ نہ سہی حسن پرستی کے تو استاد ہوتے ہیں۔ گویا استاد فن لکھتا ہے کہ حسن پرستی میں وصال صنم تو ہوتا نہیں خدا البتہ کھو جاتا ہے۔ صنم سے مراد ہے محبوب مرغوب اور خدا سے مجازاً اشارہ ہے اخلاق حسنہ کی طرف تو معنی یہ ہوئے کہ تمام اخلاق حسنہ تو خاک میں مل گئے۔ لیکن کوئی صورت قابل اطمینان نظر نہیں آئی۔

یہ مضمون اور وضاحت سے یوں ذہن نشین ہوتا ہے کہ عورتیں فی الواقع حسین نہیں ہوتیں درخت یہی نہیں کہ پھول کے غنچے درخت کی نئی نئی پتیاں بعض جانوروں کے چھوٹے چھوٹے بچے عورتوں سے حسین تر ہیں۔ بلکہ اپنی نوع میں بھی مردوں سے عورتیں حسن میں گری ہوئی ہیں۔ مادہ الشباب کی گلکاری ایک جھلک سے ہے۔ جوانی سے اترنے پر دو ہم سن مرد و عورت کا مقابلہ کیا جائے تو مرد بدرجہا عورتوں سے حسن میں بڑھے ہوئے نظر آئیں گے۔ آخری عمر کو لیجئے کوئی ساٹھ برس کا بڈھا ہو جس کی داڑھی

اور سر کے سفید بال چمکتے ہوں۔ داڑھی مقطع ہو۔ پیشانی پر بزرگی کا نور ہو تو اس کی باتیں سن کر اس کا چہرہ دیکھ کر لطف آجاتا ہے لیکن اسی سن کی کوئی عورت کسی طرح اس مرد کے حسن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ہر گھر میں اس کا تجربہ ہو سکتا ہے۔ ساٹھ سالہ بھائی اپنی پچاس سالہ بہن سے (گو یہ کیسی ہی سڈول اور وہ بے ڈول ہو) خوشنما معلوم ہو گا۔ جانوروں میں بھی عموماً نر مادہ سے خوشنما ہوتا ہے۔ چرند، پرند، بحری، بری، صحرائی، کوہی، جتنے جاندار ہیں سب میں بلا استثناء نر مادہ سے حسین نظر آتا ہے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ تمام مخلوقات میں نر بہ نسبت مادہ کے حسین تر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ علم نباتات جاننے والے جو درختوں اور پودوں میں نر اور مادہ کا امتیاز کرسکتے ہیں اس کلیہ کو بھی بطور قانون قدرت کے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ عورتوں کا حسین نظر آنا محض نظر کا دھوکا کھانا ہے اور اس فریب دہی میں قانون قدرت کی مشاطہ گری قابل حیرت ہے۔ ماء الشباب کی دلفریبی عورتوں کی طرف اور بیتابئ دل مردوں کی طرف یہ دو بلائیں قانون قدرت کا اشارہ پاکر اس درجہ تخریب انسانی کے درپہ ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ عقل ہی ایک شے ہے جو اس وقت ان کا مقابلہ کرسکتی ہے اور جس کی مدد سے انسان اپنی شرافت قائم رکھ سکتا ہے جب عورتوں کے چہرے سے شباب کی خول اتر جاتی ہے اس وقت مردوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس غلط فہمی میں مبتلا تھے۔

ماء الشباب کی یہ کیفیت ہے کہ تمام عورتوں میں ایک وقت مساوی طور پر فطرت سے عطا کیا جاتا ہے اور اس کے قیام کا زمانہ بہت ہی تنگ اور محدود ہوتا ہے۔ عالم شباب میں تمام عورتیں ایک درجہ رکھتی ہیں۔ شباب جانے پر بادی النظر میں تفاوت مدارج پیدا ہوتا ہے لیکن جتنی چیزیں کہ مردوں کو فی الواقع راستبازی کے ساتھ خوش رکھ سکتی ہیں وہ پھر بھی قائم رہتی ہیں۔ ماء الشباب ایسی بے کار اور خود غرض چیز کی پیروی میں عورتوں کے دیگر اخلاق حسنہ کی قدر نہ کرنا ایک حد تک بے دانشی ہے ماء الشباب کی ابلہ فریبیوں پر نظر کرکے دانشمند کا یہ کام ہے کہ اس کو ذلت کی نظر سے دیکھے ایک عورت پر ہم آج جان دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کل یقیناً ماء الشباب اس کا ساتھ چھوڑ دے گا تو ہم بھی نظر پھیرلیں گے آج ہم جس کے لئے مٹے جاتے ہیں کل بے حمیتی کا پتھر دل پر رکھ کر اس

درجہ کو اس سے کنارہ کشی کریں گے کہ نام سے نفرت اور صورت سے وحشت پیدا ہوگی۔

ماءالشباب کے ساتھ بھی یہ جھگڑا ہے کہ کسی کی آنکھوں نے ہم کو بے قرار کر کے اس تک پہنچایا تو پھر گندہ ذہنی نے ہم کو بھگایا۔ کسی کے تبسّم پر ہم جان و دل فدا کر رہے تھے لیکن جب دیکھا کہ وہ تبسم ہمارے ساتھ مختص نہیں ہے تو بے انتہا کشیدگی پیدا ہوئی۔ آنکھوں نے تو ہم کو بلایا۔ لیکن قریب جاکر دانتوں کی ناہمواری اور سلسلہ سخن کی بے ترتیبی نے پھر ہم کو بھگایا۔ کبھی ظاہری حسن سب پر بالا نظر آتا ہے اور کبھی عصمت سب سے بڑی صفت معلوم ہوتی ہے۔ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ آوارہ مزاج حضرات مختلف وجوہ سے اپنی بیویوں کو کبھی ایک نظر بھی نہیں دیکھتے تھے کتے بلّی یا گھر کے پلے ہوئے جانوروں سے بھی تو کبھی ملتفت ہوتے تھے۔ بیوی کا درجہ ان جانوروں سے بھی کم تھا۔ بیویاں گویا جمادات سے بھی بدتر تھیں۔ ستون خانہ سے بارہا تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے لیکن بیوی سے کبھی اتنی بھی قربت نہیں ہوئی۔ ان ظالم مردوں کے مرض الموت میں جو خدمتیں ان بیویوں نے انجام دیں وہ نمونہ حیرت تھیں۔ مہینوں چارپائی کے نیچے کتوں کی طرح بیٹھی رہ گئیں اور ستون خانہ کی طرح رات رات بھر سرہانے کھڑی رہیں۔ مرنے والے نے خدا سے دعا کی کہ خداوندا میرے اعمال ایسے نہیں ہیں کہ میری نجات ہو اور جنت نصیب ہو لیکن اگر تو نکوکاروں کے صدقہ میں مجھ ایسے ناپاک طینت کی خطائیں معاف فرمائیں تو میری یہ تمنا ہے کہ اس میں بجائے بہت سی حوروں کے صرف یہی ایک جاں نثار بیوی مجھ کو ملے۔

اوپر کی تحریر سے معلوم ہوا کہ عورتیں فی الواقع حسین نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر وہ بظاہر حسین ہوں یا ماءالشباب کی گلکاریوں سے حسین معلوم ہوں جب بھی حسن اخلاق حسن عادات وغیرہ بہت سے امور خارجی ایسے ہیں جو حسن صورت سے کہیں زیادہ قابل قدر ہیں اور سب کا کسی ایک عورت میں جمع ہونا غیر ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ خدا اپنے تمام عطیات کسی ایک انسان میں ہرگز نہیں جمع کرتا وہ بحصّہ رسدی مساوات کے ساتھ تقسیم کرتا ہے کسی . . . کو ایک چیز دیتا ہے۔ تو دوسرے کو دوسری چیز عطا کرتا ہے۔ اس قدر جاننے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خود کو شراب پینے یا افیون کھانے کا عادی بنانے سے بدرجہا برا ہے حسن پرستی کا خوگر ہونا جن کو اس کی چاٹ ہے۔

وہ کبھی کسی عورت سے خوش نہیں رہتے ۔ ہمیشہ موجودہ حالت سے بالاتر حالت کی فکر رکھتے تھے اور مرتے دم تک مایوسی کی حالت میں بسر کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں ۔

ماحصل ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ عورت قانون قدرت کے لئے ایک ضروری چیز ٹھہرائی گئی ہے اور اسی لئے مردوں کے دلوں میں ایک خاص قسم کی کشش عورتوں کی طرف ہے ۔ جس سے عورتیں بادی النظر میں حسین معلوم ہوتی ہیں ۔ لیکن یہ حسن ایک خارجی چیز ہے ۔ اگر عورتیں بذاتہ حسین ہیں اور حسن کوئی چیز ہے تو وہ خود انکی ذات میں ہے ۔ جو اپنی بیویوں پر قناعت کریں گے تو انکی نظروں میں بیویاں تمام جہان سے حسین معلوم ہوں گی ۔ اور اپنی بیویوں کو چھوڑ کر جو حسن کی تلاش میں چکر لگائیں گے تو نظروں سے گھر کی عورتیں گر جائیں گی اور باہر کی عورتیں حسین معلوم ہوں گی ۔ نوجوانوں کو اس بلائے حسن پرستی سے بچانے کے لئے سب سے عمدہ حکمت شرع محمدی نے یہ نکالی کہ بنظر شہوت یعنی بے ضرورت جائز کسی نامحرم عورت کی طرف دیکھنا مردوں پر قطعاً حرام (ناجائز) کر دیا اور اس لئے بلاد اسلام میں جہاں احکام شرعی کی پابندی ہے بلائے حسن کے ستائے ہوئے بہت کم ملتے ہیں ۔

فصل نمبر ۱۶

جہاد

جہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا ۔ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی ہوئے خدا کی راہ میں کوشش کرنا مقاتلہ فی سبیل اللہ کو بھی جہاد بولتے ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ جہاد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن فرضیت کے سمجھنے میں اور اسکی نوعیت دریافت کرنے میں عوام میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے ۔ حتی کہ بعض جہلا سرحد کے غیر مذہب والونکے قتل کرنے کو جہاد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہی نہیں ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے

پہلے ہم جہاد کی فرضیت کو ظاہر کریں گے اور اس کے ساتھ ہی اس کی نوعیت بھی بتائیں گے بعد ازاں یہ بتائیں گے کہ اس وقت مذہب کے لئے کوئی جہاد کرنا چاہے تو کیا کرے ۔

انسان انسان کا دشمن ہوتا ہے اور ہر انسان کو انسان کے مقابلہ میں حملہ کرنے اور حملہ روکنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ انتظام قائم رکھنے کے لئے ہر ایک گورنمنٹ اپنے بنائے ہوئے قانون سے

یا قانون ربانی کے ذریعہ سے ان حملہ آوروں کے حملوں کی دیکھ بھال کرتی رہتی ہے کبھی کبھی ایک گروہ یا قوم کو دوسرے گروہ یا قوم کے مقابلے میں خود سبقت کرنا پڑتی ہے۔ غرض کہ ایک گورنمنٹ دوسری گورنمنٹ کے مقابلہ میں دستور زمانہ کے مطابق ہمیشہ لڑتی بھڑتی رہتی ہے اور جس گروہ کی وہ قائم مقام ہوتی ہے اس سے فوج قائم کی جاتی ہے۔ اس فوج کے قائم کرنے کی صورتیں مختلف ہیں۔ کہیں تو روپیہ کا لالچ دیا جاتا ہے اور کبھی بجبر بھرتی ہوتی ہے۔ اس مہذب زمانہ میں بھی یورپ میں دونوں طریقے جاری ہیں۔ کہیں تو رعایا کو آزادی ہے کہ فوجی نوکری کرے یا نہ کرے اور کہیں فوجی خدمات ہر شخص پر لازم ہیں اور خاندان یا قبیلہ سے اشخاص کو منتخب کرنے کے طریقے بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے قانون میں یہی پچھلا طریقہ زیر عمل تھا کہ ہر شخص پر فوجی خدمات انجام دینا قومی فرض تھا جس کو دوسرے لفظوں میں فرض کفایہ کہتے ہیں۔ گورنمنٹ کو انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا اور رعایا پر یہ فرض تھا کہ جب امیر فوجی خدمت طلب کرے تو وہ بے عذر مدد دے لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہ تھا نہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک بجائے خود ہتھیار لے کر اٹھ کھڑا ہو کہ ہم دین کے لئے لڑنے جاتے ہیں۔ امیر کے لئے بھی شرطیں ہیں اور قیود ہیں شیعہ مذہب میں تو امیر ہونا بہت مشکل ہے۔ سنیوں کے نزدیک گو اس میں آسانی ہے لیکن نہ یہ کہ ہر شخص ذرا با اقتدار ہوا اور لڑنے کے لئے آدمیوں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور امیر ہو گیا۔ امیر کے لئے بادشاہ عادل ہونا۔ اغراض جائز اور مہذب کے لئے لڑنا وغیرہ وغیرہ بہت سی شرطیں ایسی ہیں کہ مشکل سے کوئی امیر کہا جا سکتا ہے۔ مفصل بیان کے لئے فقہ کی کتابیں پڑھیئے۔ مختصر یہ ہے کہ دلی کے بہادر شاہ کے پاس جو فوج غدر میں جمع ہو گئی تھی اور بہادر شاہ کو انگریزوں کے مقابلہ میں لڑنے کے لئے آمادہ کیا تھا تو اس سے بہادر شاہ امیر المومنین اس مقدمہ کے اغراض کے لئے نہ تھے اور نہ ان کے ساتھ کے لڑنے والے مجاہد سمجھے جاتے تھے کیونکہ بہادر شاہ اور ان کے ساتھی جس قدر حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے ان سے کہیں زیادہ انکی جانب مخالف انگریزوں میں اس کی صلاحیت تھی ہمارے دعوے کے ثبوت میں آیت قرآنی موجود ہے اور بالکل فطرت کے مطابق ہے: "ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے سلطنت زمین کے وارث ہوں گے"[1] سورۂ انبیاء رکوع ۷۔

[1] ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون ۔ سورۃ انبیاء رکوع ۷ ۔

مضمون کو مکمل کرنے کے لئے تمام آیات قرآنی جو جہاد کے متعلق ہیں ایک جگہ کر دی جاتی ہیں۔

"مسلمانو! تم پر جہاد کرنا فرض کیا گیا ہے۔ تم کو ناگوار ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز بری معلوم ہو اور تمہارے حق میں وہ بہتر ہو۔ اسی طرح ممکن ہے کہ ایک چیز تم کو بھلی معلوم ہو اور فی الواقع وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے[1]"

"جن مومنوں نے اللہ کی راہ میں ہجرتیں کی ہیں اور جہاد کئے ہیں وہ رحمت خدا کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے[2]۔"

"مسلمانو! خدا کی راہ میں لڑو اور جانے رہو کہ اللہ سنتا اور سمجھتا ہے[3]۔"

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مرا ہوا خیال نہ کرو۔ یہ اپنے پروردگار کے پاس جیتے ہیں اور رزق پاتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انکو دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو لوگ ابھی ان میں آکر شامل نہیں ہوئے ہیں ان کی نسبت یہ خیال کرکے خوشیاں مناتے ہیں کہ ان کو بھی کسی طرح کا خوف نہ ہوگا اور نہ غم ہوگا یہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوشیاں مناتے ہیں اور نیز اس امر پر بھی خوش ہیں کہ اللہ مومنوں کا ثواب ضائع نہیں ہونے دیتا[4]۔"

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کئے ان لوگوں کا اللہ کے پاس بڑا درجہ ہے۔ اور یہی منزل مقصود کے پہنچنے والے ہیں[5]۔"

---

[1] کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیأ وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیأً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم تعلمون۔ سورہ بقرہ رکوع ۲۶ [2] ان الذین امنوا والذین ہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت اللہ واللہ غفور رحیم۔ بقرہ ۲۷ [3] وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیع علیم۔ سورۂ بقرہ رکوع ۳۱۔

[4] ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المومنین۔ سورہ ال عمران رکوع ۱۷۔

[5] الذین امنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون۔ سورۂ توبہ رکوع ۳۔

"اہل کتاب سے بھی لڑو جبکہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ روز آخرت کا اعتبار نہیں کرتے اور نہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں نہ دین حق تسلیم کرتے ہیں ان سے بھی لڑو یہاں تک کہ وہ دب کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں [۱]"

"پیغمبر کافروں سے اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے کہ وہ بری جگہ ہے [۲]"

یہ آیتیں اس وقت اتری تھیں جب مسلمانوں کو بے لڑے اپنی زندگی وبال تھی جیسا کہ "سیف اور اسلام" فصل نمبر ۱۳ کتاب ہذا میں مشرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی ان آیتوں کے ذریعہ سے بادشاہان عادل نے فوج اسلام سے بڑے بڑے کام لئے اور کچھ ایسے حکمران بھی ہوئے کہ خود تو نااہل تھے مگر ان آیتوں سے انھوں نے خوب کام نکالے۔ اب بھی جہاں تمام شرطیں پائی جاتی ہیں مسلمانوں کے لئے کیا تمام دنیا کی زندہ قوموں کے لئے امر حق کے لئے لڑنے سے زیادہ اچھی کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اس وقت زمانہ امن میں شوق جہاد فی سبیل اللہ رکھتے ہیں ان کے لئے سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ وہ جہاد بالاموال کریں۔ تمام یورپ اور امریکہ کے لوگ اس وقت ذی علم ہیں۔ غیر متعصب ہیں اور مذہب حق کی تلاش میں ہیں۔ اگر اسلام کے مسائل توضیح کے ساتھ تمام مذاہب سے مقابلہ کر کے مختلف السنہ میں شائع کئے جائیں تو ہمارے نزدیک یہ ایک جہاد ہے اور باعتبار زمانہ بہترین جہاد ہے۔

فصل نمبر ۱۷

مسلمانوں کے احسانات دنیا پر

"سیف اور اسلام" میں ہم نے مابعد زمانے کے مسلمانوں کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ برا بھلا کہنا محض اسلام کی نظر سے ہے ورنہ مسلمانوں کا برے سے برا بادشاہ بھی اپنے ہمعصر بادشاہوں میں اچھے سے اچھا رہا ہے۔ اس حد تک سمجھانے کے

---

[۱] قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ و لا بالیوم الاخر و لا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ و لا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتٰب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وہم صاغرون۔ سورۃ توبہ رکوع ۴۔

[۲] یایہا النبی جاہد الکفار والمنفقین واغلظ علیہم وماوٰہم جہنم وبئس المصیر۔ سورۃ توبہ رکوع ۱۰۔

لئے مختلف زمانے کے مختلف واقعات کا انتخاب ہم درج ذیل کرتے ہیں اور دکھلاتے ہیں کہ تمدنی حالت میں مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ کیا کیا احسانات کئے ہیں اور انکی روش کس درجہ کو بے تعصبانہ رہی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اصلی خوبیاں اسلام کی رسولؐ اللہ اور خلفائے اربعہ کے زمانہ میں تھیں لیکن اس کے بعد بھی جب تک عربوں کے ہاتھ میں عنان حکومت تھی حالت بہت منتظم تھی اور تمدن اسلام نہایت اعلیٰ حالت میں تھا۔ یورپ کے علما جب مسلمانوں کی تعریفیں کرتے ہیں تو زیادہ تر بغداد کی سلطنت اسپین کی سلطنت یاد کرتے ہیں کہ یہی دو مشہور سلطنتیں عربوں کی تھیں اور فتوحات سے قطع نظر کرکے تمدنی حالت میں دنیا کی مختلف قوموں کے لئے بے انتہا باعث برکت تھیں اور گویا تمام دنیا میں تہذیب پھیلنے کا سبب تھیں۔

ایک زندہ فرنچ محقق ڈاکٹر گستاولی بان اپنی کتاب حالات عرب کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

"عربوں کے تمدن میں جس قدر زیادہ غور خوض کیا جائے اسی قدر نئے واقعات پیدا ہوتے ہیں اور اسی قدر مطلع صاف ہوتا جاتا ہے۔ تھوڑی سی تحقیق کے بعد ثابت ہو جاتا ہے کہ ازمنہ متوسط میں یونان اور روم کے تمدن کا علم عربوں ہی کے ذریعہ پھیلا تھا اور پانچ برس تک ممالک یورپ کے مدارس عربوں ہی کی تصنیفات سے زندہ رہے۔ اور کیا بلحاظ ترقی دولت اور کیا بلحاظ ترقی علمی وعملی وہ عرب ہی تھے جنھوں نے یورپ کو مہذب بنایا اور جب ان کی تحقیقات علمی اور ان کی ایجادوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قلیل مدت میں ان سے زیادہ کسی قوم نے ترقی نہیں کی اور جب انکی صنعت وحرفت پر نگاہ ڈالی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ان کے صنائع میں ایک ندرت اور جدت ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

عربوں کے تمدن کی بنیاد ڈالنے والی ایک ایسی قوم تھی جو خود کسی قدر وحشی تھی اس قوم نے عرب کے ریگستان سے نکل کر ایران یونان اور روم کی سلطنتوں کو زیر وزبر کر دیا اور ایک ایسے عظیم الشان ملک کی بنا ڈالی جو ہندوستان سے اندلس تک منتہی ہوتا تھا اس قوم نے ایسے حیرت انگیز کام انجام دیئے ہیں جنکی یادگار ہمیں تعجب اور وجد میں ڈال دیتی ہے"

جس طرح پرانے زمانے میں تمام اہل یورپ کو وہ جرمن ہوں فرنچ ہوں انگلش ہوں،

یا اٹالین ہوں۔ اہل فرنگ کہتے تھے اور ہندوستان میں فرنگی بولتے تھے۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کو وہ کسی ملک کے ہوں، اہل یورپ عرب کہتے ہیں۔ جس قدر حصہ ملک کا مسلمانوں کے قبضہ میں آتا تھا وہاں کے باشندے اور سرحدی قومیں سمجھتی تھیں کہ عرب خدا کی ایک نعمت مجسم ہیں لیکن دور کے باشندے جنکو عربوں کا تجربہ نہ تھا عربوں کی نسبت ایسے ہی نفرت انگیز خیال رکھتے تھے جیسا کہ تمام دنیا کے باشندوں کی نسبت چینیوں کا خیال ہے۔ ہاں اب رفتہ رفتہ علم کی ترقی سے خیالات بدلتے جاتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ عربوں کا زمانہ ایک رحمت خدا کا زمانہ تھا جو عرصہ تک اکثر حصہ زمین پر مبذول رہا۔

ابتدائے اسلام کے وقت یمن سے اور تمام اطراف عالم سے تجارت ہوتی تھی اور پیغمبرؐ خدا ہی کے زمانہ میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ سے چین میں اور پھر وہاں سے کچھ دنوں کے بعد مجمع الجزائر میں اسلام پہنچ گیا تھا پھر ابوجعفر خلیفہ عباسی کے عہد میں یعنی دوسری صدی ہجری کے شروع میں چین کی بغاوت فرو کرنے کو جو مسلمان سپاہی بھیجے گئے وہیں رہ گئے اور ان کے ذریعہ سے اور نیز چند دیگر ذرائع و اسباب سے خشکی کی راہ سے بھی غربی چین میں اسلام پھیلا۔

یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ چین کے مسلمانوں میں حق پرستی اور دیانت داری کا نہایت درجہ خیال ہے۔ ان میں جو سرکاری ملازم ہیں ان سے رعیت خوش بھی ہے اور انکی عزت بھی کرتی ہے۔ اور جنھوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا ہے وہ نہایت نیک نام ہیں۔ اصول مذہبی نے انھیں متحد بنا دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک بڑے خاندان کے اجزا ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت کرتے ہیں۔ ان امور سے ان کا تفوق چین کی اور مستوطن اقوام پر ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اپنی ابتدائی حالت کے محض اس ہمدردی کی بدولت جو انھوں نے نازک وقتوں میں اپنے اختیار کردہ وطن کے ساتھ کی اور نیز اس دینی اخوت کی وجہ سے جو ان کے افراد میں ہے بہت کچھ انھوں نے ترقی کی ہے۔ برخلاف اس کے اور مذاہب خارجہ ہیں جو چین میں آئے اور چلے گئے یا محض چند روزہ شہرت ۔۔۔

آنحضرتؐ کی نسبت یورپین مورخوں نے حضرت علیؓ کی وساطت سے ایک قول نقل کر کے یوں لکھا ہے کہ حضرتؐ کا قد مبارک میانہ تھا۔ سر مبارک بڑا اور ریش مبارک گھنی۔ جسم کی کاٹھی

قوت اور توانائی نمودار تھی چہرۂ مبارک بھرا ہوا اور ارغوانی رنگ تھا۔ پیشانی اور ریش مبارک کے چند سفید بالوں سے بہ مشکل آپ کے سن مبارک کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ آپ کے خصائص روحانی نے آپ کو تمام عالم پر فوقیت دی ہے۔ کثرت عبادت نے آپ کو فضول کلام سے متنفر کر دیا تھا اور آپ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے چہرہ مبارک سے اعلیٰ درجہ کی نیکی نمودار تھی اور مزاج میں بے حد خلق اور انصاف تھا۔ اجنبی، دوست، قوی اور ضعیف ہر ایک پر آپ کی نظر برابر تھی۔ مساکین پر آپ کی خاص محبت تھی اور جس طرح سے آپ غربا کو ان کے افلاس کی وجہ سے ذلیل نہیں سمجھتے تھے اسی طرح امرا کی قدر ان کے مال کی وجہ سے نہیں کرتے تھے آپ کو اپنے صحابہ اور ملاقاتیوں کی اس قدر خاطر منظور تھی کہ صحابہ کو آپ کبھی سخت جواب نہ دیتے تھے اور جو کوئی ملاقات کو آتا تھا اس کی بات بے انتہا صبر و تحمل کے ساتھ سنتے تھے اور جب تک وہ نہ اٹھتا تھا خود بھی اٹھنے کا قصد نہ فرماتے تھے اسی طرح جب کوئی حضرت سے مصافحہ کرتا تو آپ کبھی اپنا ہاتھ پہلے نہ کھینچتے۔ جب کوئی آپ سے کسی معاملہ میں گفتگو کرتا تب بھی آپ کی یہی عادت تھی کہ خود پہلے علیحدہ نہ ہوتے۔ آپ اکثر صحابہ کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے اور ان کی احوال پرسی فرماتے تھے آپ اپنی بکریوں کو خود دوہتے تھے۔ زمین پر بیٹھتے تھے۔ اور اپنے کپڑے اور نعلین اپنے دست مبارک سے سیتے تھے اور پھر پہن لیتے تھے آپ ہمیشہ مساکین کو اپنے پاس جمع کرتے تھے اور یہ لوگ اہل الصفہ کے نام سے مشہور تھے یہ بے چارے بے خانماں عرب تھے جن کا نہ گھر تھا نہ ٹھکانا تھا یہ راتوں کو مسجد نبویؐ میں سو رہتے تھے اور دن کو بھی وہیں رہتے تھے کیونکہ مسجد کا چھپر ان کا اوڑھنا بچھونا تھا انھیں اہل الصفہ کہتے تھے جس وقت حضرتؐ کھانا کھاتے تو ان میں سے دو ایک کو اپنے ساتھ کھلاتے اور باقی کو اپنے صحابہ پر تقسیم فرما دیتے تھے تاکہ انھیں وہاں اذوقہ مل جائے۔

حضرت عمرؓ کے قاصد نے جو تقریر شاہ ایران سے کی اس سے بخوبی عیاں ہے کہ ملک پر کیا احسان اسلام نے کیا ہے۔ وہ تقریر یہ ہے "اے بادشاہ ہم ایسی ذلیل حالت میں تھے کہ ہم میں بعض اشخاص اپنا پیٹ کیڑے مکوڑے اور سانپ گوہ کھا کر بھر لیتے تھے بعض اپنی بیٹیوں کو اس وجہ سے مار ڈالتے تھے کہ انھیں اپنے کھانے میں شریک کرنا نہ پڑے جہالت اور بت پرستی

کی تاریکی میں گرفتار بے قانون اور بے لگام ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن۔ ہمارا شغل یہی تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو لوٹیں اور تباہ کریں۔ یہ تھی ہماری پہلی تصویر۔ لیکن اب ہم ایک نئی قوم ہیں اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک شخص پیدا کیا ہے۔ جو خاندانی شرافت میں۔ فہم و ادراک میں تمام عرب پر فائق ہے اور اللہ نے اُسے اپنا نبی برحق اور رسولؐ بنایا ہے۔ اسی رسولؐ کے ذریعہ سے اللہ نے ہم سے کہا میں ہو اللہ واحد صمد خالق کون و مکان میرے رحم نے تمہارے لئے ایک راہبر بھیجا ہے تمہیں راہ راست پر لانے کے لئے۔ جس راہ کی وہ تمہیں ہدایت کرتا ہے وہ تمہیں اس عذاب سے بچائے گی جو میں نے آخرت میں کافروں اور گنہگاروں کے لئے مقرر کیا ہے اور تمہیں میرے عرش کے سامنے مقام آسائش تک پہنچا دیگی۔ اس تعلیم نے بتدریج ہمارے دلوں پر اثر کیا اور ہم نے اپنے پیغمبر کی ہدایت کو قبول کیا۔ ہم نے مان لیا کہ ہمارے پیغمبر کا کلام اللہ کا کلام ہے اور اس کے احکام اللہ کے احکام ہیں اور جس مذہب کی اس نے ہم کو تعلیم دی ہے وہی سچا مذہب ہے۔ اس نے ہمارے ادراک کو چمکا دیا اس نے ہماری جماعت میں اخوت پیدا کی اور ہمارے لئے اپنی فہم خداداد سے قانون مقرر کئے"۔

اس سے بھی زیادہ پراثر وہ تقریر ہے جو شاہ نجاشی کے دربار میں جعفر طیارؓ نے کی تھی۔ جو صفحات گذشتہ میں گذر چکی ہے۔

ایک یورپین مورّخ لکھتا ہے مسلمانوں کا تمام مذہب اس چھوٹے سے جملہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " میں ہے۔ جسکی جامعیت حیرت انگیز ہے۔ ڈاکٹر گستا ولی بان مسلمانوں کی ملک گیری کی نسبت لکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق ان کی سپاہ گری اور اس فن حرب کے تھی جسے انھوں نے اس آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے انھیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان ملک گیروں کو قبول کر لیا جن کی حکومت میں انھیں بہت زیادہ آسائش تھی۔ مفتوح اقوام کے ساتھ طریقہ عمل کیا ہونا چاہیئے نہایت صاف اور صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا اور خلفائے اسلام نے ملکی اغراض کے مقابلہ میں ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے کہ وہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار ہا کہا

جاتا ہے۔ وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب۔ رسوم اور ادمناع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔"

"کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ اپنے سفیروں کے ذریعہ سے صلح کی شرائط بھیجا کرتے تھے اور یہ شرائط جن کا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کی ہوا کرتی تھیں جو عمرو نے ۱۷ھ میں باشندگان غزہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھے پیش کی تھیں اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں"۔

"ہمارے حاکم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ پس تم بھی ہم میں مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کریں گے لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو۔ اس کے بعد ہم تمہارے بدلے تمام ان لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے معاہدہ پر مضبوط رہیں گے اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالےٰ کے حکم کو پورا نہ کرلیں"۔

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں سے کئی صدی کے بعد کی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے سے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپ نے سفرونیس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ "میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور انکی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائیے اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے"۔

جو سلوک عمرو نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انھیں مذہب کی پوری آزادی، پورا انصاف بلا رو رعایت، اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شہنشاہان یونانی ان سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائے گا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپے تھی رعایائے صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت جانا کہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہو گئے اور جزیہ کی رقم انھوں نے پیشگی ادا کر دی عمال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور انھوں نے ان رعایا کے ساتھ جو ہر روز شہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھوں سے انواع و اقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

رسولؐ اور صحابہؓ رسولؐ کے وقت کے اکثر واقعات سیف اورا سلام میں درج ہو چکے ہیں یہاں مابعد کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

جزیرۂ سائپرس امیر معاویہ کے وقت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا تھا اور دریائے جیحوں کے پار سمرقند تک مسلمان پہنچے تھے۔

سنہ ہجری کی دوسری صدی میں فوج اسلام فرانس کے ملک میں دریائے لوار تک پہنچی لیکن چارلس مارٹل سے شکست کھا کر جنوبی فرانس میں ٹھہر گئی اس شکست کی نسبت مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو تمام یورپ میں گھسنے سے روکا لیکن محققین کا یہ خیال ہے کہ شمالی یورپ کو بوجہ کثرت برودت کے مسلمانوں نے پسند نہیں کیا اور اس لئے پھر ادھر متوجہ نہیں ہوئے۔

خاندان بنو امیہ کے تباہ ہونے پر بنو عباس کے زمانے میں دو مستقل سلطنتیں مسلمانوں کی قائم ہو گئیں اسپین میں بنو امیہ کی ایک شاخ نے سرسبزی حاصل کی اس کے سوا تمام بلاد اسلام کی شہنشاہی بنو عباس سے متعلق تھی۔ ساحل افریقہ سے سرحد ہند تک، اور دوسری طرف سرحد چین تک حکومت

تھی شہنشاہ قسطنطنیہ خراج گزار تھا اور شارلیمین شہنشاہ فرانس کا ایلچی اظہار اطاعت کے لئے دربار میں آیا تھا۔ بجز فرانس اور قسطنطنیہ کے اور کوئی بادشاہ یورپ کا اس وقت قابل لحاظ نہ تھا۔ چینی حکومت علیٰحدہ تھی لیکن وہاں کی بغاوت بھی مسلمانوں ہی نے فرو کی تھی۔ اب مسلمانوں کی حکومت تمام دنیا میں تسلیم کی جائے تو کیا بیجا ہے۔

سنہ ہجری کی تیسری صدی میں حکومت اسلام کے اجزا جدا ہونے لگے۔ اسپین میں تو علیٰحدہ خلافت قائم ہی تھی۔ ایران بھی الگ ہوگیا۔ افغانستان جدا ہوگیا۔ خود بغداد کے مشرق میں بہت سی حکومتیں قائم ہوئیں۔ رفتہ رفتہ مصر کی حکومت الگ ہوگئی۔ افریقہ بالکل جدا ہوگیا۔

چوتھی صدی میں بجائے بغداد کے قاہرہ میں زیادہ رونق تھی اندلس میں طلیطلہ۔ غرناطہ قرطبہ کے مشہور دارالعلوم میں تمام دنیا کے طلّاب جمع ہوتے تھے خود یورپ کے عیسائی آکر شریک ہوتے تھے۔

پانچویں صدی میں سلجوقی ترکوں نے زور پکڑا اور چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتوں کی جگہ پر ایک بڑی شہنشاہی کی بنیاد وسط ایشیا میں قائم ہوئی۔ جنگ صلیبی بھی اسی صدی میں شروع ہوئی بعض یورپین مورخوں نے لکھا ہے کہ ترکوں کا مذہبی تعصب جنگ صلیبی کا باعث ہوا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ سلطنت بغداد کے کمزور ہونے پر یورپ سے دباؤ مسلمانوں کا اٹھ گیا اور کچھ انقلاب زمانہ نے عیسائیوں کو جگایا۔ عیسائی اپنے مذہبی مقام کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیکھ کر اس کے چھڑا لینے کی فکر میں ہوئے کئی مرتبہ یہ لڑائیاں ہوئیں جن میں تمام یورپ کی عیسائی سلطنتیں مل کر لڑیں۔ مسلمانوں کی قوت کا اندازہ کرنے میں عیسائیوں نے غلطی کی تھی۔ بہت سی لڑائیوں کے بعد عیسائیوں نے اپنی کمزوری تسلیم کی لیکن اسی وقت سے عیسائیوں میں ایک تحریک پیدا ہوئی اور وہ تحریک روشن خیالی کی طرف منجر ہوئی۔ اس وقت ترکوں کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے عیسائیوں کو تاب مقابلہ نہ تھی۔ اور جب وہ مقابلہ کرنے کے قابل ہوئے تو مذہبی تعصب ان میں باقی نہ رہا اور اس لئے پھر جنگ صلیبی کے ختم ہونے کے بعد عیسائیوں نے بیت المقدس لینے کا خیال نہیں کیا۔

پانچویں صدی میں سسلی اور اٹلی سے اسلامی خاندان خارج کیا گیا اور عیسائیوں نے اندلس میں بھی کچھ کامیابی حاصل کی اور جنوبی فرانس سے قبضہ مسلمانوں کا اٹھ گیا۔ لیکن ایشیا میں مسلمانوں کا زور کئی صدیوں تک پھر بھی قائم رہا اور بہت زوروں سے قائم رہا۔

چھٹی صدی میں صلاح الدین مصری نے فلسطین کو جس میں بیت المقدس واقع ہے پھر عیسائیوں سے نکال لیا اس میں جرمنی، فرانس اور انگلستان کے بادشاہ شریک تھے۔ لیکن صلاح الدین نے ان کی متفقہ قوت کو شکست دی اس کے بعد اور بھی کئی ایک صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ ساتویں لڑائی میں فرانس کا بادشاہ سنٹ لوئی مسلمانوں کی قید میں آگیا۔ اسی ساتویں صدی میں چنگیز خاں مغل نے ایشیا کے ملکوں پر حملے کئے اور بغداد تک اپنے فتوحات پھیلائے۔

سنہ ہجری کی آٹھویں صدی کی تاریخ ترکوں اور مغلوں کی باہمی لڑائی سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک مسلمان تھا اور عربوں کی ایشیائی سلطنت کا دعویدار تھا جس کو زائل ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔

سنہ ہجری کی نویں صدی میں عربوں کی حکومت اور ان کے تمدن کا پورا اخراج اندلس سے بھی ہو گیا

سنہ ہجری کی دسویں صدی میں عربوں کی دنیاوی حکومت کا پورا خاتمہ ہو گیا محض ان کا دین ان کا تمدن انکی زبان رہ گئی۔ مغلوں نے بلاد اسلام کے شرقی حصہ پر اور ترکوں نے مغربی حصہ پر قناعت کی گو مغربی ترکوں نے عیسائیوں کے مقابلہ میں نمایاں فتوحات حاصل کر کے قسطنطنیہ کو دارالسلطنت قرار دیا اور گرتے گرتے زمانہ حال میں وہ پھر سنبھل گئے۔ لیکن مغل مشرق میں اپنی اعلیٰ حکومت زائد عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے۔ عربوں کے عروج میں مسلمان تمام دنیا پر حکمران رہے۔ ترکوں اور مغلوں کے زمانے میں اہل اسلام صرف شریک غالب کی حیثیت رکھتے تھے اور اب جیسی حالت ہے ظاہر ہے۔

اجمالی بیان ختم ہوا۔ اب کسی قدر تفصیلی حال لکھا جاتا ہے۔

شام میں رومیوں کی سلطنت سات سو برس سے تھی یہ ملک عربوں نے خلیفہ اول کے وقت میں فتح کیا بیت المقدس فتح ہونے پر مسلمان نہایت حسن سلوک سے عیسائی باشندوں کے ساتھ پیش آئے اس موقع کو ڈاکٹر گستاولی بان یوں لکھتے ہیں کہ: خلیفہ گویا نہ تنہا مدینہ سے ایک اونٹ پر سوار

ہو کر روانہ ہوئے۔ ان کا سارا سامان یہ تھا۔ ایک مشک پانی۔ ایک تھیلی میں تھوڑے سے چاول اور سوکھا میوہ۔ رات دن چل کر حضرت عمرؓ بیت المقدس پہنچے اور وہاں آ کر شہر کے باشندوں کے ساتھ بے انتہا نرمی کے ساتھ پیش آئے۔ مذہب، رسوم، عادات اور مال و متاع کی پوری آزادی ان کو دی اور ایک بہت خفیف سا جزیہ ان پر مقرر کیا۔"

"عربوں نے اسی قسم کی ہمدردی کل بلاد شام کے ساتھ برتی اور وہاں کے باشندوں نے بھی بہت آمادگی کے ساتھ انکی حکومت قبول کر لی اور بالآخر اکثر ان میں سے مذہب عیسوی کو چھوڑ کر اپنے ملک گیروں کے دین میں داخل ہو گئے اور انکی زبان کو اختیار کر لیا۔"

عربوں کی حکومت میں رہ کر شام نے پھر وہی سرسبزی حاصل کر لی جو سالہائے دراز سے مفقود ہو گئی تھی۔ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے زمانے میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف اور انسانیت سے برتاؤ کیا اور ان کو پوری آزادی مذہب کی دی۔ ان کے عہد حکومت میں کلیسہ مشرقی اور مغربی دونوں کے رئیس الاساقفہ کو اس قدر آرام ملا جو انھیں اس وقت تک ہرگز نصیب نہ ہوا تھا۔ شام کے تمام بڑے شہر بیت المقدس، صیدون دمشق، صور بہت ہی سرسبز ہو گئے اور حرفت اور فلاحت نے بے انتہا ترقی کی۔"

یوریین مورخوں کا خیال ہے کہ عربوں کے زمانہ حکومت میں شام جس طرح تمام باتوں میں بڑھا ہوا تھا ویسا ہی اب ترکوں کے عہد میں گرا ہوا ہے۔ ایک حد تک یہ کہنا صحیح ہے۔ لیکن اس میں ترکوں کا قصور کم ہے زیادہ تر دیگر اقوام کی خطا ہے جیسا کہ آئندہ ہم بتائیں گے۔

شام میں بنو امیہ کے عہد تک دمشق دار السلطنت رہا۔ ایران حضرت عمرؓ ہی کے وقت میں فتح ہوا تھا۔ ایران اور عرب کی سرحد پر بنو عباس کے عہد میں بغداد بسایا گیا اور دار السلطنت قرار پایا ہارون الرشید اور مامون الرشید کے وقت میں بغداد کو بڑی رونق تھی۔ فتوحات ختم ہو چکی تھیں۔ یا یوں کہیئے کہ ملکوں کی فتوحات سے مسلمان تھک چکے تھے اور تہذیب ملک کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ صنعت، حرفت اور علوم و فنون کا چرچا تھا۔ چارلس بزرگ شہنشاہ نے کہ گویا تمام یورپ کا شہنشاہ تھا ہارون الرشید کے پاس اپنے سفیر بھیج کر نہایت ادب سے یہ خواہش

کی کہ بیت المقدس کے عیسائی زائرین کا بندوبست کیا جائے۔ سفیروں کو ہارون الرشید نے اسی طرح خوش کیا جس طرح ایک مہذب بادشاہ سے امید کی جاسکتی ہے اور چارلس کو چند چیزیں بطور تحفہ کے بھیجیں جن میں ایک گھڑی تھی جو بجتی تھی اور وقت بتاتی تھی۔ چارلس اس وقت تک رومیوں کے تمدن کی تجدید کی کوشش کر رہا تھا لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کے دربار کا کوئی شخص بھی اس گھڑی کے کیل کانٹے نہیں سمجھتا اس نے چاہا کہ مسلمانوں کی تہذیب کی تقلید کی جائے۔ ہارون الرشید کے وقت میں تمام یونانی علوم قدیمہ عربی میں از سر نو زندہ کئے گئے ہندیوں کی کارآمد کی کتابیں بھی کچھ کچھ ترجمہ ہوئیں اسی کے عہد میں سسلی اور اسپین کی طرح بغداد بھی مسلمانوں اور دیگر اقوام کے لئے دارالعلوم قرار پا گیا تھا یوں کہئے کہ آئندہ چل کر اسپین اور سسلی میں بھی بغداد ہی کی تقلید ہوئی۔

ہارون الرشید نے تمام بلاد اسلام کا انتظام کیا۔ سڑکیں بنائی گئیں، ڈاک کا انتظام کیا گیا نامہ بر کبوتروں کی ڈاک بھی قائم کی گئی۔ جس طرح آج کل یورپ میں ڈاک کا محکمہ نہایت اہم خیال کیا جاتا ہے۔ بغداد میں اسی طرح اس صیغہ کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا اور بغیر اس کے اتنی وسیع سلطنت کا جسکی نظیر بدیع عالم سے آج تک نہیں ملتی انتظام بھی تو نہیں ہوسکتا تھا۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے مسلمانوں کے علم دوست ہونے کے متعلق لکھا ہے کہ عربوں میں علم حاصل کرنے کی خواہش اس درجہ تھی کہ خلفائے بغداد ہر ایک تدبیر سے دنیا کے مشہور علما اور اہل کمال کو اپنے دارالسلطنت میں جمع کرتے تھے ایک خلیفہ نے تو شہنشاہ مشرق سے محض اس غرض سے اعلان جنگ کیا کہ وہ ایک مشہور مہندس کو بغداد میں درس دینے کیلئے بھیجنے پر مجبور ہو جائے۔"

ہارون الرشید کی فوجی قوت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے یونان اور روم کے بادشاہ نیسی فورس قسطنطنیہ کو لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ہارون الرشید امیر المومنین کی طرف سے بنام رومی کتے نیسی فورس کے۔ او کافر کے بچے۔ میں نے تیرا خط پڑھا۔ میرے جواب کا متوقع نہ رہ تو دیکھے گا کہ کیا ہوتا ہے۔" شاہ قسطنطنیہ جو یونان اور روم کا جانشین ہوتا تھا، ہمیشہ بغداد کو خراج دیتا تھا لیکن اتفاقاً ایرنی شاہ قسطنطنیہ کو نیسی فورس نے قید کر لیا اور خود تخت پر بیٹھ کر ہارون الرشید کو لکھا کہ اب

ہیں آئندہ خراج نہ دوں گا۔ اس کے جواب میں ہارون الرشید نے وہ خط بھیجا جس کا ذکر اوپر آیا۔ خط کی عبارت کسی قدر غیر مہذب ہے اس زمانہ کی حالت کے مطابق یہ تحریر چنداں بے موقع نہ تھی لیکن عربوں کی سی مہذب قوم کے لئے بہت ہی بدنما تھی بظاہر خلیفہ کی اس قدر تیز تحریر کی وجہ یہ تھی کہ نیسی فورس خود عیسائیوں میں خود نہایت بے رحم اور برا خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے بغاوت کے ذریعہ سے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا تھا اور پھر خلیفہ سے بھی منہ آنا چاہا۔ خلیفہ نے اسے منہ لگانا پسند نہیں کیا اور بجائے جواب لکھنے کے درشت الفاظ میں اطلاع تحریری بھیج دی کہ فوج جاتی ہے غرض کہ ہارون الرشید کی فوج نے تمام ملک کو زیر و زبر کر ڈالا اور نیسی فورس کو خراج دینا ہی پڑا۔ اگر مسلمانوں کی تہذیب دیکھنا ہے تو چارلس شہنشاہ فرانس کے ساتھ جو برتاؤ ہارون الرشید کا ہوا اسے پڑھنا چاہیئے ہارون الرشید اور مامون رشید کے زمانہ میں سرحد چین سے بحر اٹلانٹک تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔ یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ یہ ملک فقط قوت میں بلکہ ترقی تمدن میں بھی دنیا پر فوقیت رکھتا تھا

خلفائے عباسیہ کا خاندان بغداد میں بطور پیشوائے مذہب کے ساتویں صدی تک قائم تھا اس کا خاتمہ ہلاکو خاں بادشاہ مغل کے ہاتھ سے ہوا۔ معتصم باللہ آخیر خلیفہ بغداد مارا گیا شہر میں قتل عام ہوا۔ دولت لٹی۔ کتابیں کچھ جلا دی گئیں۔ کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔ قطب الدین حنفی لکھتے ہیں کہ دجلہ میں اتنی کتابیں پھینکی گئیں کہ آمد و رفت کے لئے پل بن گئیں اور تمام پانی سیاہ ہو گیا۔

ڈاکٹر گستا دلی بان لکھتے ہیں کہ خود ہلاکو خاں جس نے بغداد لوٹا اور آخیر عباسی خلیفہ کی لاش شہر کی فصیل سے لٹکائی عربوں کی حیرت انگیز ترقی سے جو اس کی نظروں میں ایک نئی چیز تھی اس قدر تعجب میں آیا کہ خود اس کا حامی اور محافظ ہو گیا۔ مغلوں نے عربوں کے مدارس میں علوم حاصل کئے اور ان کے مذہب اور ان کے تمدن کو اختیار کیا۔

حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے عہد میں عمر ابن عاص کی سپہ سالاری سے مصر فتح ہوا تھا مصر کو جس طرح مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور جیسا اچھا برتاؤ اس کے باشندوں کے ساتھ کیا اس کے متعلق تمام یورپین مورخ رطب اللسان ہیں ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ "مذہب قانون اور رسم و رواج کی آزادی کے بدلے نیز اس حفاظت اور امن و امان کے بدلے جس کا اطمینان دلایا گیا گیارہ روپیہ

فی کس جزیہ طلب کیا۔ یہ شرط نہایت آمادگی سے منظور کر لی گئی۔ صرف ان باشندوں نے جو یونانی تھے اور جن میں سپاہی، سرکاری ملازم اور پادری شامل تھے اس شرط کو نا منظور کیا اور انھوں نے بھاگ کر اسکندریہ میں پناہ لی۔ جس کا محاصرہ عربوں نے ۱۴ مہینے تک کیا اور اس مدت میں تیس ہزار عربوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ باوجود اس نقصان عظیم کے عمرو شہر کے باشندوں کے ساتھ نہایت ملائمت سے پیش آیا۔ اس نے ان کے کل بغاوت کے فعلوں کو معاف کر دیا اور ان کا عذر قبول کر کے دل جوئی کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نہروں اور بندروں کی مرمت کی اور زر خطیر عمارات اور ابنیہ میں صرف کیا۔ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا جو الزام عمرو پر لگایا جاتا ہے۔ میں اس کی بابت اسی قدر کہوں گا کہ اس قسم کا وحشیانہ فعل عربوں کے اوضاع و عادات کے اس قدر خلاف تھا کہ تعجب ہوتا ہے کہ اس قسم کی مہمل کہانی اتنے دنوں تک رائج رہے اور قبول کی جائے ہمارے زمانہ میں اس واقعہ کی تردید ایسی عمدہ طور پر ہو گئی ہے کہ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں نہایت آسانی کے ساتھ اور بہت ہی صاف اور صحیح حوالوں کے ذریعہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ عربوں سے بہت پہلے خود عیسائیوں نے اسکندریہ کے بت پرستوں کے کتب خانوں کو اسی اہتمام کے ساتھ برباد کر دیا تھا جس اہتمام کے ساتھ انھوں نے انکی مورتیں توڑ ڈالی تھیں اور اس وجہ سے عربوں کے زمانہ میں کتابیں باقی ہی نہ تھیں جو جلائی جائیں "

جس طرح انگریزوں نے ہندوستان میں شروع شروع اور اب بھی رسم ورواج میں بالکل مداخلت نہ کی ملک کو ملک کے دستور پر چھوڑا۔ بالکل ایسا ہی برتاؤ مسلمانوں نے مصر میں کیا تھا اور جس طرح انگریزوں نے شروع شروع دستور ملکی میں رسم ستی کو بند کیا اسی طرح مسلمانوں نے مصر کا یہ دستور بند کیا کہ ہر سال ایک جوان خوبصورت نا کتخدا لڑکی اپنے والدین سے جبر لی جاتی تھی اور دریائے نیل میں وہ اس لیۓ پھینک دی جاتی تھی کہ دریائے نیل اپنے سیلاب میں جس پر ملک کی مرفہ الحالی مبنی تھی بخل نہ کرے۔

یہ امر بھی تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں عیسائیوں کا بطریق مسلمانوں کی طرف سے مقرر کیا گیا اور مسلمانوں کے شہر میں بھی عیسائیوں کو کلیسا بنانے کی اجازت دی گئی مسلمانوں

پر یہ الزام کہ وہ دوسروں کی عبادت گاہوں کا گروانا واجب سمجھتے تھے بالکل ہی غلط ہوا جاتا ہے۔

مصر کے مسلمان تجارت کی وجہ سے نہایت ہی مالدار تھے اور مسلمانوں کے عہد میں ان کا تمول بے مثل ہو گیا تھا۔ اس وقت شاید ہی کوئی ملک اس درجہ مالدار تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا کی تمام تجارتوں کے ٹھیکیدار تھے۔ شمال کے تمام جہاز مصر میں رکتے تھے اور جنوب کے بھی تمام جہاز مصر کے بندروں میں پہنچتے تھے۔ نہر سوئز نہ تھی اور نہ دوسری قوموں کی مداخلت تھی۔ مصر کے بادشاہ اس طرح تمام دنیا کی تجارتوں پر حکمرانی کرتے تھے اور مصری عرب خود بھی ملک التجار تھے اس تجارت میں تنزل واسکوڈی گاما کی وجہ سے ہوا جس نے کیپ آف گڈ ہوپ سے ہو کر ہندوستان کے بندر مالا بار میں اپنا جہاز پہنچایا۔ اس نئے راستے نے مصر کے عربوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ عربوں نے بہت زور لگایا کہ پرتگیزوں کو ہند میں بڑھنے نہ دیں۔ لیکن پرتگیزوں کو عرب نہ روک سکے اور یہی وہ زمانہ ہے کہ عربوں کی بحری تجارت میں پرتگیز رقیب ٹھہرے اور پرتگیزوں کی دیکھا دیکھی یورپ کی اور قومیں بھی جہازرانی میں بڑھنے لگیں اور عرب بحری تجارت میں گھٹنے لگے۔

اسپین کے باشندوں کے ساتھ عربوں نے وہی سلوک کیا جو انھوں نے شام اور مصر میں کیا تھا۔ ان کا مال ان کے کلیسے ان کے قوانین انھیں دیئے اور یہ روا رکھا کہ ان کے ہم قوم حکام ان کا انصاف کریں اور ایک خفیف سالانہ جزیہ ان پر مقرر کیا جو امراء سے ایک دینار سرخ اور غرباء سے نصف دینار تھا یہ شرائط اس قدر نرم تھیں کہ رعایا نے بخوشی ان کو قبول کیا۔

عربوں نے اندلس میں فتوحات ختم کرنے کے بعد ملک کے تمدن پر نظر کی۔ زراعت میں ترقی کی۔ سڑکیں بنائیں۔ مدرسہ قائم کئے۔ تحقیقات علمی کے مقامات بنائے یونانی کتابوں کے ترجمہ شائع کئے مثل بغداد کے ان علوم قدیمہ میں از سر نو جان ڈالی حرفت و تجارت کا بھی ایسا ہی زور و شور رہا۔ معدنیات اسلحہ، ریشمی کپڑے شکر اور مدبوغ چمڑے یہاں سے دوسرے ملکوں میں بکثرت روانہ کئے جاتے تھے۔ عربوں میں زراعت کی صلاحیت تمام کاموں سے بڑھ کر تھی اس وقت تک اسپین میں آب پاشی کے ذرائع مسلمانوں کی یادگار ہیں نہ اسپین مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ویران ہو گیا ورنہ مسلمانوں کے عروج کے زمانہ میں یہ ملک تمام یورپ پر فوقیت رکھتا تھا۔ یورپ کے مختلف لوگ یہاں آ کر

علوم پڑھتے تھے دور دور کے بادشاہ یہاں کے اطباء سے علاج کرانے آتے تھے اور عربوں کی تہذیب پر بھروسہ رکھتے تھے۔

مذہبی تعصب اسپین کے عربوں میں بالکل نہ تھا۔ عیسائی نہایت آرام سے رہتے تھے۔ عیسائی سلطنتوں میں یہودیوں کو تکلیف تھی اس لئے وہ ہر جگہ سے آکر اسپین میں بکثرت آباد ہو گئے تھے۔ مسلمان نصرانی عورتوں سے برابر بیاہ کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثالث شاہ اسپین کی ماں نصرانی تھی۔ غرض کہ چند صدیوں میں عربوں نے اسپین کو علمی اور مالی ترقی کے لحاظ سے بدل دیا اور اس کو یورپ کا سرتاج بنا دیا محض مالی اور علمی اعتبار سے نہیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی کہ عیسائیوں کو انھوں نے بیش بہا خصلت انسانی سکھائی مسلمانوں کے میل جول سے قبل یورپ کی بہادری وحشیانہ حالت میں تھی۔ فطرت انسانی کی عزت نہ کرنا وہ بہادری سمجھتے تھے۔ جنگ ڈویل اب تک اس بہادری کی یادگار ہے۔ عربوں کی بہادری باقاعدہ تھی، وہ اصول سپہ گری سمجھتے تھے۔ کمزور کا خیال رکھتے تھے۔ عہد و پیمان کا از بس خیال رکھتے تھے مفتوح کے ساتھ مہربانی کرتے تھے۔ یورپ کے عیسائیوں نے ان ہی اسپین کے عربوں سے سچی بہادری کا سبق سیکھا اس وقت کے عربوں میں بہادر ہونے کے لئے دس خصلتیں ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ شمشیر زنی[۱]۔ تیر اندازی[۲] شہسواری[۳]۔ طاقت جسمانی[۴]۔ فصاحت[۵]۔ شاعری[۶]۔ خوش اخلاقی[۷]۔ شجاعت[۸]۔ نیزہ بازی[۹] اور سخاوت[۱۰] یورپین مورخ بھی معترف ہیں کہ اسپین کے مسلمانوں میں یہ خصلتیں اعلیٰ درجہ پر تھیں۔ مثلاً اپنے زمانہ انحطاط میں سلطان والئی قرطبہ نے طلیطلہ کا محاصرہ کیا جو اس وقت ایک عیسائی شہزادی کی حکومت میں تھا۔ اس محصور شہزادی نے ایک قاصد سے کہلا بھیجا کہ "کیا عورتوں پر حملہ کرنا بہادری کا شیوہ ہے" عربی سپہ سالار نے فوراً محاصرہ اٹھا لیا۔

آج کل جو بہادری اور تہذیب فن جنگ میں دیکھی جاتی ہے اس کے معلم ہونے کا فخر مسلمانوں کو حاصل ہے۔ ورنہ یورپ کی بہادری زندہ آگ میں جلانا۔ کتوں سے یا اور درندے جانوروں سے انسان کا ہلاک کروانا وغیرہ وغیرہ تھی۔ قساوت قلبی کا نام گویا بہادری تھا۔ اس کو بخوبی سمجھنے کیلئے "عربوں کی بہادری" فصل ہشتم کتاب ہذا پڑھیے۔

مصر لسبب غلاموں کی تجارت کے بھی زمانہ اسلام میں مالدار تھا۔ بربر اور افریقہ کے غلام انھیں

کے ذریعہ سے آکر جنوب میں فروخت ہوتے تھے۔ غلاموں کی تجارت مصریوں پر محدود نہ تھی۔ بہت سی عیسائی قومیں بھی تجارت کرتی تھیں لیکن اس اعتبار سے کہ تمام بحری تجارت کی حکومت ایک زمانہ میں مصریوں کو حاصل تھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ غلاموں کی تجارت پر بھی ان کی حکمرانی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے زمانہ حکومت میں تمام دنیا پر مختلف احسانات کئے ہیں۔ جہاں سیکڑوں فائدے پہنچائے وہاں یہ ایک نقصان بھی سہی۔ نہیں نہیں! مسلمان اس بارے میں بھی فائدہ پہنچاتے تھے مسلمانوں میں غلامی مذہباً بہت ہی محدود حالت میں تھی۔ "اسلام اور غلامی" میں تفصیلی حالات ظاہر کئے جائیں گے۔ یہاں غلامی ان معنوں میں لی جاتی ہے جو مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں برابر روا رکھی ہے۔ مسلمان ملکی لڑائیوں میں غیر قوم کو جب قید کرتے تھے تو ان کو جیل خانوں میں نہیں رکھتے تھے بلکہ معاوضہ جنگ یا معاوضہ شخصی لے کر چھوڑ دیتے تھے یا ثواب عاقبت کے لئے آزاد کر دیتے تھے کیونکہ ان کی شرع نے غلاموں کے آزاد کرنے کا از حد فائدہ بتایا ہے اور کبھی کبھی ان کو غلام بنا کر اپنے پاس بھی رکھتے تھے۔ یہ پچھلی صورت ادنیٰ درجہ کی صورت ہے اور دائمی قید سے ہر حالت میں اچھی ہے اس صورت میں مسلمانوں کی بے انتہا شجاعت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ بے تکلف اپنے دشمنوں کو اپنے پاس رکھتے تھے اور اس امر کا ذرا ڈر نہ کرتے تھے کہ وہ موقع پاکر دغا دیں گے ان غلاموں کے ساتھ بے انتہا اچھا سلوک مسلمان کرتے تھے جیسا کہ "غلاموں کی حالت" فصل نمبر ۹ میں ہم نے دکھایا ہے فوج کی افسری دیتے تھے۔ خزانہ کی افسری تعلق کرتے تھے۔ قلمدان وزارت سپرد کرتے تھے اپنی لڑکیاں تک ان کے نکاح میں دیدیتے تھے۔ مسلمانوں کے غلاموں کی حالت دوسروں کے لئے باعث رشک ہوتی تھی یہ غلام مصر میں بارہا بادشاہ بھی ہو گئے ہیں۔ غلام بادشاہوں کا سلسلہ جس طرح ہندوستان میں ہے اسی طرح مصر میں بھی غلام بادشاہوں کا سلسلہ قائم ہے مسلمانوں کے غلام عیسائیوں کے غلام نہ تھے۔ یورپ کی تاریخوں میں جو غلاموں کی بری حالت کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ وہ عیسائیوں کے غلام یا قدیم رومیوں کے غلام ہیں مسلمانوں کے غلام ایسی حالت میں کبھی نہیں تھے۔

یہ حالت تو ایک مہذب غلامی کی تھی اور قریب قریب دوسری قوموں میں بھی اس طرح کی غلامی روا رکھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی غلامی کا دستور رائج تھا یعنی سرقہ انسان جہاز پر ڈاکو ساحل بحر میں سیر کرتے تھے۔ جہاز سے اترے مال لوٹا آدمی جہاز میں بھر لئے اور چل دیئے

یورپ کی اکثر نام آور قوموں کی ابتداء انھیں قزاقیوں سے ہوئی ہے۔ جہازوں کی لوٹ ابھی حال ہی میں معیوب سمجھی گئی ہے ورنہ عرصہ تک یہ جائز کمائی سمجھی جاتی تھی۔ مسلمان اپنے عروج یا انحطاط کے زمانہ میں اس قسم کے قزاق نہ تھے۔ شخصی بحث نہیں ہے۔ بلکہ قومی شعار کا تذکرہ ہے ان کی قوم نے کبھی اس کو جائز نہیں رکھا ان بحری قزاقوں سے مسلمان بردہ ضرور خرید کرتے تھے لیکن یہ خریداری اعانت بالواسطہ سے الگ کر کے دیکھی جائے تو غلاموں کے ساتھ بے انتہا سلوک کرنا تھا۔ ایک طور پر اور بھی یہ مسلمان نوع انسانی کے محسن تھے کہ جب کبھی وحشی قومیں باہم لڑتی تھیں تو وہ قیدیوں کو محض اس لئے ہلاک نہیں کرتی تھیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ ان کو فروخت کرنے سے زر نقد وصول ہوتا تھا۔ کچھ قومیں ایسی بھی بیان کی جاتی ہیں جو اپنے دشمنوں کو کھا جاتی تھیں وہ مردم خوار قومیں بھی طمع زر سے بجائے کھانے کے مسلمانوں کے ہاتھ اپنے غلام بیچ ڈالتی تھیں۔ اس وقت اس مہذب زمانہ کا ذکر نہیں ہے۔ انگلستان نے اور اس کی دیکھا دیکھی تمام یورپ نے غلامی اٹھا کر نوع انسانی پر بیشک بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کرتے ہیں اس زمانہ میں مسلمانوں نے غلاموں کی تجارت قائم رکھ کر بھی نوع انسانی پر ویسا ہی احسان کیا تھا جیسا کہ اب بردہ فروشی بند کرنے سے کیا جاتا ہے۔

اسپین میں فن تعمیر بہت زیادہ رونق پر تھا۔ مسلمانوں کے وقت کی عمارتیں عیسائیوں نے خراب کر ڈالیں اور اب خود ان کو اس کا افسوس ہے۔ بچی بچائی عمارتیں رہ گئی ہیں وہ دیکھنے والوں کو بے انتہا حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اس وقت پانچ پانچ چھ چھ سو برس کی عمارتیں ایسی موجود ہیں کہ گویا ابھی صدی میں بنائی گئی ہیں بہت سی عمارتیں ایسی بھی ہیں جو آج تک سنگ مرمر کی سمجھی گئی تھیں اور اب حال میں پانچ چھ سو برس کے بعد یہ معلوم ہوا ہے کہ اصلی سنگ مرمر ان میں نہیں لگایا گیا ہے بلکہ مصالح سے مصنوعی سنگ مرمر بنایا گیا تھا۔

جزیرہ سسلی میں بھی مسلمانوں کی حکومت تین سو برس تک۔ کتنی مامون رشید کے ابتدا جب دور دور کے صوبہ دار خود مختار ہو چلے تو منجملہ ان خود مختار صوبہ داروں کے شمالی افریقہ کے صوبہ دار نے عربی اور بربری مخلوط النسل قوم کی ایک سلطنت قائم کی یہ سلطنت بغداد اور اسپین سے الگ تھی یہاں کے مسلمانوں نے سسلی میں تیسری صدی کی ابتداء میں لڑائی کر کے ایک مستقل سلطنت قائم کی

جس میں بالآخر مالٹا ۔ سسلی وغیرہ جزائر یورپ مع جنوبی اٹلی کے شامل ہو گئے تھے ۔

ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں کہ " اگرچہ مصر اور اندلس کا سا تمدن عربوں نے اس جزیرہ میں قائم نہیں کیا۔ پھر بھی انھوں نے یہاں بڑی ترقی کی تھی عربوں کے زمانہ میں سسلی کی حالت علم ۔ حرفت اور اخلاق میں اس حالت سے جو ان کے جانے کے بعد رہ گئی تھی بہت زیادہ عروج پر تھی ۔ سسلی میں مسلمان تین سو برس تک حاکم ہو کر رہے اور پھر سو برس تک محکوم ہو کر رہے زمانہ حکومت میں یورپ بھی ان کا باجگذار تھا اور حالت محکومی میں وہ اپنے فاتحین کے مشیر تھے ۔ اٹلی اور اس کے گرد ولواح میں ان کی وجہ سے بہت کچھ تہذیب پھیلی "۔

جس طرح محمود غزنوی کے حملوں نے ہندوستان میں مسلمان کو بدنام کیا اسی طرح بربری مسلمانوں کے حملوں نے شروع شروع سسلی میں مسلمانوں کو ضرور بدنام کیا ۔ مصر ۔ شام ۔ اسپین ۔ بغداد کی طرح رعایا کی دلجوئی میں انھوں نے وہ نمونہ نہیں دکھلایا جس کے لئے وہ مشہور تھے جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سسلی میں مستقل حکومت قائم کرنے کا ارادہ مسلمانوں نے نہیں کیا تھا اور اس لئے وہاں انکی گورنمنٹ بہت مہذب نہ تھی ۔ لیکن پھر بھی ان مسلمانوں کی گورنمنٹ سسلی میں یورپ کی تمام ہم عصر گورنمنٹوں سے اچھی تھی ۔ جس کے ثبوت میں ہم پوپ کا ایک خط نقل کرتے ہیں ۔

مسلمانوں کا سسلی میں آنا اس وقت ہوا تھا جب قسطنطنیہ کے گورنر متعینہ سسلی کو ایک امیر البحر نے مار ڈالا تھا ۔ اور پھر امیر البحر کے مقابلہ میں تمام باشندے باغی ہو رہے تھے ۔ مسلمان یہاں پر امیر البحر کی مدد کو آئے تھے لیکن پھر یہیں رہ گئے جب تک یہ یہاں تھے سسلی کو اپنا وطن نہیں سمجھے اور نہ زیادہ مستقل حکومت قائم کی اور اس لئے بالآخر یہاں کے عیسائیوں نے نارمن سے بمقابلہ عربوں کے مدد چاہی ۔ نارمن نے مسلمانوں کو مغلوب کیا لیکن وہ باوجود عیسائی ہونے کے عیسائیوں کے حق میں عربوں سے بھی سخت تر بلا ثابت ہوئے اس بلا کو خود عیسائی حامیان دین نے بلایا تھا اور جب ان پر ثابت ہوا کہ نارمنوں کی دوستی عربوں کی دشمنی سے بد تر ہے تو انھوں نے پوپ سے پناہ مانگی پوپ نے بہت کچھ شور وغل مچایا اور بالآخر نارمنوں کو کفر کا فتویٰ دیا ۔ لیکن اس جنگ جو قوم نے اپنی لوٹ کھسوٹ کے سامنے ایک نہ سنی ۔ اخیر میں پوپ نے شاہ قسطنطنیہ کے نام ایک چٹھی بھیجی جو درج ذیل ہے ۔

لیو نہم پوپ روم کی چٹھی شاہ قسطنطنیہ کے نام

"میرے بیٹے آرگی! روس کے ایلچیوں کی داستان سن کر میرے دل کو سخت صدمہ ہوا۔ نارمنوں کی خودسری اور شرارت اور ان کا فسق و فجور جو کفار سے بھی بدتر ہے دیکھ کر ارادہ کر لیا کہ اطالیہ کو ان اغیار کے ظلم سے نجات دوں۔ نارمن طیش کی حالت میں کسی چیز کو نہیں مانتے وہ عیسائیوں کا گلا کاٹتے ہیں اور ان پر انواع واقسام کے تشدد کرتے ہیں۔ یہ انسانیت سے اس درجہ گر گئے ہوئے ہیں کہ نہ تو انھیں عمر کا پاس ہے اور نہ مرد و زن کا۔ یہ اولیائے کلیسوں کو لوٹ لیتے ہیں ان میں آگ لگا دیتے ہیں اور ان کو برباد کر دیتے ہیں۔ ہر ایک کو لوٹتے ہیں۔ میں نے انھیں بارہا ملامت کی ہے انھیں روکا ہے ان سے منت و سماجت کی ہے انھیں خوف خداد لایا ہے لیکن کیا اچھا کسی عقلمند نے کہا ہے "جسے خدا گمراہ کرے وہ کبھی راہ پر نہیں آتا۔ اور دیوانہ باتوں سے نہیں مانتا۔ اب میں نے بمجبوری ان ناقابل برداشت اغیار کے ساتھ لڑنے پر کمر باندھی ہے اور یہ لڑائی جائز اور متبرک لڑائی ہے۔ کیونکہ میں اسکو حفاظت دین اور حفاظت خلائق کے لیے اختیار کرتا ہوں۔"

شہنشاہ قسطنطنیہ نے کچھ خیال نہیں کیا تو دوسرے بادشاہان یورپ کے پاس اس نے چٹھیاں لکھیں جب کسی نے سماعت نہ کی تو اس نے خود بڑے اہتمام سے لڑائی کی اور بالآخر نارمنوں کے ہاتھوں قید ہوا اور بڑی بڑی سخت شرطوں کے ساتھ چھوٹا۔ اب یہ وہ زمانہ آیا کہ سسلی اور اس کے گرد و نواح کے جزائر جزاً نارمن کے قبضہ میں تھے اور جزاً مسلمانوں کے قبضہ میں تھے نارمنوں کے مظالم اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ کھلے کھلے طور پر تھے۔ خانقاہوں کو لوٹنا راہبوں کا قتل کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ بالآخر وہ لوگ بھی عادی ہو گئے تھے۔ نارمنوں نے جہاں پایا راہبوں کو قتل کیا۔ اور راہبوں نے جہاں نارمنوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا مار ڈالا۔ مسلمانوں کی نماز جنگیوں نے جس طرح آگے چل کر مسلمانوں کا خاتمہ اسپین میں کیا اسی طرح سسلی میں بھی مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ ۱۰۷۲ء میں ہوا۔ لیکن مابعد کے عیسائی بادشاہوں نے مسلمانوں کے صلاح و مشورہ سے ان کے تمدن اور حکومت کے قاعدوں کی پابندی کے ساتھ عرصہ تک سسلی میں حکومت کی اور اس طرح مسلمانوں کے تمدن کا بہت بڑا اثر عیسائیوں پر پڑا۔ بعض مورخوں نے بغداد اور اسپین کے مسلمانوں کی طرح سسلی

کے مسلمانوں کو بھی حسن معاشرت اور طریقہ تمدن سکھانے میں یورپ کا استاد مانا ہے۔

فرانس میں بھی مسلمانوں کی عملداری دو سو برس تک تھی۔ عبدالرحمٰن نے نصف فرانس تک فتح کر لیا تھا اور ٹوڈرہ کی لڑائی میں چارلس مارٹل نے مسلمانوں کے بڑھنے کو روکا یا یوں کہیے کہ چارلس مارٹل کا مقابلہ کرنے کی بجائے مسلمان یہ مناسب سمجھے کہ مال غنیمت کو وہ اسپین تک پہنچا دیں۔ چارلس مارٹل کے مقابلہ کو بعض یورپین مورخ مسلمانوں کے سیلاب بلا کا روکنا تصور کرتے ہیں اور بعض مورخ سیلاب رحمت کا روکنا خیال کرتے ہیں۔ اسپین میں تہذیب کا ستارہ صدیوں تک چمکتا رہا اور بمقابلہ اسپین کے تمام یورپ جہالت کی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ ایک امر مسلمہ ہے۔ اب بعض خیال کرتے ہیں کہ مسلمان اگر اور بھی بڑھتے تو مثل اسپین کے یورپ کے اور حصہ بھی روشن ہو جاتے یعنی شمالی یورپ تاریکی میں نہ رہتا اگر چارلس مارٹل مسلمانوں کا بڑھنا روک نہ دیتا۔ صائب الرائے مورخین کا یہ قول ہے کہ ٹوڈر کی لڑائی مسلمانوں کے رک جانے کے لئے محض ایک حیلہ تھی۔ مسلمان شمالی فرانس نیز اس کے شمال یورپ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ سرد آب و ہوا ان کو ناپسند تھی اور وہ اسی وجہ سے آگے نہیں بڑھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو صدیوں تک فرانس جنوبی پر قبضہ اسپین کے مسلمانوں کا اسی طرح تھا جس طرح قطب الدین ایبک کے قبل سلاطین غور و غزنی ہند کی بادشاہت کرتے تھے یعنی ان کی حیثیت فارن گورنمنٹ کی تھی اور ملک کی تمدنی حالت سے ان کو دلچسپی نہ تھی اس لئے عربوں کے تمام ممالک مفتوحہ میں صرف جنوبی فرانس ایسا ملک ہے جس پر مسلمانوں نے اپنی تمدنی برکت بہت کم پھیلائی ہے لیکن پھر بھی جنوبی فرانس میں مسلمانوں کی بدولت بہ نسبت شمالی فرانس کے صنعت و حرفت اور تجارت میں زیادہ تر ترقی کی تھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسپین سے اول اول اکتساب علوم کرنے کی وجہ سے تمام فرانس میں رفتہ رفتہ روشنی پھیلی اور مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی سلطنتوں میں فرانس ہی نے اول اول مہذب گورنمنٹ کا خطاب حاصل کیا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے جتنے ممالک فتح کئے وہ عموماً دو قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جن میں کسی زمانہ میں مہذب قوموں کی حکومتیں رہ چکی تھیں دوسری وہ جہاں مہذب قوم کا کبھی سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ پہلی قسم کے ممالک میں بجز ارکین دولت کے اور سب کے سب از قسم بہایم سمجھے جاتے تھے

گویا ان کین دولت کی آسائش اور آرام بہم پہنچانے کے لئے وہ مواشی تھے اور دوسرے قسم کے ممالک کے باشندے آزاد تھے مگر ان کی آزادی بہایم سے کم نہ تھی۔ جس طرح جنگلوں میں مواشی کے گلے چلتے پھرتے ہیں اسی طرح ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ زندگی بسر کرتا تھا اور سٹھ بھیڑ ہو جانے کی حالت میں درندوں کی طرح آپس میں لڑتا تھا۔ مسلمانوں کے احسانات اگر بالاختصار بیان کرنا چاہیں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ پہلے قسم کے ممالک کو یعنی شام مصر اسپین فرانس اٹلی جزائر متعلقہ اٹلی ارمنی روم ایران ۔ افغانستان اور ہندوستان کو اسلام نے غلامی سے آزاد کرایا۔ اور دوسرے قسم کے ممالک یعنی افریقہ ترکستان، تاتار خاص۔ چینی تاتار۔ مجمع الجزائر وغیرہ کے باشندوں کو حیوان سے انسان بنایا۔ یورپ کے باشندوں کے ساتھ تو مسلمانوں نے اتنا بڑا احسان کیا کہ خود کو بھی ان کے مقابلہ میں نیچا کر دیا۔ چین ایک ایسا ملک ہے جو ہمیشہ مہذب ممالک سے دور رہا۔ غیر ملکوں کی تہذیب کا سایہ بھی اس پر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے باشندے بقدر ضرورت حرفت و صنعت شروع سے جانتے ہیں اور جتنا بھی جانتے ہیں اس پر ہمیشہ قانع رہے۔ مذہبی خیال میں وہ ہمیشہ بودے رہے اور اس لئے اپنے ملک سے باہر کبھی وہ اپنی روشنی نہ دکھا سکے۔ بودھ مذہب نے وہاں پہنچ کر اپنا قبضہ اس لئے کر لیا کہ اس کے قبل وہاں کوئی مذہب نہ تھا۔ بودھ مذہب اعلیٰ مذہب نہیں ہے۔ مذہب کے دو حصے ہیں (۱) ایک اعلیٰ قوت سے اپنے کو نیچا سمجھنا (۲) تمام دیگر قوتوں سے اپنے کو اعلیٰ سمجھنا ۔ مذہب اسلام میں یہ دونوں اجزا موجود ہیں لیکن بودھ مذہب میں صرف دوسرا جزو ہے۔ ان اجزاء کی تفصیل ہم "علمی مباحث" کے باب میں بیان کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ چین میں مسلمانوں کے ذریعہ سے یہ پہلا جزو بھی پہنچا۔ چینیوں نے جو اپنے کو اتنے روز تک قائم رکھا اس میں مسلمانوں کے میل جول کی برکات کو بھی بڑا دخل تھا۔ پروفیسر بلیوٹ نے جو خیالات مسلمانان چین کی نسبت ظاہر کئے ہیں ہم نے اس کتاب میں اسکا ترجمہ نقل کیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چین میں مسلمانوں نے کیا کیا اور کیا کر رہے ہیں۔ باشندگان ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں نے جو احسانات کئے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ مسلمان جس وقت یہاں آئے چھوٹوں پر بڑوں کے مظالم بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پونشس نہایت سادہ تھی۔ عورتوں کے حقوق بالکل پامال تھے مذہبی سختیاں بہت زیادہ پھیلی ہوئی تھیں خیالات

یہی تاریکی تھی۔ جو باشندے مسلمان ہو گئے ان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جو مسلمان نہیں ہوئے انکی حالت نے بھی ہر اعتبار سے مسلمانوں کے عہد میں بہت زیادہ ترقی کی اب بھی مسلمانوں کی آبادیوں میں جو ہنود بستے ہیں ان کے اطوار اور طرز ماند و بود ان ہندوؤں سے جنکو مسلمانوں کی صحبت نصیب نہیں ہوئی کہیں زیادہ مہذب اور شائستہ ہیں۔ بحث اور حجت کی ضرورت نہیں ہے ایک سرسری خیال تمام باشندگان ہند کی حالت کا کیا جائے تو بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ ہم کیا کہتے ہیں۔ مگر اس خیال کے وقت وہ صورتیں علیحدہ رکھی جائیں جن کو انگریزی تعلیم نے درست کر دیا ہے غرض کہ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مسلمانوں کے جو احسانات عالم پر ہیں وہ از قسم بدیہات ہیں۔

فصل نمبر ۱۸

جنگ صلیبی

جنگ صلیبی نے بھی انتہا کی تہذیب یورپ میں پھیلائی۔ اور یہ تہذیب مسلمانوں سے اکتساب کی گئی ہے مفصل بیان ذیل میں پڑھنا چاہیئے۔

جنگ صلیبی دنیا کے اہم واقعات سے ہے۔ دو سو برس تک یورپ کے تمام عیسائی اپنی متفقہ قوت کے ساتھ شاہان مصر اور شام سے لڑتے رہے کہ فلسطین بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑا لیں۔ لیکن وہ بالآخر ناکام رہے ان لڑائیوں کو کروسیڈ کہتے ہیں جس کا ترجمہ "جنگ صلیبی" ہے۔

دوسری صدی ہجری میں شارلیمین نے ہارون الرشید سے عیسائیوں کے لئے فلسطین کی زیارت کی اجازت لی تھی اور ہارون الرشید نے نہایت خندہ پیشانی سے اسے منظور کیا تھا اس کے قبل مسلمانوں کی فتوحات کی ابتدا تھی۔ عیسائی جلتی ہوئی آگ میں کودنا پسند نہ کرتے تھے اور ایک طور پر زیارت کا خیال ہی ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ لیکن امن قائم ہونے پر جس طرح شارلیمین کی درخواست پسندیدہ تھی اسی طرح ہارون الرشید کی اجازت بھی مقتضائے انسانیت تھی۔ جب تک عربوں کا زمانہ تھا زیارت میں نہایت سہولت تھی۔ کچھ تو عربوں کا رعب تمام یورپ پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ عیسائی زائرین اعتدال سے بڑھ نہیں سکتے تھے۔ اور کچھ عربوں کا طرز تمدن اس قسم کا تھا کہ عیسائیوں کے خلاف

مزاج کوئی بات ہو نہ سکتی تھی۔ سوءِ اتفاق .... دونوں باتوں میں انقلاب پیدا ہوا۔ فرانس سے مسلمانوں کی حکومت اٹھ گئی۔ سسلی میں مسلمان عیسائیوں کے محکوم ہو گئے۔ ایشیا میں اسلامی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے یہ حالت دیکھ کر عیسائیوں کا دل بڑھا اور وہ مسلمانوں کی نسبت سمجھنے لگے کہ یہ ایسی قوم نہیں ہے کہ کسی طرح مغلوب نہ ہو سکے۔ اب زائرین بیت المقدس ذرا شان و شوکت سے آنے لگے۔ یہاں عربوں کی حکومت اٹھ چکی تھی۔ ترکمانوں میں عربوں کی سی سیر چشمی ان معاملات میں نہ تھی وہ عیسائیوں کی آزادی دیکھ نہ سکتے تھے رفتہ رفتہ زائروں کی بھی نوعیت بدل گئی۔ اب وہ بڑی تعداد میں آنے لگے ان کا آنا گویا ایک فوج لے کر ملک پر حملہ کرنا تھا۔ پوپ نے بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ زیارت بیت المقدس قرار دیا تھا اس لئے ان زائرین میں بڑے بڑے جرائم پیشہ ہوتے تھے اور مذہبی خیالات کے لوگ کم ہوتے تھے وہ جب اپنے غول سے آتے تھے تو ایسے ہی آزاد ہوتے تھے جس طرح ہندوستان میں محرم کا ایک تعزیہ دار ایک سپاہی ہوتا ہے حاکم فلسطین نے ان کی بجا آزادی پسند نہیں کی اور رفتہ رفتہ بے لطفی بڑھتی گئی۔ بالآخر پیٹر ایک شخص نے اپنے کو پیشوائے مذہب بنا کر پوپ سے فلسطین کو مسلمانوں سے چھڑانے کا فتویٰ لیا اور تمام یورپ کو متفق کر کے بیت المقدس کے لئے لڑنے پر آمادہ کیا اس تحریک کی وجہ سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں جس کا سلسلہ دو سو برس تک قائم رہا۔ پیٹر تو دو سو برس تک زندہ نہ رہا لیکن جو تعصبات روز بروز بڑھتے گئے ان کا دو سو برس تک قائم رہنا مستبعد نہ تھا۔ بالآخر عیسائیوں نے دو سو برس کے بعد جب خوب خیال کیا کہ ابھی مسلمان اتنے گرے ہوئے نہیں ہیں کہ دنیا میں ان کی عظمت تسلیم نہ کی جائے تب کہیں سلسلہ جنگ منقطع ہوا۔

اول اول اتنی فوج عیسائیوں نے جمع کی تھی کہ اگر ان میں ذرا سی بھی شائستگی ہوتی تو تمام دنیا وہ فتح کر سکتے تھے۔ تیرہ لاکھ فوج سے تمام یورپ کے امرا اور سلاطین فلسطین کی طرف چلے تھے۔ رسالے کر نہیں چلے تھے رسد کے لئے پہلے انھوں نے عیسائیوں ہی کو لوٹا اور ان کے املاک غارت کئے اور بالآخر عیسائیوں کے گوشت سے ان کو پیٹ بھرنے کی نوبت آئی اس طرح مر کھپ کر جو فلسطین تک پہنچے وہ بھی مسلمانوں کے لئے بہت تھے بالخصوص ایسی حالت میں کہ بغداد اور مصر کی ناچاقیوں نے اسلامی حکومت میں بے انتہا کمزوریاں پیدا کر رکھی تھیں۔ عیسائی فتحیاب ہوئے لیکن ان کو اس فتحیابی سے کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچا۔

بجز اس کے کہ وہ فلسطین پر ۸۸ برس تک قابض رہے اس اثناء میں ان عیسائیوں کی وجہ سے شام کا ملک جو صنعت و حرفت اور زراعت میں بے مثل تھا پامال ہوا اور ایسا پامال ہوا کہ پھر اب تک نہ پنپا مورخین لکھتے ہیں کہ عربوں کے تمدن کا شام سے اٹھ جانا شام کی بربادی کا سبب ہوا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر عیسائیوں کے ہاتھ سے یہ ملک تباہ نہ ہوتا تو ترک بھی اس کی حالت بدستور قائم رکھ سکتے تھے۔

مسلمانوں پر یہ شکست بہت شاق گزری اور آہستہ آہستہ انھوں نے اپنی کمی پوری کرنا شروع کی۔ ایک مسلمان سپہ سالار صلح الدین نے پہلے اپنے کو مصر کا پھر عرب کا بعدازاں بغداد کا بادشاہ بنا کر اور اس طرح مسلمانوں کی متفرق قوتوں کو یکجا کر کے شام کی مستقل حکومت اور عیسائیوں کے اخراج کا ارادہ کیا۔ صلح الدین کو فتح ہوئی اور اس نے تمام یورپ پر ثابت کر دیا کہ مسلمان تمام قوموں میں اس لئے شجاع کہے جاتے ہیں کہ ان میں تہذیب کا مادہ بڑھا ہوا تھا۔ عیسائیوں کی سابق زیادتیاں صلاح الدین کے پیش نظر تھیں کہ ایک مسلمان کو بھی بیت المقدس میں عیسائیوں نے زندہ نہ چھوڑا تھا۔ حتی کہ عورتوں اور بچوں کو بھی مار ڈالا تھا اور جب مارنے سے ان کے ہاتھ تھک گئے تو آگ میں جلا ڈالا تھا۔ لیکن اس کے عوض میں اس نے اپنی باری میں عیسائیوں کے ساتھ نہایت ہی رحم کا برتاؤ کیا ایک جان بھی نہیں ماری اور ایک خفیف رقم جزیہ کا اقرار لے کر سب کو پوری آزادی دیدی اس کے بعد چھ لڑائیاں اور ہوئیں اور اکثر میں یورپ کی متفقہ قوتیں شریک بھی ہوئیں لیکن مسلمانوں کو عیسائی نہ ہٹا سکے غرض کہ دو سو برس تک یہ طوفان بے تمیزی برپا رہا۔ ان لڑائیوں کو صلیبی جنگ کی جگہ یورپ اور ایشیا کی لڑائی کہیں تو بجا ہے اس دو سو برس کے عرصہ میں بہت سی باتیں پیدا ہو گئیں مثلاً پوپ کا پیشوائے مذہب ہونا اس صلیبی جنگ کی وجہ سے عام طور پر تسلیم کیا گیا فرانس اور اٹلی کی حکومت نہایت کمزور ہو گئی تھی اس جنگ نے ان کی قوتیں بڑھا دیں اس لئے کہ تمام چھوٹے چھوٹے امراء نے اپنی اپنی جاگیریں بیچ کر لڑائی میں خرچ کر دیا چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مٹ جانے سے شہنشاہی کو قوت پہنچ گئی برخلاف اس کے جرمنی کی قوت گھٹ گئی کہ وہاں خود گورنمنٹ نے بہ نسبت جاگیرداروں کے زیادہ دلچسپی ظاہر کی تھی۔

اس مذہبی جنگ کے ختم ہونے پر عیسائیوں میں ایک مذہب مقلدین لوتھر کا نکلا جو عیسائیوں کی موجودہ حالت قابل اصلاح سمجھتا۔ جنگ صلیبی کی وجہ سے عیسائی قوتیں قتل و خونریزی میں

بہت بیباک ہو رہی تھیں۔ جو بیدردی مسلمانوں کے مقابلہ میں یورپ کے مقلدین روا رکھتے تھے اب وہی بے رحمی مقلدین لوتھر یعنی پراٹسٹینٹس کے مقابلہ میں روا رکھی گئی اور ایک عرصہ تک یورپ اپنی وحشیانہ حرکتوں سے تمام عالم کو حیرت میں ڈالے ہوئے تھا۔

پراٹسٹینٹس کا مذہب قریب قریب اصول میں اسی طرح عیسائی مذہب کی اصلاح کرتا ہے جس طرح اسلام نے چاہی تھی اور ان معنوں میں اسلام کو بھی مذہب عیسوی کا مصلح کہیں تو بہت ٹھیک ہے پراٹسٹینٹس نے یورپ کو بہت فائدہ پہنچایا یورپ نے اسلام نہیں اختیار کیا لیکن اس اصلاح بغیر ان کا کام بھی نہیں چلا۔ یعنی جب تک یہ مذہب انھوں نے اختیار نہیں کیا تھا وہ ترقی نہیں کر سکے بعض ضد سے انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن جنگ صلیبی کے میل جول نے جب ان پر انکی کمزوری ثابت کر دی تو اسلام سے ملتے جلتے خیالات کی پیروی انھوں نے مقلدین لوتھر بن کر اختیار کی شروع شروع اس مذہب والوں کو بہت کچھ دقتیں اٹھانا پڑیں لیکن بالآخر کامیابی ہوئی اور اس کہنے میں ہم کو کوئی شرم نہیں ہے کہ پرٹسٹینٹس بعض اوہام پرست مسلمانوں سے مذہبی عقائد میں بہتر ہیں اور یہی وجہ انکی ترقی کی ہے۔

اس جنگ صلیبی کی بدولت ایک نفع مسلمانوں کو یہ بھی پہنچا کہ انھوں نے مسلمانوں کا تمدن سیکھا اور ان کی شائستگی اختیار کی۔ بغداد، سسلی اور اسپین کے درسگاہوں میں عیسائیوں کا آکر تعلیم پانا یورپ کی عام خلقت پر ایسا اثر نہیں ڈال سکا جیسا اس میل جول نے ڈالا۔ تمام یورپ کے مختلف حصوں کے اہل حرفہ زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ مسلمانوں سے ملے دشمن ہو کر سہی، مہذب ملک میں آکر انھوں نے آنکھیں کھولیں اور عجائبات دنیا دیکھے عربوں کی شاندار زندگی جو ترقی ترفت کا سبب ہوتی ہے پسند کی۔ اور مسلمانوں کی خوبیوں پر نظر کی اور واپس جانے کے بعد تمام یورپ میں ایک نئی تحریک پیدا کی دو سو برس کی لڑائیوں نے ان کو سمجھا دیا کہ دوسری قوموں پر حکومت کرنا جب تک شائستگی نہ ہوگی ممکن نہیں ہے۔ جنگ صلیبی ختم ہونے پر دو صدیوں تک یورپ نے تمام چیزوں میں ترقی کرنے کے بعد محسوس کیا کہ خیالات کی ترقی بغیر قومی ترقی کے نہیں ہوسکتی۔ بالآخر لوتھر نے جدید خیالات قائم کئے جس میں بجز مسئلہ تثلیث کے وہ تمام باتیں جو خلاف اسلام تھیں خلاف عقل سمجھی گئیں مسئلہ تثلیث بھی بہت محدود معنوں میں رہ گیا اور رفتہ رفتہ اس میں بھی اصلاح ہوتی گئی۔ غرض کہ آنحضرتؐ کی تعلیم نے جو اثر قوم پر پہلے دنوں اور سالوں میں کیا وہ مارٹن لوتھر کی تعلیم نے صدیوں میں کیا اور وہ بھی نامکمل اور اب جو کچھ عیسائیوں کے پاس ہے اس کو انھوں نے مسلمانوں سے گویا دام لیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ دنیاوی حالت میں

مسلمانوں سے اچھے ہیں اس لیے نہیں کہ ان کے قواعد مضبوط تر ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر وہ مضبوطی سے قائم ہیں۔ ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر ہم میں مضبوطی نہیں ہے اعتقادات اور خیالات کی استواری مفقود ہو گئی ہے۔

فصل نمبر ۱۹

اخوۃ اسلامی

ایک غریب اندھے سے کسی نے پوچھا کہ کھیر کھاؤ گے اس نے کہا میں نے تو کبھی کھائی نہیں ہے اور نہ جانتا ہوں کہ کیسی ہوتی ہے۔ پوچھنے والے نے کہا کہ دودھ اور چاول سے بنتی ہے اور نہایت سفید ہوتی ہے اندھے نے کہا سفید کیسی۔ اس نے کہا کیا یہ بھی نہیں جانتے بگلہ کے پر کی طرح سفید براق ہوتی ہے اندھے نے کہا بگلہ کیسا ہوتا ہے اس نے کہا اصلاح نشد بلا شد۔ اب میں تمہیں بگلہ کیسے سمجھاؤں۔ بگلہ ایک پرندہ ہے بڑی گردن اوپر سے خم اور یہ کہہ کر اپنا ہاتھ ٹیڑھا کیا اور اندھے کے ہاتھ پر رکھا اندھے نے گویا بگلہ کی گردن ٹٹولی اور کہا۔ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے مجھ سے کھائی نہ جائے گی۔ جب سے ٹیڑھی کھیر ضرب المثل ہے اس حکایت سے یہ نتیجہ صریح اخذ ہو سکتا ہے کہ جو چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے وہ زبان سے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ خدا نے فرمایا ہے "انما المومنون اخوۃ" (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رکھے جیسا ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ رکھتا ہے اب جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ اس وقت عرب میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا تب تک اس آیت کے معنی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اگر ہندوستان کے بھائیوں پر خیال کریں تو آیت کا مفہوم خبط ہو جاتا ہے یہاں تو پہلے بھائی بھائی سے لڑے گا پھر کہیں غیر سے لڑے گا ابتدا گھر ہی سے ہو گی کیا معنی کہ اشتراک خاندان کا برا دستور تمام ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں قائم ہے پیشوائے خاندان تمام دنیا کے جھگڑے بکھیڑے اپنے سر رکھتا ہے اور دیگر اشخاص خانہ دنیا و مافیہا سے خبر نہیں رکھتے اگر ان کا کچھ مشغلہ ہے تو صرف یہ کہ پیشوائے خانہ کی طرف سے دل میں حسد رکھ کر وہ تیں جمع کرتے جاتے ہیں اور منہ سے کچھ نہیں کہتے اندر ہی اندر جب خوب مواد پک لیا تو ایک مرتبہ خانہ جنگی کی ٹھہری اور اس کے بعد جدائی ہوئی۔ پہلے لڑتے پھرتے پیشوائے خانہ بندگان خلائق کو گوش گزار نہ کرے اور نہ سکان زمین کی رنگ رزو باش بر اور خود جا کے لگائی بجھائی کرے گا۔ گویا ہر ایک کو دنیا کے جھگڑوں میں پڑنے سے قبل اپنے بھائی یا اور قریبی رشتہ داروں سے

جو بھائی کی مدد میں ہی لڑنا فرض ہے ہم اب ایسی حالت میں کیا سمجھا سکتے ہیں کہ اخوت اسلامی کی بنیاد دین اسلام نے کس بیش بہا اصول پر قائم کی تھی۔ جب اخوت کی عظمت ہمارے دل میں نہیں ہے تو اخوت اسلامی ہم کیا سمجھیں گے۔ عرب میں گو جہالت تھی لیکن ان کے تمدن نے برادرانہ حقوق کی حفاظت نہایت اعلیٰ درجہ پر کی تھی حالت ماندوبود انکی نہایت سادہ تھی۔ بالغ ہونے کے بعد ہر ایک بجائے خود کمانے کھانے کی فکر کرتا تھا اور بیاہ شادی جب ہی کرتا تھا کہ خود میں بار عیال داری اٹھانے کی استطاعت پاتا تھا۔ امیر و غریب سب ہی میں ہوتے ہیں۔ اور فطرتی محبت کا مقتضا کم و بیش سب میں ہوتا ہے ثمر کست کی وجہ سے جو دلوں میں بغض اور کینہ کی گرہیں پڑجاتی ہیں عرب میں ان کا نام بھی نہ تھا ایک بھائی دوسرے بھائی کی تنگدستی میں دستگیری کرتا تھا طرفین سے اظہار خلوص اور احسان مندی ہوتا ہے فطری محبت میں ان کے طریق عمل بید قوت پہنچاتے ہیں علاوہ اس حسن معاشرت کے ایک خاندان کو دوسرے خاندان سے یا ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑنے کی ضرورت ہوتی تھی اور اس وقت تمام اہالی خاندان بلکہ تمام قوم کی ماتحتی میں اپنا مرنا جینا عزت اور فخر کا باعث سمجھتے تھے اگر کسی ایک کو دوسرے قبیلہ کا کوئی شخص مارتا یا گالی دیتا تھا تو صرف اس کے بھائی بھتیجے نہیں بلکہ کل قوم کے نوجوان اس کی مدد کو از خود کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کسی قسم کا بار احسان نہیں رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آج جسکی مدد کو ہم کھڑے ہوتے ہیں وہ کل ہماری مدد کو اسی طرح کھڑا ہوگا بھائیوں کا قوت بازو ہونا عربوں ہی کے تمدن میں پایا جاتا تھا۔ دوسری جگہ اس کی مثال نہیں ملتی ہاں اس کے قریب قریب ایک شے ہم ہندوستان میں پاتے ہیں کہ مقدمہ بازی کے لئے جتنے جھوٹے گواہ چاہیئے لیجیئے۔ مشہور ہے کہ زمینداری کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اور تنہا جھوٹ بولنے سے کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک دس پانچ گواہی دینے والے ساتھ نہ ہوں اس لئے ایک کا دوسرے کی طرف سے گواہی دینا کسی قسم کا احسان رکھنا نہیں ہے بلکہ آپس کی تمدنی حالت کا مقتضا ہے۔

اگر اس تقریر سے عرب کے بھائیوں کے باہمی برتاؤ کا نقشہ ناظرین کے ذہن میں کچھ آیا ہو تو وہ سمجھیں کہ حضرت محمد ﷺ نے خاندانی اخوت کو وسیع پیمانے پر پھیلا کر یہ حکم دیا کہ جتنے لوگ دائرۂ اسلام میں آتے جائیں وہ ایک ماں باپ کی اولاد یا خاندان کے افراد ہوتے ہیں اس وقت مسلمانوں کا یہ انداز تھا ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کا جھوٹا پانی پیتا تھا۔ جھوٹا کھانا کھاتا تھا۔ ان میں دولت۔ ثروت اور ہنر کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ امیر سے امیر ایک ادنیٰ غریب سے فروتنی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ کوئی شخص دولت کی وجہ سے

خود کو زیادہ معزز نہیں سمجھتا تھا۔ اگر عزت تھی تو کبر سنی کی تھی یا علم کی۔ غریب سے غریب مسلمان کی عزت تمام متمول مسلمان اتنی ہی کرتے تھے جتنی اس کے چھوٹے بھائی یا لڑکے کرتے تھے۔ غریب سے غریب فقیہہ، محدث یا حافظ قرآن بڑے بڑے امیروں کے دربار میں محترم سمجھا جاتا تھا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت یا عیب جوئی نہیں کرتا تھا۔ ایک کو خوشحال دیکھ کر دوسرا خوشیاں مناتا تھا حسد کا نام بھی ان میں نہ تھا۔ کسی ایک بھائی کے گھر دولت کا آنا عین اپنے گھر دولت کا آنا تصور کرتا تھا۔ غیر قوموں سے اگر ایک مسلمان نے بھولے سے بھی کوئی وعدہ کیا یا کسی بات میں زبان دیدی تو تمام مسلمان اسے عین اپنا وعدہ دینا اور اپنی زبان دینا تصور کرتے تھے اس اخوۃ نے بے انتہا اتفاق پیدا کر دیا تھا۔ پیغمبر خدا کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں اس اخوت نے ایسے ایسے کام بنائے کہ یورپین مورخ پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ تمام باتیں ان کی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انسان ایسے متلون خود غرض اور کمزور مخلوق کو نبیؐ نے کس طرح اخوت اسلامی کی رسی سے جکڑ کر مستقل مزاج فرشتہ خصلت اور زبردست قوم بنا دیا تھا۔

زمانہ مابعد میں جہاں سب چیزوں میں ضعف آیا اخوت اسلامی میں بھی ضعف آیا اور اب تو محض لفظ ہی لفظ ہے اسمیں کوئی مفہوم ہی نہیں۔ کالبد ہے روح نہیں ہے مگر خدا کا شکر ہے اور ہزار ہزار شکر ہے کہ اس زمانہ انحطاط میں بھی جو اخوۃ مسلمانوں میں ہے وہ اور کسی مذہب میں نہیں ہے آج کوئی شخص جاپان یا چین کا رہنے والا۔ اسٹریلیا۔ برما۔ امریکا یا دنیا کے کسی حصے کا باشندہ ہمارے سامنے آکر کھڑا ہو ہم اس کی زبان سے ناآشنا ہوں۔ صورت اس کی بالکل غیر مانوس ہو کسی قسم کی مناسبت ہم سے نہ ہو لیکن وہ صرف لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ ہمارے سامنے کہدے تو ایک مرتبہ ہماری رگوں میں اخوۃ اسلامی ضرور جوش زن ہو جائے گی ہم اجنبیت کا خیال نہ کریں گے۔ یہ بھی نہ سوچیں گے کہ وہ ہمارے لئے کوئی بلا ساتھ لایا ہے یا پیغام شادمانی سنانے آیا ہے رات کو اس کے ساتھی ڈاکہ مارنے آئیں گے تو یہ پھاٹک کھول کر ان کو گھر میں بلائے گا یا ہمارے ساتھ رہ کر یہ ہم کو کوئی عمدہ سبق دے گا اور ہماری حفاظت کرے گا۔ یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ ہم پکے مسلمان ہوں۔ ارکان مذہب جانتے ہوں اسلام سے ہم کو محبت ہو۔ ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے ہماری آؤ بھگت کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم نے مسلمان کے گھر میں جنم لیا ہے اور ہمارے سامنے ایک اجنبی کلمہ پڑھتا ہوا آیا ہے ہم بے سمجھے سوچے اس سے چمٹ جائیں گے اور دسترخوان پر کھانا چن

کر کہیں گے آیئے! بسم اللہ ہاتھ دھویئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس کے ساتھ بیوفائی نہ کریں گے اگر اسکی تقدیر میں گردش ہے تو سب سے پہلے ہم ہی اس کی تخریب کے اسباب بھی پہنچائیں گے۔ یہ ہماری موجودہ برائیوں کا دوسرا رخ ہے لیکن ایک مرتبہ ہم اپنے اظہار اخلاق سے اس کا دل ضرور خوش کر دیں گے اور اگر وہ کسی غیر مذہب کا ہے اور تقیہ کر کے ہم سے ملا ہے جب بھی ہم اس کے دل میں ایک مرتبہ یہ جا دیں گے کہ پیغمبرؐ کے وقت میں جو اخوۃ اسلامی کی آگ روشن کی گئی تھی اس کی خاکستر میں اب بھی ذرا ذرا سی چنگاریاں موجود ہیں اور دنیا کا کوئی مذہب اس بارہ میں اس درجہ فیاض نہیں ہے۔

آیات قرآنی

سب مل کر مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو۔ اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے[1] آل عمران ۱۱۔

خدا سے موسیٰ نے کہا کہ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا بوجھ بٹانے والا بنا کر ان سے میری ڈھارس بندھا اور میرے کام میں ان کو شریک کر[2] طٰہٰ ۲۔

لیپالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کے ناموں سے پکارو یہی بات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔ مگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو خیر وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں[3] احزاب ۴۔

---

[1] واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

[2] واجعل لی وزیرا من اہلی۔ ہرون اخی۔ اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری۔

[3] ادعوہم لآبائہم ہو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اباءہم فاخوانکم فی الدین وموالیکم۔

عرب میں بھی تبنیت کا دستور تھا اس کو اسلام نے مٹا دیا۔ قرآن میں ہے کہ اللہ نے تمہارے لیپالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنائے۔ یہ خود تمہارے منہ کی بات ہے (سورۂ احزاب رکوع ۴) پھر اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ اگر کنیت سے لیپالکوں کا پکارنا ہو تو ان کے اصلی باپ کا بیٹا کہہ کر پکارو یا اپنے بھائی کہہ کر پکارو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں کے درمیان تم صلح کرادیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ تم پر رحم کیا جائے۔[1] سورۂ حجرات رکوع اول۔

پیٹھ پیچھے ایک کو دوسرا برا نہ کہے۔ کیا کوئی تم میں سے گوارہ کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو ہرگز گوارہ نہ کرے گا۔[2] سورۂ حجرات رکوع ۲۔

---

[1] انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔

[2] ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرہتموہ۔

باب دوم

تعزیرات

فصل نمبر ۲۰

جرائم

اسلامی تعزیرات کا اگر زمانہ حال کے مہذب ممالک کے قانون سے مقابلہ کیا جائے تو جزئیات میں بہت سے اختلاف پائے جاتے ہیں گو اصول میں یعنی امن قایم رکھنے کی اغراض میں دونوں متفق ہیں۔ اسلام میں کوئی بات جدید نہیں قائم ہوئی ہے تمام باتیں وہی ہیں جو قبل سے مہذب قوموں میں رائج تھیں۔ اسلام نے ذرا عمدہ ترتیب دیدی اور اسکی پابندی سختی سے کی۔ مثلاً اس زمانہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے اور اسلام میں یہ جرم بعض حالتوں میں مستلزم القتل ہے اور یہ سزا صرف اسلام نے قائم نہیں کی ہے دنیا کی اکثر مہذب قوموں میں باوقات مختلف یہی سزا زنا کی تھی اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ وہ اسلام میں جرم تھیں اور زمانہ حال میں جرم نہیں ہیں بظاہر اسلام کی سختی ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے محض اس لئے کہ اس کے خلاف سننے اور دیکھنے پر طبیعت مائل اور عادی ہو رہی ہے۔ لیکن غور کرنے سے وہ مصالح سمجھ میں آجاتے ہیں جن پر یہ احکام مبنی ہیں۔ موقع موقع سے ان کا بیان کیا جائے گا۔ اور دوسرے چند جرائم ایسے ہیں جو زمانہ حال میں سنگین ترین جرائم سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں وہ اتنے سنگین نہیں ہیں۔ مثلاً قتل اور ضرر شدید۔ قتل عمد کی سزا قتل اور نہیں تو حبس دوام بعبور دریائے شور اس وقت مہذب گورنمنٹوں میں لازم ہے اور اسلام میں یہ حکم ہے کہ مقتول کا وارث اگر کچھ ہرجہ دیکر یا بغیر لیکر خون معاف کر دے تو پھر قاتل کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان سنگین جرائم میں اسلام کی نرمی کے وجوہ بھی موقع موقع سے بیان کئے جائیں گے۔

اس میں تو ذرا شک نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا میں جب اسلامی قانون جاری تھا تو نہایت امن و امان تھا

اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس وقت یورپین عملداریاں جہاں ہیں وہاں بھی امن قائم ہے۔ ایسے دو متزاد قانون اپنی اپنی جگہ پر امن قائم رکھیں یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے اس بحث کا طے کرنا اس وقت ہمارا مقصود اصلی ہے۔

اس بحث کے سمجھانے کے لئے ہم طب یونانی اور طب انگریزی کا مقابلہ کرتے ہیں لائق طبیبوں کے نہ ہونے سے عمدہ دواؤں کے نہ ملنے سے جدید تحقیقات اور جدید آلات کی کمی سے علم تشریح کی معدمیت سے طب یونانی اس وقت نکمی ہو رہی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ طب یونانی اپنے اصول میں طب انگریزی سے بری ہے گو دونوں کے طرز عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ طب یونانی زائد تر دفع اسباب کی فکر رکھتی ہے اور طب انگریزی دفع مرض کی۔ کہنے کو یہ دو لفظ بہت آسانی سے کہے گئے مگر انھیں پر تمام اختلافات کی بنیاد قائم ہے اور صحت قائم رکھنے کے لئے سمجھئے تو دونوں میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ دونوں طریقوں سے مریض اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی طریقہ سے جرائم کے اسباب کا استیلا کیا جاتا ہے اور حال کے قانون کے مطابق خود جرائم کا استیلا کیا جاتا ہے۔ مثلاً جتنے جرائم دنیا میں پیدا ہوتے ہیں عموماً ان کے اسباب بعید یا قریب زنا کاری۔ شراب خواری۔ اشتعال دینے والے الفاظ جھوٹے اتہام لگانے والے بیانات ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ان کو جرم ناقابل راضی نامہ قرار دیا اور گورنمنٹ کو اس کا مستغیث ٹھہرایا۔ چوری بھی اسی قبیل سے ہے۔

اور وہ جرم جو فی الواقع دوسرے جرائم کے اسباب نہیں ہوتے ان کا بدلہ لینا ضرر رسیدہ کی رائے پر چھوڑا۔ زید نے اگر عمر کی انگلی کاٹ ڈالی تو عمر کو اختیار ہے کہ اتنی ہی انگلی وہ زید کی کٹوائے حتی کہ قتل میں بھی ایسا ہی ہے مقتول کو تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس کو ایک دن مرنا تھا مر گیا۔ تکلیف اس کے ورثاء کو البتہ پہنچی اب ورثا کو اختیار ہے کہ کچھ معاوضہ (دیت) لیکر قاتل کو چھوڑ دیں یا اپنے سامنے اس کو قتل کروا کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیں۔

سزا دینے میں زیادہ تر خود گورنمنٹ کی غرض ہوتی ہے یعنی وہ تمام جرائم جن سے امن میں خلل پڑنے والا ہو گورنمنٹ کے مخالف ہوتے ہیں اگر قتل عمد اور ضرر شدید میں گورنمنٹ کا سزا دینا یقینی نہ ہو اور ادھر زنا شراب خواری۔ دشنام دہی وغیرہ میں بھی گورنمنٹ دست انداز نہ ہو تو انتظام کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا گورنمنٹ تماشا ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ اسلامی سلطنتوں کے ضعف میں جرائم کی کثرت کی یہی وجہ تھی کہ ام الجرائم کی طرف توجہ نہ تھی اور قتل اور ضرر شدید میں قانون پہلے ہی سے نرم تھا۔ پھر امن قائم رہے تو کیونکر۔ بعضوں کا یہ خیال ہوگا کہ قتل اور ضرر شدید میں راضی نامہ اور صلح نامہ ہونے سے گورنمنٹ کو نقصان پہنچے گا اور نہایت

بدامنی قائم رہے گی ہم ایک حد تک ہم زبان ہیں۔ یعنی جہاں ام الجرائم پر گورنمنٹ کی نظر سخت نہ ہو گی وہاں قتل اور ضرر شدید کا جرم قابل راضی نامہ ہونا بیشک نہایت بے موقع ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ آجکل جن ممالک میں زنا اور میخواری وغیرہ سنگین جرائم نہیں ہیں وہاں قتل عمد اور ضرر شدید کے جرائم قابل راضی نامہ نہیں ہیں یہ خوب واضح رہے کہ قانون کیسا ہی ہو جب تک اس کا نفاذ پورا پورا نہ ہو گا وہ مفید نہیں ہو سکتا۔ پچھلے زمانہ میں اسلامی قانون کا ادھورا نفاذ ہندوستان میں ہوتا تھا اور تمام خرابیاں تھیں۔ بمقابلہ اس کے انگریزی قانون کا پورا پورا نفاذ گو وہ جزئیات میں اسلامی قانون سے مختلف ہے کہیں اچھا اثر دکھاتا ہے اور ہر طرف امن امان ہے۔

رہزنی :۔ رہزنی سب سے بڑا جرم اسلام میں ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے اگر کوئی رہزنی کا قصد رکھتا ہے یعنی رہزنوں کی صحبت میں ہے۔ لیکن ہنوز مرتکب نہیں ہوا ہے اور گرفتار ہو گیا تو اس کو اس وقت تک قید رکھنا چاہیئے کہ وہ توبہ کرے۔ یہ حکم اپنی نوعیت میں ویسا ہی ہے جیسا کہ ضمانت نیک چلنی داخل نہ ہونے کی صورت میں آجکل برٹش گورنمنٹ کی عدالتوں سے قید کا حکم صادر ہوتا ہے لیکن اگر مجرم کچھ اور ترقی کر گیا ہے یعنی رہزنی کی حالت میں کچھ مال بھی لے چکا ہے تو بلا لحاظ قلیل وکثیر کے اس کا داہنا ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹا جائے گا جیسا سنگین جرم ہے ویسی ہی سزا بھی سخت دی جائے گی تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور اگر کسی ٹھگ نے کسی کو جان سے مارا ہو تو قتل کی سزا دی جائے گی اور اس حالت میں مقتول کے ورثا کو خون معاف کرنے کا حق نہ ہو گا۔ اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ قتل کی صورت میں ورثائے مقتول اگر معاوضہ لے کر خون معاف کر دیں تو قاتل چھوٹ جاتا ہے اس لئے کہ بہت سی صورتیں قتل کی ایسی ہوتی ہیں کہ غصہ یا غلط فہمی یا اتفاق سے آدمی خون کر بیٹھتا ہے اور پھر پچھتاتا ہے۔ جس طرح برٹش لا میں گورنمنٹ کو خون معاف کرنے کا اختیار ہے اسی طرح اسلام میں ورثاء کو اختیار ہے لیکن اگر کوئی رہزن کسی کو مار ڈالے تو پھر یہ جرم کسی طرح قابل رعایت نہیں ہوتا اور نہ مقتول کے ورثا کو خون معاف کرنے کا حق ہوتا ہے جرم ثابت ہونے پر قاتل بھی ضرور قتل کیا جاتا ہے۔

عبرت دلانے کے لئے اگر ضرورت معلوم ہو تو قاضی یہ حکم دے سکتا ہے کہ مجرم لٹکایا جائے اور خنجر سے اس کا شکم چاک کر دیا جائے۔ یہ سزا وحشیانہ ہے لیکن اگر جرائم پیشہ وحشی ہیں تو ایسا کرنا نامناسب نہیں ہے خاص خاص حالت میں ایسا کرنا مخصوص ہے نہ کہ ہر حالت میں برٹش گورنمنٹ کی آمد سے قبل اودھ میں گونڈا کا جنگل اور حیدرآباد جاتے ہوئے وسط ہند کی پہاڑیاں ڈاکوؤں سے بھری ہوئی تھیں اس زمانہ میں احکام شرع

پر عمل نہیں ہوتا تھا یہی وجہ بدامنی کی تھی۔ برٹش گورنمنٹ نے سب ڈاکوؤں کو بڑی کوشش سے زیر کیا کسی کو
مار کر اور کسی کو جاگیریں دے کر۔ اب ہندوستان میں تمام امن ہے اب موجودہ حالت میں کسی ڈاکو کو جنگل میں
شکم چاک کر کے لٹکا دینا ہرگز بھی ضروری نہیں ہے لیکن قانون تو ہر حالت اور ہر موقع کے لئے ہوتا ہے۔ جن
اقوام میں ابھی تک آدمی کا کچا گوشت چبانا درست ہے ان کے لئے قانون کا وحشیانہ ہونا کسی طرح بے جا
نہیں ہو سکتا۔ رعایا کی تہذیب کے ساتھ گورنمنٹ کی تہذیب ترقی کرتی ہے وحشی قوم کے ساتھ سزا دینے کا قاعدہ مہذب
ہو تو دقت پیدا ہوتی ہے۔

زنا :۔ اسلام میں زناکاری سنگین جرائم سے ہے رہزنی کے بعد اسی کا درجہ ہے زنا کے سنگین جرائم ہونے
کے وجوہ شرع میں بالاجمال بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو زانی مستوجب سزا ہوتا ہے وہ
فی الواقع دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہتا اسے بے حیائی میں جانوروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے زنا میں سزا ہونے
کی دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہ چار اشخاص گواہی دیں یا زانی خود چار مختلف مواقع پر اقبال جرم کرے۔ گواہی
کی حالت میں یہ شرط ہے کہ گواہوں کے عادل ہونے کی تحقیق کی جائے اور گواہوں سے سوالات جرح کر کے
صاف کر لیا جائے کہ بوس و کنار کو تو گواہوں نے زنا نہیں سمجھا۔ اب جو شخص ایسا بے حیا ہے کہ چار شخصوں کے سامنے روز
روشن میں زنا کرتا ہے اور چاروں شخص اعلانیہ حالت زنا دیکھتے ہیں تو ایسے بے حیا کی سزا ضرور ہونا چاہیئے اور اقبال جرم
کی صورت یہ ہے کہ چار مرتبہ زانی اقبال کرے اور اخیر تک اقبال پر قائم رہے۔ اگر سزا کے وقت بھی اقبال سے مکر
جائے گا تو سزا ساقط ہو جائے گی اور اقبال کی حالت میں بھی قاضی کو سمجھا دینا چاہیئے کہ تو نے محض بوس و کنار پر
تو کفایت نہیں کی یا شبہ سے تو صحبت نہیں کی۔

زنا کی سزائیں دو قسم کی ہیں۔ اگر زانی یا زانیہ نکاح صحیح کے ذریعہ سے کبھی پہلے سے صحبت کر چکے ہیں
تو ان کو سنگسار کرنا چاہیئے یعنی پتھروں سے مار ڈالنا چاہیئے ان پتھروں سے مارنے کی یہ صورت ہے کہ پہلے
گواہ پتھر ماریں اگر گواہ تامل کریں تو سزا موقوف ہو جائے گی جرم گو سنگین ہے مگر سزا دینے میں تاخیر کی جاتی ہے اور اہتمام
بلیغ رہتا ہے کہ کوئی بے قصور سزا نہ پائے۔

اگر زانی یا زانیہ کبھی پہلے نکاح صحیح کے ذریعہ سے صحبت نہ کر چکے ہوں تو صرف سو کوڑے مار کر چھوڑ دینا
چاہیئے غلاموں کے لئے بجائے سو کے صرف پچاس کوڑے ہیں۔ بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ سزا لازم نہیں آتی مثلاً

شبہ کی حالت میں یا غلط فہمی کی حالت میں زنا کیا جائے یا زنا کے لئے کسی عورت کا نقد معاوضہ مقرر کیا جائے تو سزا لازم نہیں آتی اس کے متعلق زائد توضیح کے لئے "زنا کاری" فصل ۲۲ پڑھیئے۔

دشنام دہی: جس طرح زنا سنگین جرائم سے ہے ویسے ہی اتہام زنا بھی سنگین جرم ہے۔ جو کوئی ایسی تہمت دوسرے کو لگائے تو ۸۰ کوڑے اگر آزاد ہے اور اگر غلام ہے تو ۴۰ کوڑے سزا مقرر ہے دو گواہوں کے اقرار سے یا مجرم کے ایک مرتبہ اقبال جرم کرنے سے جرم ثابت سمجھا جاتا ہے اس تہمت کو اصلاح شرع میں قذف کہتے ہیں جب تک ضرر رسیدہ خواستگار نہ ہو سزا نہیں دی جاتی۔ لیکن خواستگار ہونے کے بعد اس کو حق معاف کرنے کا نہیں ہے معاف کرنے سے سزا باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ گالی گلوچ ام الجرائم ہے کہ بہت سے جرائم اس سے متفرع ہوتے ہیں ہر بڑے جھگڑے کی بنیا دیوں ہی آہستہ آہستہ قائم ہوتی ہے اس لئے شریعت نے شروع ہی میں سختی روا رکھی ہے۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل	چو پر شد نہ شاید گزشتن بہ پیل

اسی طرح یہ بھی روا نہیں ہے کہ باہم گالی گلوچ کر کے ہنگامہ برپا کیا جائے۔ چنانچہ اگر زید کو عمر زانی کہے اور زید اس کے مقابلہ میں عمر سے کہے کہ تو زانی ہے تو دونوں کو سزا دی جائے گی اگر زنا کے اتہام کے سوا کوئی اور دشنام دہی کی جائے تو اسکی سزا ۳ کوڑوں سے ۹ ۳ کوڑوں تک ہے اور کمی بیشی حاکم وقت کی رائے پر ہے اس کو سزائے تعزیری یعنی تادیب و توبیخ کی سزا کہتے ہیں۔

چوری: اسلام میں چوری کی سزا داہنے ہاتھ کا کاٹنا ہے اور اگر دوبارہ کرے تو بائیں پاؤں کا کاٹنا ہے۔ یہ سزا بہت سخت ہے اور بظاہر وحشیانہ معلوم ہوتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ وحشیانہ نہیں ہے چوری کی یہ سزا محض تنبیہ کے لئے مقرر ہے ورنہ شرعی شرائط ایسی ہیں کہ بہت کم صورتوں میں ایسی سزا دی جاتی ہے۔ یعنی قیدیں ایسی لگائی گئی ہیں کہ جلد ہاتھ کاٹنے کی نوبت نہیں آتی اور جہاں کہیں ایک کا ہاتھ کٹا تو پھر دور دور تک چور چوری کرنا چھوڑ دیتے ہیں کٹا ہوا ہاتھ لوگوں کو تنبیہ یا عبرت دیتا رہتا ہے سیہ بارہ چوری کی صورت میں قید اور تعزیر ہے۔ قید کی سزا اسلام میں بہت کم ہے آزادی زندہ قوموں میں سب سے زیادہ عزیز سمجھی جاتی ہے۔ فقہا نے دس درہم کی مالیت سے کم پر چوری میں ہاتھ کاٹنا روا نہیں رکھا ہے اور چوری کی نوعیت اور حالت میں اتنی قیدیں لگائی ہیں کہ جو کوئی مجبور ہو کر ایک آدھ مرتبہ چوری کرے وہ ہاتھ کاٹنے

کی سزا نہیں پاتا۔ تمام شرطوں اور قیدوں کے منطبق کرنے سے وہی چور اس سزا کے قابل ٹھہرتے ہیں جو پرانے مشاق ہیں مثلاً جیب کترنے والے ہیں یا نقب زنی کے ذریعہ سے چوری کرنے کے عادی ہیں۔

قتل و ضرر شدید :۔ جان سے مار ڈالنے کی چار صورتیں ہیں۔ اول قتل عمد۔ دوم قتل شبہ۔ سوم قتل خطا۔ چہارم قتل بہ سبب۔

مہلک آلہ سے ہلاک کرنا یا آگ سے جلا کر مار ڈالنے کو قتل عمد کہتے ہیں۔ مہلک آلہ سے مراد تیز اور دھار دار چیزیں ہیں اس میں قصاص لازم آتا ہے۔ یعنی قاتل بھی جان سے مارا جاتا ہے بشرطیکہ وارث مقتول کا خون معاف نہ کردے کیونکہ معاف کر دینے کی صورت میں قصاص جاتا رہتا ہے۔ آلہ مہلک کے سوا اور چیزوں سے قتل کرنے کو قتل شبہ کہتے ہیں اور اس صورت میں کفارہ اور دیت مغلظہ لازم آتی ہے۔ قتل خطا کی تعریف لفظ ہی سے ظاہر ہے یعنی بھول چوک سے کسی کو مارنا اس میں بھی کفارہ اور دیت لازم آتی ہے۔ قتل بہ سبب وہ ہے جس میں قاتل قتل کا سبب بعید ہو مثلاً کنواں کھدوایا اور اس میں کوئی گر پڑا یا پتھر رکھا اور اس سے کوئی ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا ایسی صورت میں صرف دیت لازم آتی ہے۔ اول تین صورتوں میں قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا۔

ضرر شدید کی حالت میں ضرر رسیدہ کو اختیار ہے کہ وہ قصاص طلب کرے اور اس حالت میں حاکم وقت ضرر رسیدہ کو جتنا ضرر پہنچا ہے اتنا ہی ضرر، ضرر رسانیدہ کو بھی پہنچائے گا۔ یعنی مظلوم کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے تو ظالم کا بھی توڑ دیا جائے گا اور مظلوم کا دانت ٹوٹا ہے تو ظالم کا بھی دانت توڑ دیا جائے گا۔

اوپر جس قدر مسائل لکھے گئے ہیں ان سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام میں تعزیرات کے کیا قاعدے تھے فقہ کے تمام مسائل جاننے کے لئے ناظرین یہ تحریر کافی نہ سمجھیں بیان میں بہت ہی اختصار کیا گیا ہے۔

ان تمام مضامین کو پڑھنے کے بعد مفصلۂ ذیل باتیں خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کے لائق ہیں ورنہ بادی النظر میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب جرائم اور سزائیں اس قدر محدود حالت میں ہیں تو اسلامی قانون اپنے اچھے دنوں میں امن قائم رکھنے کے لئے کیونکر کافی ہوا ہوگا۔

۱:۔ اسلام میں اسباب جرم کے روکنے کی زائد کوشش کی گئی ہے۔ جیسے زنا۔ شراب خواری۔ استعمال الفاظ۔ اشتعال طبع وغیرہ سنگین جرائم ہیں۔

۲:۔ اتفاقیہ جرم سرزد ہونے کی حالت میں توبہ، انفعال اور معافی کا نتیجہ سزا سے زائد مفید سمجھا گیا ہے۔

۱۳۔ اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ جتنی تکلیف ظالم دوسرے کو پہنچائے اتنی ہی اس کو بھی برداشت کرنا پڑے گی۔

۱۴۔ چوری کی اگر عادت پڑ گئی تو بدرجہ مجبوری چوری کرنے میں مدد دینے والے اجزائے جسم یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں زنا کی حالت میں جتنی سخت شرطیں ثبوت جرم کے لئے لگائی جاتی ہیں ویسی ہی ہاتھ پاؤں کاٹنے میں بھی ۔ حتی الوسع شرع سے سزا دینے میں نرمی کی جاتی ہے۔

۱۵۔ شرع میں قید کی سزا بہت کم محکوم ہے۔ عربوں کے نزدیک آزادی چھن جانے کے مقابلہ میں اور تمام مصیبتیں آسان تھیں۔

۱۶۔ شرع محمدیؐ کی اکثر سزائیں دوسروں کو عبرت دلانے والی ہیں اور یہی زیادہ تر سزا دینے کا ماحصل ہوتا ہے۔

۱۷۔ جرائم کی قسمیں گو کم ہیں لیکن سزا کے ساتھ اخروی عذاب کا ڈر بھی لگا ہوا ہے اصول ایسے رکھے گئے ہیں کہ لوگ عذاب آخرت سے ڈریں اور جرائم پیشہ نہ ہونے پائیں اور کسی سے بھول چوک ہو جائے اور وہ پھر توبہ کرے تو اسکی خطا سے چشم پوشی کی جائے۔

بیشک یہ ہمارا دین ہے اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ سزادہی اور انسداد جرائم کے طریقے جو شرع محمدیؐ میں محکوم ہیں وہ بہت مناسب ہیں صرف آنکھ بند کر کے ہم اس کے ماننے والے نہیں ہیں۔ بلکہ دلائل اور برہان سے ہم خود کو ایسا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ باتیں اب صرف کتابی رہ گئی ہیں خارج میں اب اس کا وجود نہیں ہے مسلمانوں کی عملداریاں عملی طور پر ان کے فوائد دکھانے کو تیار نہیں۔ دیکھئے قطاع الطریقی بدترین جرائم سے ہے لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ میں فقیر اپنی گدڑی بھی بچا نہیں سکتا۔ اگر قافلہ والوں کی مدد نہ ہو۔ اس وقت مہذب ملکوں کے قوانین شرع محمدیؐ سے بہتر نہ سہی لیکن ان پر باقاعدہ عمل ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ راس کماری سے کوہ ہمالیہ تک اور برہما سے کشمیر تک بڑھیا سونا اچھالتی چلی جائے بلکہ جہاز میں بیٹھ کر لندن کی سیر کر آئے جب بھی کوئی نہ پوچھے گا کہ بڑھیا کیا لئے جاتی ہے۔ اندریں صورت ہم کو شکر گذاری اور احسان مندی کے ساتھ ماننا پڑے گا ان کتابی مسائل سے جن پر خارج میں کہیں عمل نہیں ہوتا برٹش گورنمنٹ کے قانون تعزیری جنکے ذریعہ سے ہم چین سے بسر کرتے ہیں بہت زیادہ کارآمد اور قابل قدر ہیں۔

فصل نمبر ۲۱

سزائے موت

ہم پہلے اصول سے بحث کرنا چاہتے ہیں جس پر تمام سزائیں مبنی ہیں اس کے بعد سزائے موت سے بحث کریں گے اس لئے کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ سزا کیوں دی جاتی ہے اسوقت تک سزائے موت کے وجوہ مناسب طور سے بیان نہیں کئے جا سکتے۔

فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کو مارا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اب بتایئے کہ اگر مجرم ۲ برس قید کر دیا گیا تو مضروب کو کیا نفع ہوا۔ ہم جہاں تک غور کرتے ہیں اس سزا سے مضروب کو کچھ فائدہ نہیں ہوا اور قید کیا معنی اگر مجرم کا ہاتھ بھی توڑ دیا جائے تاہم مضروب کو اس سے نفع نہیں ہو سکتا ہاں کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے مضروب کا ہاتھ اپنی اصلی حالت پر آ جائے تو البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مضروب کو نفع ہوا یا اسکی تکلیف دور ہوئی اگر ہاتھ توڑنے کی سزا ہاتھ توڑنا قرار دیجائے تو دو واقعے مضرت رساں ہوئے یعنی ایک کو تو ہاتھ توڑ کر مجرم نے بیکار کر دیا تھا۔ دوسرے کو (مجرم کو) حاکم وقت نے نکما کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ گروہ انسان میں دو شخص بیکار ہو گئے اور مضروب دلیسے کا ویسا رہ گیا۔ اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی سزا کا کوئی نفع مضروب کو نہیں ہوتا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون نے سزا اس غرض سے مقرر نہیں کی کہ مضروب کو نفع پہنچے۔

غرض سزا دہی اس اصول پر نہیں ہے کہ سزا دینے سے ضرر رسیدوں کو کچھ نفع پہنچے بلکہ سزا دہی کی صرف یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ایک کو سزا پاتے ہوئے دیکھ کر سیکڑوں ہزاروں آدمی عبرت پکڑیں گے اور اس طرح ملک میں امن قائم رہے گا اور اگر سزا اٹھا دی جائے ہر ایک خود مختارانہ روش اختیار کرے کوئی روک تھام نہ کی جائے تو انسان نے جس قدر تہذیب میں ترقی کی ہے وہ سب ایک دم سے مٹ جائے۔

اب یہ بات غور کرنے کے لائق ہے کہ امن قائم رکھنے کی ضرورت کس موقع پر پیش آتی ہے۔ ہم ایک مثال دیتے ہیں اور یہ سوال کرتے ہیں اس حالت میں جسکو ہم مثال میں بتائیں گے انسداد کی ضرورت مقتضی ہے یا نہیں۔

ایک نہایت چھوٹا ملک ہے جس میں کل دو کروڑ آدمی ہیں۔ سلطان اور اراکین سلطنت اور رعایا کل تعلیم یافتہ عالی خیال اور مہذب ہیں۔ اخلاقی اصول کے سبب سے نہایت عمدگی اور خوبی سے برتتے ہیں

اور اپنے لپنے مذہب کے اوامر و نواہی پر نہایت التزام اور احتیاط سے عمل کرتے ہیں کیا ایسے ملک میں بھی انسداد کی ضرورت ہے؟ اور ایسے ملک کے لئے قوانین تعزیری وضع نہ کرنے سے کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ عقل سلیم کا یہی جواب ہوگا کہ نہ ضرورت ہے اور نہ نقصان ہوگا۔ ایسے لوگوں میں وقوع جرم کا ہی قیاس نہیں ہو سکتا اگر اتفاقاً وقوع جرم ہو بھی جائے گا تو ان کے اخلاقی اصول، احکام مذہب، تہذیب، تعلیم ان کو متنبہ کرنے کے واسطے کافی ہے اور ان کا کانشنس خود ہی ان کو بتلائے گا کہ یہ فعل جو وقوع میں آیا ہے نہایت قبیح ہے خیر اس مرتبہ تو اتفاق سے ہو آئندہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ تہذیب اور اعلیٰ تعلیم انسان کے کانشنس پر ایسا صیقل کر دیتی ہے کہ انسان کو ہر وقت صلاح نیک دیا کرتا ہے اور افعال قبیح کے نتائج کی مضرتیں بتاتا رہتا ہے۔

ان باتوں پر غور کرنے سے ضرور یہ نتیجہ مستخرج ہوتا ہے کہ تعزیری قوانین غیر مہذب اور جاہل اقوام کے لئے ہیں جس قوم کی تربیت اعلیٰ درجہ کی ہے اس کے لئے عمدہ آلہ انسداد کا کانشنس ہے اور اگر معاملہ کی ایسی حالت ہے کہ کانشنس ہدایت نہیں دے سکتا یعنی غایت انتقال طبع باعث ہوا ہے تو ایسی صورت میں سزائے قانونی کا خوف بھی کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ جب انسان اپنے افعال کے نتائج سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ تو سزائے قانونی کے ڈر کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوگا اور جس اصول پر سزا کے قوانین وضع کئے گئے ہیں وہ فضول ہو جائیں گے۔

اب سزائے موت کو دیکھیئے ایک شخص نے ایک کو مار ڈالا یہی ایک واقعہ ہو گیا حاکم کو کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کو سزا دے جو فعل وقوع میں آیا وہ ایک شخص خاص کے خلاف تھا حاکم کا اس میں کیا نقصان ہوا کہ وہ ایسے جرم میں مدعی ہو کر سزا دیتا۔ اگر سزا دینے کا کوئی حق ہے تو مقتول کے اعزہ واقربا کو ہے جنکا نقصان ہوا حاکم کیوں دست اندازی کرتا ہے مقتول کے اعزہ قاتل کو مار ڈالیں گے یا نہ ماریں گے حاکم کیوں اس فکر میں ہے کہ اس کا بدلہ لیا جائے۔ ہمارے خیال میں تو حاکم کا تعلق صرف اس وجہ سے پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی رعایا میں ایک کم ہو گیا اگر انسداد نہ ہوگا تو اسی طرح کم ہوتے ہوتے اس کی سلطنت تباہ ہو جائے گی یعنی قاتل کو مقتول کے اعزا مار ڈالیں گے اس کے بعد قاتل کے اعزا مقتول کے اعزا کو مار ڈالیں گے اور اسی طرح درجہ بدرجہ قتل ہوتے ہوتے اخیر کا قاتل اور بادشاہ کی ذات ہی دو رہ جائیں گے اور سب ملک عدم کو تشریف لے جائیں گے اب ایک بادشاہ اور ایک آخری قاتل رہ کر کیا کریں گے اسی نتیجہ کے روکنے کی غرض سے حاکم یا بادشاہ اسے جائز نہیں رکھتا کہ اس کی رعیت روز بروز کم ہوتی چلی جائے۔

اس فعل کے روکنے کی اور کوئی عمدہ تدبیر نہ تھی بجز اس کے کہ تعزیری قوانین مرتب کئے جائیں اور عام اشتہار دیا جائے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا اس کی بھی جان بادشاہ لے گا تاکہ لوگ ڈریں اور ایسا کام نہ کریں تاکہ ملک میں امن قائم رہے اور رعایا کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔

اس اصول کے مان لینے پر بہت بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ قاتل نے کسی بادشاہ کی ایک رعایا کو قتل کیا اب اگر قاتل اس جرم میں مار ڈالا جائے تو نہ مقتول کو کوئی نفع ہے کیونکہ وہ تو مر ہی گیا اب دنیا میں امن قائم ہو یا آگ لگے اس کو کچھ مطلب نہیں اور نہ مقتول کے اعزہ کو کوئی فائدہ قاتل کے قتل کرنے سے ہوگا مقتول تو واپس آ ہی نہیں سکتا اور نہ قاتل کی روح مقتول کے جسم میں ڈال کر مقتول زندہ کیا جا سکتا ہے حاکم قاتل کو مار ڈالے تو کیا اور نہ مارے تو کیا یہ تو مقتول اور مقتول کے اعزہ کا حال ہوا۔ اب بادشاہ یا حاکم کے نفع کو دیکھئے۔ قاتل کے فعل ناگہانی سے بادشاہ کی رعیت میں ایک فرد کی کمی واقع ہوئی اب اگر بادشاہ بھی قاتل کو مار ڈالے تو دو کی کمی واقع ہوگی اگر کسی قریہ میں صرف بیس آدمی ہیں تو دس قاتلوں نے [illegible] بیہودہ حرکت سے مار ڈالے اور دس خود حاکم نے مارے بس تنہا حاکم وقت کی ذات رہ گئی۔

کوئی معقول وجہ ذہن میں نہیں آتی کہ کیوں سزائے موت دیجائے ایسا قانون جاری رکھنے سے برابر خلقت کی کمی کا احتمال ہے۔ سزائے موت دینے سے کوئی نفع سمجھ میں نہ آیا نقصان البتہ دکھائی دیتا ہے۔

ہاں ایک اہم امر سیاست ہے جس سے امن قائم رہتا ہے۔ بادشاہ یا حاکم کو ایسا قانون مرتب کرنا چاہئیے جس سے ملک میں امن رہے کوئی کسی کو تکلیف نہ دے بادشاہ کی رعیت کسی طرح کم نہ ہونے پائے۔

مجرموں کو ڈرانے اور انسداد آئندہ کے لئے جان کا بدلہ جان لینا قرین عقل ہے۔ جب کوئی قتل کریگا تو اس کو بھی اپنے پھانسی پانے کا خوف ہوگا۔ ممکن ہے کہ اپنی جان کے خوف سے کسی کو کوئی قتل نہ کرے مگر اس میں بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ قتل کرنے سے پہلے قاتل جان لیتا ہے کہ مار ڈالو۔ یہی نا کہ حاکم، ہماری بھی جان لیگا اسوقت قانون کا کچھ خوف نہیں رہتا۔

مسئلۂ بالا خیالات نہایت پریشان طور پر ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس طرز کے اختیار کرنے سے صرف یہ مقصود ہے کہ مختلف دماغوں کے خیالات سزائے موت کے متعلق ظاہر کر دیئے جائیں ماحصل سب کا یہ ہے کہ سزائے موت وحشی قوموں کے لئے بہ نسبت مہذب قوموں کے زیادہ ضروری

ہے کچھ تو اس لئے کہ ورثائے مقتول کے دلوں کو قاتل کے سزا پانے سے ٹھنڈک پہنچے اور کچھ اس لئے کہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن سب سے زیادہ اس لئے کہ تمدن کو اس کی سخت احتیاج ہوتی ہے۔ بغیر سیاست کے سلطنت قائم نہیں رہ سکتی اور بغیر سلطنت کے ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا سزائے موت بعض مہذب ملکوں میں نہیں دی جاتی ہے یا دی جاتی ہے تو بہت کم طریقہ سزا کا کہیں گردن مارنا ہے اور کہیں پھانسی دینا ہے کہیں دوسرے ذرائع کام میں لائے جاتے ہیں ہندوستان میں سزائے موت قتل عمد کی صورت میں محکوم ہے لیکن اس کے ساتھ عدالت کو اختیار ہے کہ اسے جلا وطنی سے بدل دے اس کے بعد گورنمنٹ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ روداد مقدمہ سے الگ ہو کر سزائے موت کو معاف کر دے یا بدل دے اسلام میں بھی سزائے موت کے متعلق ایسی صورتیں رکھی گئی ہیں کہ قاتل با وجود ثبوت جرم کے قتل کی سزا نہ پائے۔ ہر قتل کی سزا موت نہیں ہے اور جن صورتوں میں سزائے موت ہے ان میں بھی ورثائے مقتول کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ معاوضہ لے کر قاتل کی سزا سے در گزر کریں۔ یہ حکم صرف اس بنیاد پر ہے کہ مہذب گروہ میں حتی الوسع سزائے موت کم ہو اس لئے کہ قومی تہذیب خود ایسے سخت جرائم کے انسداد میں مدد پہنچائے گی لیکن اگر کوئی قتل و غارت گری اپنا پیشہ ٹھہرا لے اور اس طرح اپنے کو وحشیوں میں داخل کرے تو پھر ورثائے مقتول کی سفارش قاتل کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔ ایسے نڈر بیباک اور بد خصلت کا نوع انسانی میں رہنا کسی طرح گوارہ نہیں ہو سکتا۔

فصل نمبر ۴۲

زناکاری

زناکاری اسلام میں سنگین جرم ہے جیسا کہ جرائم میں مذکور ہوا ہے لیکن اس مہذب زمانہ میں یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

لوگ کہتے ہیں کہ زنا مقتضائے فطرت انسانی ہے اس کا روکنا اور وہ بھی اس سختی کے ساتھ کہ بعض بعض صورتوں میں مجرم کا قتل کرنا ضروری ہو بادی النظر میں بدنما معلوم ہوتا ہے اس اعتراض کے رفع کرنے کے لئے اس مسئلہ کا مزید توضیح کے ساتھ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے چونکہ زنا ضد ہے نکاح کی اس لئے اس مضمون کے سمجھنے کیلئے پہلے اغراض نکاح جاننا چاہیئے اور نکاح میں جو شرعی سہولتیں ہیں

ان کو سمجھنا چاہیئے اس کے بعد خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ اس بارہ میں شرعی آزادیاں جس طرح نہایت ہی پسندیدہ ہیں اسی طرح شرعی احکام سزا بھی سراسر حکمت اور انصاف سے بھرے ہوئے ہیں ۔

اغراض نکاح :۔ اغراض نکاح کیا ہیں ؟ قبل اس کے کہ ناظرین ہمارا جواب ملاحظہ کریں خود سوچیں کہ فطرت نے جہاں قوت مباشرت انسان میں ودیعت کر دی ہے وہاں یہ خیال بھی ودیعت کر دیا ہے کہ زن وشو کی یکجائی عقد نکاح کے ذریعہ سے ہو تو اچھا ہے نکاح کے طریقہ مختلف ہیں لیکن ماحصل سب کا ایک ہی ہے یعنی دنیا میں کوئی فرقہ یا کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے نزدیک یہ خیال مستحسن نہ ہو یا طبیعت ثانی کے طور پر یہ امر مقتضائے انسانیت نہ ہو کہ ہر مرد کو کسی خاص زن کا شوہر ہونا چاہیئے اور ہر عورت کو کسی خاص مرد کی بیوی بننا چاہیئے اب فرمایئے وہ کیا خدمت ہے نیچر یا فطرت کی جو بغیر اس کے پوری نہیں ہوتی تھی کہ خواہ مخواہ فطرت نے ایک کو دوسرے کی بیوی قرار دینے میں اس درجہ سفارش کی ہے یا دوسرے الفاظ میں وہ کیا اغراض فطرت ہیں جو بغیر نکاح ہوئے ناتمام رہتے ہیں ۔

کسی زمانہ میں بحیثیت وکیل سرکار مجھے عدالت سشن میں ایک ایسے مقدمہ میں پیروی کرنا پڑی جس میں ایک شریف ہندو خاندان کی پندرہ سالہ دختر پر یہ الزام تھا کہ وہ ارہر کے کھیت میں لڑکا جنی اور وہیں اس زندہ لڑکے کو مار کر چھوڑ آئی ۔ حالات مقدمہ یہ تھے کہ وہ لڑکی کمسنی میں بیوہ ہو گئی تھی اور ملکی رواج کے مطابق پھر اس کا بیاہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا تھا ۔ اور فطرت کے زور کا دبانا اس کے اختیار سے باہر تھا نتیجہ اس کشمکش کا یہ ہوا کہ وہ زنا کرنے پر جو مقتضائے بشریت ہے مجبور ہوئی اور حاملہ ہو گئی کیونکہ مباشرت کی حالت میں حمل قرار پانا اگر کوئی خاص امر مانع نہ ہو تو لازم ہے کم سن لڑکی اسقاط حمل کے طریقوں سے ناواقف تھی یا اس پر غور کر رہی تھی کہ زمانہ وضع حمل آپہنچا لڑکی اپنے نان و نفقہ میں دوسروں (گھر والوں) کی محتاج تھی وہ خود کوئی سرمایہ جداگانہ نہیں رکھتی تھی اس نے دیکھا کہ گھر والے خود اسکی کفالت سے گھبراتے ہیں تو اس کے بچے کی پرورش کیا کریں گے چپکے سے جا کر اپنے لخت جگر کو زندہ درگور کر آئی ۔ اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ گھر والے اس کے لڑکے کے کفیل ہوں گے یا مرد زانی یہ کہتا کہ "جو ہوا سو ہوا نہ گھبراؤ میں تیرے بچہ کا ساتھ دوں گا" تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی غرض کہ وہ بچہ محض اس لئے مارا گیا کہ اس کا کوئی پرورش کرنے والا نہ تھا یہ خیال غلط ہے کہ لڑکی نے اس کو شرم کی وجہ سے مارا ۔ یہ بالکل غلط سراسر غلط ہے ۔ شرم کا مادہ اس میں ہوتا تو غیر مرد

کے سامنے وہ برہنہ ہونا اور اپنے دامن عصمت کو آلودہ کرنا کب پسند کرتی۔ یا اگر اس میں کچھ شرم تھی تو جاتی رہی تھی۔ نو مہینے تک پیٹ پھولا رہا۔ اپنے پرائے گھر والے، گاؤں والے قرب وجوار والے سب ہی واقف ہوگئے تو اب شرم کہاں باقی رہی ہرگز وہ بچہ شرم کا شکار نہیں ہوا۔ وہ صرف ناداری کا شکار ہوا اس لڑکی کو اپنی پرورش کے لالے پڑ گئے تھے گھر والوں کی پھری ہوئی نظریں دیکھ کر وہ اپنی گزر اوقات مشکل سمجھتی تھی لڑکے کی پرورش اور پرداخت کہاں سے کرتی۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات اچھی طرح سے جم گئی اور اب تک میں اپنی رائے پر قائم ہوں کہ عورتیں کسب معاش کے ناقابل ہیں اور بالخصوص اولاد ہونے کی حالت میں تو اور بھی کچھ دنوں پہلے سے اور کچھ دنوں بعد تک وہ بالکل ہی ناقابل ہو جاتی ہیں مرد کی حالت اور حیثیت فطرتاً ایسی رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش بخوبی کر سکتے ہیں اور عقد نکاح کی غرض صرف یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کا کفیل ہو جائے انگریزی قانون میں ولدالحرام کی پرورش بھی باپ پر فرض ہوتی ہے لیکن ولدالحرام کے باپ کا معین کرنا آسان نہیں ہے اور نہ فطرتاً ایسے باپ کو خود پرورش اولاد کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

انسان خلقتاً کمزور پیدا ہوا ہے اس مضمون کے سمجھنے کے لئے وہ مضمون پڑھیے جس کا عنوان ہے "انسانی کمزوریاں" انسان کے بچوں کی پرورش دوسروں پر پیدائش کے ساتھ ہی لازم آتی ہے ان کو فطرتی محبت جو دی گئی ہے وہ پرورش کے لئے کافی نہیں ہے صرف محبت سے کام نہیں چلتا پرورش کے لئے سرمایہ درکار ہے اور ان کے پاس سرمایہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اور اس لئے باپ پر پرورش کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا بار ڈالا جاتا ہے باپ کا تعین آسان نہیں ہے اس لئے عقد نکاح اس تعین میں آسانی بہم پہنچانے کیلئے ضروری خیال کیا گیا ہے۔ شادی بیاہ یا عقد نکاح ہر مذہب اور ہر فرقہ میں کہیں مذہبی پابندی کے ساتھ لازم ہو کر کہیں سنت ہو کر اور کہیں اخلاقی حیثیت سے سوسائٹی کا فرض بن کر فرض یا واجب ضرور قرار پاتا ہے اور سب کی غرض صرف اتنی ہی ہے کہ جو اولاد زن و شو کی یکجائی سے پیدا ہو وہ ماری ماری نہ پھرے۔

نکاح میں سہولتیں :- شرع محمدی میں نکاح کے لئے بے انتہا سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں اور ان تمام سہولتوں کی غایت صرف یہ ہے کہ لوگ زنا سے بچیں۔ مثلاً

اول شرع محمدی میں تاکید ہے کہ جب لڑکیاں بالغ ہوں اور کفو مل جائے تو والدین کو چاہیئے کہ پھر وہ عقد میں تاخیر نہ کریں۔ لیکن یورپ میں ایسا نہیں ہے لڑکیاں شباب سے اتر جاتی ہیں تب بیاہ کرتے ہیں

معاصی سے توبہ کرنے کے زمانے سے ان کے شادی بیاہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے ہم اس طرز کو ناپسند کرتے ہیں اور سخت ناپسند کرتے ہیں۔ یورپ میں اس کے متعلق جو اخلاقی برائیاں ہو رہی ہیں دنیا میں کوئی بھی ان کی تائید نہیں کر سکتا لیکن اس قدر ہم کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ ہندوستان کے مقابلہ میں جہاں بیاہ کے بعد بدکاریاں شروع ہوتی ہیں یورپین سوسائٹی کا یہ دستور کہ بیاہ کے معاہدہ کی عزت فریقین حتی الوسع قائم رکھتے ہیں اور بیاہے جانے کے بعد بہت کم زنا سے تعلق رکھتے ہیں ضرور نسبتاً قابل پسند ہے۔

۱۲:۔ شرع محمدی میں نکاح کے لئے صرف دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ کسی رواج یا رسم کی پابندی نہیں ہوتی عیسائیوں میں باوجود اس آزادی اور تہذیب کے نکاح کے لئے کلرجی مین کا ہونا ضروری ہے۔ اس سختی کے مٹانے کے لئے سول میرج ایکٹ جاری ہوا جس سے عیسائی اور دوسرے فرقہ والے برابر مستفید ہو سکتے ہیں لیکن اس میں بھی عدالت کا توسط ضروری ٹھہرتا ہے۔ ہندوؤں کے سابق طریقہ بیاہ کو چھوڑ کر آج کل جو طریقے نافذ ہیں ان میں اولیا کی رضامندی اور کبھی کبھی فریقین کی رضامندی کے علاوہ چند رسوم ایسی ہیں کہ جب تک انکی پابندی نہ ہو بیاہ جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح بہت سی مختلف شرطیں اور قیدیں دنیا کے مختلف فرقوں میں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں کوئی مہذب اور آزاد قوم سوائے مسلمانوں کے ایسی نہیں ہے جس میں مرد عورت سے کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور عورت کہے کہ میں نے منظور کیا۔ دو گواہوں نے یہ کہتے سن لیا بس نکاح ہو گیا۔ جہاں احکام سزا متعلقہ زنا میں سختی رکھی گئی ہے وہاں نکاح میں آسانی بھی ایسی ہے کہ کیوں کوئی زنا کرے جس سے زنا کرنا چاہے اس سے نکاح ہی کیوں نہ کرے بلکہ سزائے زنا کی سختی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ سزائے زناکاری کے خوف سے نکاح کی طرف مائل ہوں۔ سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار نہ کریں۔

۱۳۔ خاندان میں بیاہ شادی ہونے سے اولاد کمزور ہوتی ہے اور قوم کی قوت گھٹتی ہے اسی اصول پر اکثر اقوام عالم میں باستثناء سابق ایرانیوں کے خاندان میں شادی بیاہ ہونا ممنوع ہے لیکن اسلام نے محض انسانی کمزوریوں پر لحاظ کرکے اور انسانی خواہشوں کو گمراہ کرنے والی سمجھ کر یہ اجازت دی ہے کہ صرف اپنے ماں باپ اور انکی اولاد کے سوا سب سے نکاح درست ہے دودھ کی وجہ سے جو رشتے اسی طرح کے قائم ہوں وہ مستثنیٰ ہیں۔ باقی سب سے نکاح درست ہے اس آزادی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر برادری کی کسی لڑکی سے خواہش نکاح پیدا ہو تو شرع کی سختی سے بجائے نکاح کے زنا کی

طرف رغبت نہ دلائے۔ یہاں یہ بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ قریب کی رشتہ داری شرع نے مستحسن نہیں سمجھی ہے
آنحضرتؐ کی گیارہ بیبیوں میں سے صرف ایک بیوی حضرت زینب آنحضرتؐ کے خاندان کی تھیں اور ان کو بھی آنحضرتؐ
نے ایک غیر شخص زید کے ساتھ پہلے بیاہا تھا۔ بیوہ ہونے پر کسی مصلحت سے آپ نے اپنی زوجیت میں داخل
کر لیا۔ اب ہندوستان میں جو یہ رسم جاری ہے کہ حتی الوسع خاندان ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں یہ دستور اس
انحطاط کے زمانے میں قائم ہو گیا ہے ورنہ پہلے ایسا دستور نہ تھا۔ اجازت صرف اس لئے دی گئی تھی کہ شاید
میلان طبع ہو جائے تو شرعی مزاحمت باعث ارتکاب معصیت نہ ہو۔ یہ غرض اس اجازت سے ہرگز نہ تھی
کہ قریب قریب کے رشتوں میں شادی بیاہ کر کے نسل کمزور کی جائے۔

۴۔ عقد بیوگان کا دستور مسلمانوں میں ہے۔ عورتیں آزاد ہیں کہ بیوہ ہونے کے چوتھے مہینے جس سے
چاہیں دوسرا عقد کر لیں۔ ہندوؤں کی طرح مسلمان بیوائیں عقد ثانی سے محروم نہیں رکھی گئی ہیں اور اس لئے
وہ حسرتناک تمثیل جس کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے مسلمانوں کے یہاں نہ پیدا ہونا چاہیئے اور اب بدقسمتی
سے مسلمانوں میں بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی عقد بیوگان کی ممانعت ہے تو شرع محمدیؐ اس کی ذمہ دار نہیں۔
شرع محمدیؐ صرف زبان حال سے یہ کہتی ہے کہ جس سوسائٹی نے زنا کی سزا قتل تجویز کی تھی اس کے وہم
میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کوئی زمانہ اسکی اولاد پر ایسا نہ ہو گا کہ عقد بیوگان ممنوع ہو گا۔

یہاں پر ایک حکایت لکھنا مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔ میرے زمانہ طالب علمی میں ایک مولوی
صاحب ایک شہر میں روساء کی طرف سے چندہ پر نماز پڑھانے اور وعظ کہنے کے لئے مقرر تھے لوگ انکی طرف
بہت گرویدہ تھے اور انکو بڑا بزرگ سمجھتے تھے۔ اتفاق سے کسی نے اپنے گھر میں وعظ کہنے کو بلایا اور اس گھر
میں ایک نوجوان لڑکی بیوہ ہو گئی تھی لڑکی نے مذہبی وعظ و نصیحت مولوی صاحب کے منہ سے سن کر یہ
رائے قائم کی کہ اگر اس کے درد کی دوا ہے تو مولوی صاحب کے پاس ہے ایک دن زبانی عورت سے پیغام
مولوی صاحب تک پہنچایا۔ چند دنوں میں وہ لڑکی اپنے گھر سے مولوی صاحب کے پاس آ گئی اور مولوی صاحب
نے اس کو وطن لے جانے کا ارادہ کیا لوگوں کو جب یہ خبر ہوئی تو مولوی صاحب کے گھر پر چڑھائی کی گئی کسی نے
مولوی صاحب کی ناک کاٹنے کا ارادہ کیا اور کسی نے جان سے مار ڈالنے کا قصد ظاہر کیا خیر مولوی صاحب تو
اپنی جان لے کر اور نوکری سے ہاتھ دھو کر راہی وطن ہوئے اور لڑکی پھر بدستور اپنے اولیا کے سول جیل بھیج دی

گئی اور بات گئی گزری ہوگئی۔ایک روز ایک دوسرے مصنوعی مولوی صاحب بیچارے مجرم مولوی صاحب کی برائی کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اگر ایسے مقدس آدمی سے یہ ہوا تو پھر اور کس پر اعتبار کیا جائے اور اس نے ساتھ یہ شعر بھی پڑھنے لگے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

میں اس زمانے میں فقہ پڑھتا تھا۔مسائل نکاح سے واقف تھا میں بول اٹھا کہ آپ لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے مولوی صاحب نے یہی کام تمام عمر میں میرے نزدیک اچھا کیا تھا جس سے آپ ان کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔کیا معنی کہ ان کا نماز پڑھانا اور وعظ کہنا تو اجرت پر تھا اگر نماز نہ پڑھاتے اور وعظ نہ کہتے تو پیٹ کی روٹی کیونکر چلتی کسی غیر مذہب والے کو بھی تنخواہ دیجئے تو بطور نقال کے وہ پانچ مرتبہ نماز پڑھا جائے گا اور وعظ سنا جائے گا ہاں یہ کام جو انھوں نے کیا کہ ایک نوجوان لڑکی کو قید فرنگ سے آزاد کرنا چاہا اس میں انکی سعی بے ریا سمجھی جائے تو بجا ہے۔

برآوردن کار امیدوار بہ از قید ہندی شکستن ہزار

شعر تو کچھ بہت حسب حال نہ تھا لیکن مصنوعی مولوی صاحب کے شعر کے جواب میں کوئی شعر پڑھنا مجھے بھی ضرور تھا اور سوائے اس شعر کے اور کوئی اس وقت یاد نہ آیا۔میں نے اسی سلسلہ میں کہا کہ یہ تو وہ صورت ہے کہ مولوی صاحب نے اس لڑکی کو خلاصی دی اور ارادہ کیا کہ کسی شریف کے ساتھ لے جاکر بیاہ دیں گے لیکن اگر مولوی صاحب نے حنفی طریقہ پر دو گواہوں کے سامنے اس عورت سے نکاح کرکے اس کو خود اپنے اوپر حلال کر لیا تھا تو اب اولیاء پر اس لڑکی کے قید کرنے کے علاوہ ایک دوسرا الزام یہ بھی عائد ہوگا کہ مولوی صاحب سے انکی زوجہ منکوحہ کو بجبر چھین لیا اس کہنے پر سامعین نے جو مجھ کو برا بھلا کہا یا مصنوعی مولوی صاحب مجھ پر جس قدر خفا ہوئے سب کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔صرف یہاں یہ کہنا ہے کہ یہ حکایت میں اب تک نہیں بھولا ہوں اور نہ بھول سکتا ہوں کیونکہ اسلام کے زمانہ انحطاط میں تمام باتیں الٹی ہی دکھائی دیتی ہیں اور ہر موقع پر مجھکو خواہ مخواہ وہ واقعہ یاد آجاتا ہے یہاں اس حکایت کے لکھنے کی غرض صرف یہ ہے کہ وسعت نظر کے ساتھ ناظرین دیکھیں کہ نکاح بیاہ میں شرع محمدی نے کس درجہ آسانی اور کس قدر آزادی قائم رکھی ہے اور اس درجہ آسانیوں کے ہوتے ہوئے پھر کوئی چور کی طرح زنا کرنا چاہے تو کیوں نہ اس پر سختی کیجائے۔

۵:- دنیا کی کسی قوم میں طلاق کے متعلق یہ آزادی نہیں ہے جو اسلام میں ہے۔ ہندوؤں میں تو طلاق ہے ہی نہیں۔ حتیٰ کہ عنین محض کے ساتھ کسی عورت کا بیاہ ہو جائے جب بھی عورت اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں کا قانون تو خیر قابل لحاظ بھی نہیں ہے اب رہا یورپین قانون۔ غور کیجئے تو وہ بھی ناقص ہے وہاں طلاق تو جائز ہے مگر فریقین کی مرضی پر اس کا انحصار نہیں ہے عدالت کے حکم پر اس کا مدار ہے اور عدالت کا حکم عورت کے زانیہ ثابت ہونے پر ہوتا ہے۔ ابھی حال میں ایک مقدمہ اخباروں میں چھپا ہے کہ عورت اپنا زانیہ ہونا بیان کرتی تھی اور شوہر کہتا تھا کہ ہاں عورت سچ بولتی ہے جب بھی عدالت نے طلاق روا نہیں رکھی بالآخر عورت کو پیرس کے ہوٹل میں جا کر منیجر کے سامنے زنا کرانا پڑا۔ اور جب منیجر نے عدالت میں آکر چشم دید شہادت زنا کی دی اس وقت زن و شو میں علیحدگی ہوئی۔

اسلام میں جس طرح نکاح کے لئے رسم و رواج کی پابندی نہیں ہے اسی طرح طلاق کے لئے بھی کوئی قید نہیں ہے۔ مرد نے عورت کو ناپسند کیا اور تین مرتبہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی یعنی ترک کیا پھر وہ عورت اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور چوتھے مہینے وہ کسی غیر سے عقد کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ زن و شو کی باہمی نارضامندی ایسی شے ہے کہ اس کی بدولت زندگی طرفین کی تلخ رہتی ہے اس کے وجوہ جو کچھ ہوتے ہیں وہ زیادہ تر انھیں دونوں کے سمجھنے کے ہوتے ہیں غیر ان کو نہیں سمجھ سکتا اس لئے شرع نے مردوں کو طلاق دینے میں پوری آزادی دی ہے۔ عورتوں کے لئے صرف اتنی قید لگائی ہے کہ وہ مردوں کو راضی کر لیں خلع کے مسئلہ میں رضامندی حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اگر زید کی بیوی نے عمر کو پسند کیا اور عمر نے بھی اس کو پسند کر لیا ہے تو ایسی حالت کے لئے بھی شرع نے ایسا راستہ نکال دیا ہے کہ زید کی بیوی عمر کے ساتھ جائز تعلقات رکھ سکتی ہے۔ گو یہ صورت پسندیدہ نہیں ہے لیکن زنا کرنے سے تو کہیں اچھا ہے کہ عمر کچھ مال زید کی بیوی کو دے اور زید کی بیوی اپنے شوہر کو مال کی طمع دکھا کر اس سے طلاق حاصل کرے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ گو یہ صورت شرع میں جائز رکھی گئی ہے لیکن اخلاق کے خلاف سمجھی گئی ہے حتی الوسع کسی کو اس پر عمل نہ کرنا چاہیئے لیکن اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے زنا کی نوبت آنے والی ہے تو شرع بتاتی ہے کہ زنا نہ کرو بلکہ یوں عمل کرو اور باوجود ان سہولتوں کے بھی زنا کے قریب جاؤ گے تو بڑی سخت سزا دی جائے گی۔

۶:- مسلمانوں کے بعض فرقہ نے طلاق کی آسانیوں کو زیادہ تر وسعت دے کر موقوف نکاح کی صورت پیدا

کرلی ہے یعنی یہ فتویٰ دیدیا ہے کہ معین زمانے کے لئے نکاح جائز ہے حتیٰ کہ گھڑی دو گھڑی یا دن دو دن کے لئے بھی اب تو آزادی کی انتہا ہوگئی۔ لیکن اس صورت میں بھی مہر لازم کر دیا گیا ہے۔ اولاد پیدا ہو تو اس کی پرورش باپ پر فرض ہوتی ہے۔ اور مثل معمولی اولاد کے وہ ترکہ بھی پاتی ہے۔ عورت کو عدت کے دن پورے کرنے ہوتے ہیں تاکہ اولاد کے باپ کا تعین کرنا دشوار نہ ہو۔

شرع محمدی قانون ربانی ہے۔ یعنی جس نے فطرت انسانی قائم کی ہے اسی نے قانون تعزیری بھی بنا دیا ہے۔ کہ فطرت انسانی کے خلاف کرنے والے کی یہ سزا ہے۔ شرع محمدی یہ کہتی ہے کہ ہر طور پر آزادانہ بسر کرو لیکن اصول میں پکے رہو اور مردانہ زندگی بسر کرو عورتوں سے مباشرت بہت مرغوب ہے لیکن اس کے ساتھ پرورش اولاد کی پخ بھی تو لگی ہوئی ہے اگر اس لذت کو چاہتے ہو تو اس بار کو بھی اٹھاؤ اور اگر اس بار سے بچ کر چوروں کی طرح اپنی خود غرضی کا اظہار کروگے اور یوں انتظام عالم کو توڑنا چاہو گے تو تم نہیں توڑ سکتے۔ تمہاری سزا ایسی سخت تجویز کی جائے گی کہ کبھی کبھی وہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگی۔ حالت زنا میں تو مردوں کی سزا اس اصول پر ہوتی ہے جو ابھی بیان کیا گیا اور عورتوں کی سزا اس لئے ہوتی ہے کہ زناکاری کا جرم قرار پانا محض عورتوں کے نفع کے لئے ہے مرد تو اپنا مطلب حاصل کر کے الگ ہو جاتے ہیں زحمت میں عورتیں پڑ جاتی ہیں زناکاری کی سزا کا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ لوگ زنا سے بچ کر نکاح کریں گے اور نکاح کرنے سے عورتوں کے مدارج بڑھیں گے عورتوں کی اور عورتوں کی اولاد کی پرورش کی اچھی صورت پیدا ہوگی۔ اب عورتیں شرع کے ان تمام سلوک کو بھلا کر زناکاری میں مردوں کی معین ہیں تو شرع محمدی کہتی ہے کہ ایسے ناسپاس معین مجرم کی سزا بھی مثل مجرم کے کرو تاکہ پورے طور پر ارتکاب جرم کا استیصال ہو اور انتظام عالم کے توڑنے والوں کا گروہ قوی نہ ہونے پائے۔

سمجھانے کا ایک پہلو تو وہ تھا جو اوپر اختیار کیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ زناکاری ام الجرائم ہے کیونکہ سیکڑوں جرائم اس سے پیدا ہوتے ہیں حیا جو جوہر انسانی ہے اس سے بالکل جاتی رہتی ہے اور اس جوہر لطیف کے چلے جانے سے انسان شیطان کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ اشتعال طبع کے اسباب بہم پہنچتے ہیں عقل انسانی جاتی رہتی ہے شروع مضمون میں ہم نے جو واقعہ لکھا اس سے صریح ظاہر ہے کہ اس زنا کی بدولت بے گناہ بچہ قتل کیا گیا اور بالآخر عورت کو بھی قتل اولاد کے جرم میں پھانسی دی گئی اگر شروع ہی میں زانی یا زانیہ کو بید لگائے جاتے یا قتل کی سزا دی جاتی تو ایسے ایسے سیکڑوں ہزاروں جرائم کا وقوع آنا بند ہو جاتا دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی

اور ہزاروں آدمی نصیحت پکڑتے۔ ہمارا تجربہ کہتا ہے کہ زناکاری کی بدولت چوریاں ہوتی ہیں ہنگامے ہوتے ہیں مارپیٹ ہوتی ہے کتنے خون ہوتے ہیں۔ کیا کچھ نہیں ہوتا۔ سمجھنے کے لئے یہ کیا کم ہے کہ مفصلہ بالا واقعہ میں ۲ و جانیں تلف ہوئیں لڑکا زندہ درگور کیا گیا اور ماں نے پھانسی پائی اگر زانی اور زانیہ کی سزا شروع ہی میں ہو جاتی تو کیا اس آخری نتیجہ سے زیادہ اس میں سختی تھی؟ سختی دونوں میں روا رکھی گئی ایک میں سختی کا فائدہ محدود رہا دوسرے میں ام الجرائم کے انسداد کی وجہ سے فائدہ غیر محدود ہوتا۔

ایک تیسری صورت اور لیجئے۔ زناکاری سے امراض متعدی پیدا ہوتے ہیں اس کی بدولت جرائم کا عارضہ بھی توریث میں چلتا ہے اگر درخت کی ایک شاخ میں کیڑے لگ گئے اور باغبان کو معلوم ہوا کہ تمام پھل ایسے یقیناً کانے ہونگے تو اس شاخ کو کاٹ ڈالنا کسی طرح نامناسب نہیں ہے اور اگر یہ معلوم ہوں کہ دوسری شاخیں اس سے خراب ہو جائیں گی تو اس شاخ کا کاٹنا تمام کاموں سے مقدم ہوگا اسی طرح اگر انسان کوئی ایسا فعل کرتا ہے جس سے بنی نوع انسانی میں متعدی امراض کے پھیلنے کا اندیشہ ہے تو اس فعل کے روکنے کے لئے ہر مناسب تدبیر بنی نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے والی تصور کی جائے گی اور اگر اس غرض کے پورا کرنے کے لئے کوئی سختی عمل میں لائی جائے تو وہ سختی اس اعتبار سے کہ اس سے فوائد بے شمار حاصل ہوں گے ہرگز ناپسندیدہ نہ سمجھی جائے گی۔

جہاں تک ممکن ہوا ہم نے شارع کے اغراض کے ظاہر کرنے میں کوشش کی لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو شارع کے تمام مصالح سمجھنے میں پوری کامیابی ہوئی یا نہیں۔ لیکن اس قدر خوب سمجھنا چاہیئے کہ اگر شرع کے مسائل پر اد ھورا عمل کیا جائے یعنی نکاح اور طلاق میں رواجاً یا قانوناً سہولت نہ رکھی جائے اور زنا کی سزا میں سختی کی جائے تو پھر مسلمانوں کے قانون سے زیادہ کوئی دوسرا قانون نوع انسانی کا ستانے والا نہ ہوگا اور اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہند کی موجودہ حالت میں انگلستان کی پوری آزادی بھی واضعان قانون یہاں روا رکھیں تو اصول عدالت کے خلاف نہیں کسی قدر اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے تو اچھا ہے۔ شرع محمدی تمام قوانین عالم سے افضل ہے۔ لیکن اس کی افضلیت جب ہی ہے کہ اس پر پورا پورا عمل کیا جائے اد ھورا عمل ہو تو دوسرے قوانین اس سے کہیں اچھے ہیں۔ انگلستان میں زناکاری کوئی جرم نہیں ہے صرف اخلاقی جرم ہے اور فریق ثانی کو یہ حق پیدا ہوتا ہے کہ وہ افتراق کرا لے ہندوستان میں شرعی قانون جاری تھا ہندو بھی اس معاملہ میں

کسی قدر سخت تھے اس لئے ہندوستان میں پبلک کی رائے کے موافق شوہر کے مستغیث ہونے پر بی بی کی زنا کاری قابل سزا ٹھہرائی گئی ہے۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ بعض اوقات مستغیث کا استغاثہ بھی سزادہی کے لئے نامناسب ہوتا ہے اور اسی لئے مثل انگلستان کے ہندوستان میں بھی یہ قانون نرم ہو جائے تو اچھا ہے۔

شرع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ نابالغ لڑکیوں کے اولیا بھی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کرسکتے ہیں انگلستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں نابالغ لڑکیوں کا عقد ہوتا ہی نہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں شرع کا یہ مسئلہ تو زیر عمل ہے کہ نابالغ لڑکیاں بیاہ دی جائیں مگر دوسرا جز و اس مسئلہ کا کہ وہ بالغ ہونے پر اگر نارضامندی ظاہر کریں تو عقد باطل ہو جاتا ہے اس پر کبھی عمل نہیں کیا جاتا۔ لڑکیوں کو آزادی نہیں دی جاتی قوم میں آزادی نہیں ہے۔ شرعی حقوق سے لڑکیاں محروم رکھی جاتی ہیں۔ اس لئے گویا سوسائٹی کے قانون نے اس کو محال اور غیر ممکن کر دیا ہے کہ کوئی لڑکی بالغ ہونے پر اپنی مرضی سے حاکم وقت کے سامنے جائے کہ مجھ کو میرے ولیہ کا پڑھایا ہوا نکاح قبول نہیں ہے۔ عورتوں کی کمزوری سے یوں فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ بارہ برس کی لڑکیاں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں مسلمان مالدار لڑکیوں کے اولیا اس طمع سے کہ جلد بیوہ ہو کر لڑکی گھر میں آجائے گی جائداد باہر نہ جائے گی نامناسب عمر کے شوہر تلاش کرتے ہیں اور غریب لڑکیاں تو ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں کی، لیکن مسلمانوں کی نسبتہً زیادہ تر اس طمع سے بوڑھوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں کہ جلدی سے بیوہ ہو کر اور سسرال کی جائداد لے کر وہ میکہ میں آ بیٹھیں گی۔ اب یہ کوئی راز نہیں ہے واقعات ہیں جن کو سب جانتے ہیں بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں کہ اولیا شادی بیاہ کے وقت جانتے ہیں کہ لڑکیاں اس پیوند سے خوش نہ ہوں گی۔ لیکن اس خیال سے کہ لڑکیاں بے زبان ہوتی ہیں وہ جو کچھ چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ بیچارے ہندوؤں کے یہاں تو عورتوں کی تائید میں کوئی قانون ہی نہیں ہے اور ہے بھی تو پرانا لامعلوم۔ مسلمانوں کے یہاں قانون زندہ موجود ہے مگر اس کا ہونا نہ ہونے سے بدتر ہے۔ قوم کی رائے ہیں وہ قانون باعث نفرت ہے اس پر عملدرآمد نہیں ہے پھر اس کا وجود بجز اس کے کہ بعض بعض اوقات برانگیختگی اور بے لطفیاں پیدا کرے (مفصل بیان کے لئے "توریث ملاحظہ طلب ہے) اور کسی کام کا نہیں ہے۔

میں اپنے تجربہ کی ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ ایک مالدار عورت نے اپنی لڑکی ایک نامناسب

شخص سے بیاہی پھر نہ معلوم کیا سمجھ کر افتراق کا مسئلہ پوچھنے لگی۔ میں مشیر قانونی تھا۔ میں نے رائے دی کہ لڑکی دم دیکھنے پر دو گواہوں کے سامنے اپنی نارضامندی فوراً ظاہر کرے تو عدالت افتراق کرا دے گی۔ میں نے یہ اہتمام بھی کیا کہ جھوٹے گواہ پیدا نہ ہونے پائیں۔ ایک مولوی کو میں نے تعینات کیا کہ وہ لڑکی کو سمجھا دے کہ دم دیکھتے ہی نارضامندی ظاہر کرنا ہو تو ظاہر کر دے ڈیڑھ برس تک اس کے بلوغ کا انتظار کیا گیا ہر مہینہ میں ایک مرتبہ یادداشت لڑکی کی تازہ کی جاتی تھی بالآخر وہ لڑکی بالغ ہوئی گواہ اظہار نارضامندی کے گزرے افتراق ہوا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر میرا اطمینان پھر بھی نہ ہوا کہ لڑکی نے صاف صاف اظہار اپنی رائے کا دم دیکھتے ہی کیا ہو گا اور گواہ مصنوعی نہ ہوں گے۔ نکاح کے وقت لڑکیاں تو ہاں کہتی ہی نہیں کتنے آدمی پوچھنے والے جمع رہتے ہیں اور پھر لب پر مہر سکوت میرے قیاس میں کیسے آ جائے کہ لڑکی آدھی رات کو اٹھ کر لوگوں کو جگائے گی کہ وقت آ گیا میں تم کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے ولیہ کے پڑھائے ہوئے نکاح سے ناخوش ہوں جو تربیت یا تعلیم آج کل شرفا کی لڑکیوں کو دی جاتی ہے وہ ہرگز بھی اس قسم کی آزادی ان کو نہیں دے سکتی پردہ نشین شریف زادیوں کی اس حالت کو عدالتوں نے بھی بخوبی اندازہ کیا ہے۔ معاملات میں ان شریف زادیوں کے اقوال کی پابندی ان کے خلاف بہت کم کی جاتی ہے وہ اپنے معاملات کے سمجھنے کے قابل نہیں خیال کی جاتیں ان کی جائداد پر دوسروں کا قبضہ مخالفانہ بھی مشکل سے مانا جاتا ہے۔ بہر حال قانون نے ان کے ساتھ بہت کچھ رعایت کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ساٹھ برس کے بوڑھے کے ساتھ کم سن بیاہی جائے اور بالغ ہو کر علیحدہ ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جواب میں کہا جائے گا کہ ہاں شرعاً ہو سکتی ہے اور عدالت ہائے ہند بھی کہتی ہے کہ ہو سکتی ہے۔ مگر جو قانونی شرائط ہیں ان کے پورا کرنے سے وہ لڑکی یقیناً قاصر ہے اس لئے عملی طور پر یہ جواب ہونا چاہیئے کہ نہیں۔ اب اس حالت مجبوری میں اس قاعدہ کی جو شرع نے مقرر کر دیا ہے لڑکی پابندی نہ کرے بلکہ بالغ ہونے کے بعد چپکے سے خود ہی الگ ہو جائے تو ایسا کر سکتی ہے یا نہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو معین ہو گا شرعاً ضرور قابل سزا ہو گا۔ اب شرعی قانون نافذ کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ لڑکی با قاعدہ علیحدہ ہونے سے یقیناً ممنوع رہے گی اور بے قاعدہ الگ ہونے کی صورت میں اس کا معین جس کے بھروسہ پر وہ الگ ہو گی یقیناً مجرم ہو گا اور اس طرح پردہ نشین لڑکی گویا ہمیشہ کے لئے ایک شخص

کی حراست میں ناجائز طور پر رہنے پر مجبور ہو گی۔ اور اس کے لئے کوئی چارہ نہ ہو گا۔ اب اگر ایسی حالت میں انگلستان کا قانون نافذ ہوتا یعنی اس کے معین و مددگار حال کو سزا نہ دی جاتی تو بیجا حراست سے خلاصی پانے کی وہی ایک صورت تھی۔ ناظرین فیصلہ کریں کہ ایسی حالت میں انگلستان کا قانون افضل ہے یا ہمارا۔

ہرگز یہ افسوس نہ ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں سے حکومت جاتی رہی۔ حکومت اخلاقاً کوئی ضروری چیز نہیں ہے اور نہ انسان کی سچی مسرت کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ دولت بھی مسلمانوں میں بہت کم ہے اور اس کی بھی پرواہ نہ ہونا چاہیئے۔ قوت، لایموت سے زائد ملنا ایک طور کا جنجال ہے اگر رنج ہے تو صرف یہ ہے کہ دنیا میں سچی مسرت کے ساتھ رہنے کے لئے جو قانون مسلمانوں کے لئے بنا تھا مسلمان خود اس کو نکما سمجھے ہوئے ہیں۔ جس جز و کو چاہتے ہیں۔ لیتے ہیں اور جس جز و کو چاہتے ہیں چھوڑتے ہیں۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر اس لئے ان کا موجودہ قانون سب سے اچھا قانون ہونے کے بجائے سب سے زائد بدتر قانون ہو رہا ہے میرے بیان میں کوئی لغزش ہو تو ناظرین معاف کریں۔

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بیان کی ایک اور روش:۔

۱:۔ آدمی کے بچے پیدا ہونے کے بعد ایک مدت تک اپنی حیات قائم رکھنے کیلئے دوسروں کی اعانت کے محتاج رہتے ہیں۔
۲:۔ عورتیں فطرتاً کسب معیشت کی قابلیت نہیں رکھتیں اور اس لئے وہ بچوں کی پرورش میں مردوں کی محتاج ہیں۔
۳:۔ جوان عورتوں میں دلفریبی کی صفت ایسی ہے کہ ان سے بے نیاز ہونا طاقت بشری سے باہر ہے۔
۴:۔ عورتوں سے مردوں کا غیر مستقل اور چند روزہ تعلق بہت سے جھگڑوں کا سبب اور مختلف عوارض جسمانی کا باعث ہوتا ہے۔

مفصلہ بالا امور پر نظر ڈال کر اخلاقی سوسائٹیوں نے بیاہ کو ضروری اور زنا کو ناپسندیدہ ٹھہرایا ملکی قانون نے بھی اس کی تبعیت کی۔ ایسا زمانہ بھی گزر گیا کہ عموماً زنا کی سزا قتل تھی اور اب بھی بہت سی قومیں ایسی ہیں کہ وہاں قتل ہی زنا کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔

توریت سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کے عروج میں یعنی جب بنی اسرائیل کے قانون پر تمام مہذب دنیا میں عملدرآمد ہوتا تھا زنا کی سزا قتل تھی وہی سزا مسلمانوں کی شرع میں بھی قائم رکھی گئی کہ چند شرائط

صادق آنے پر زانی اور زانیہ کو اتنے پتھر مارے جائیں کہ وہ مر جائیں یعنی جس طرح ضابطہ فوجداری میں تعمیل سزائے موت کو یوں لکھا ہے کہ گلو بستہ اتنی دیر لٹکائے رکھو کہ جان نکل جائے ویسے ہی مسلمانوں کے ہاں اس جرم میں سزائے موت دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ پتھروں سے اتنا ماریئے کہ مجرم (زانی اور زانیہ) پتھر سے چھپ جائیں یا مر جائیں پرانی تاریخیں پڑھیئے تو معلوم ہو گا کہ پہلے تمام دنیا میں یہ جرم ایسا ہی سنگین سمجھا جاتا تھا۔

زمانہ حال کی اکثر گورنمنٹوں نے اس جرم کی سزا میں تخفیف مدنظر رکھنا شان تہذیب سمجھا ہے اور اب صرف نیم وحشی قوموں میں یہ جرم سنگین رہ گیا ہے۔ لیکن ہم اس پالیسی کے بالکل مخالف ہیں ہمارے نزدیک نیم وحشی قومیں اس خصوص میں مہذب قوموں سے کہیں اچھی ہیں یہ ان کو نیم وحشی کہیں تو وہ ان کو بھی ویسا ہی کہہ سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کے خلاف جو امر کیا جائے وہ کتنا ہی چھوٹا سہی مگر مصلحت ملکی پر نظر ڈال کر اس کی پاداش میں سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ ویسے ہی گورنمنٹ حقیقی باری تعالٰے یا دوسرے لفظوں میں قانون قدرت کی خلاف ورزی جس امر سے لازم آئے اس کو سب سے بڑا جرم سمجھنا چاہیئے ہر مذہب وملت کی کتب ربانی میں یہ جرم ہمیشہ سنگین سمجھا گیا ہے۔ کسی گورنمنٹ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ قانون قدرت کی خلاف ورزی کو وہ اپنی سلطنت کے قانون کی خلاف ورزی سے کم سمجھے یہاں ایک بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس طرح قانون قدرت کی خلاف ورزی لازم بھی آتی ہے یا نہیں۔ مہذب (نام کے) لوگ قانون قدرت کی خلاف ورزی اس کو نہیں کہتے لیکن مقدمات مندرجہ عنوان کے دیکھنے کے بعد غالباً کوئی ذی فہم ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ انگلستان کے قانون میں۔ (اور یہی کیفیت تمام یورپ کی ہے) بدکاری کوئی جرم فوجداری نہیں ہے لیکن ہندوستان کے طرز تمدن کے لحاظ سے اور ہندوستان کی قدیم عادات کی رعایت اور سابق قوانین کے اعتبار سے یہاں بعض بعض حالتوں میں زانی مجرم سمجھا جاتا ہے لیکن سزا اس کی اگلے زمانے کے اعتبار سے بہت کم رکھی گئی ہے۔

مسلمانوں میں قتل و زنا دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ یہ دونوں جرم ہیں اور دونوں کی سزا موت ہے مگر افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر جو پرائی عورتوں سے بدکاری کرنے کو کوئی خفیف سا بھی اخلاقی جرم نہیں سمجھتے۔ لوگ اپنی مذہبی کتابیں الٹ کر دیکھیں اور پچھلی امتوں کی سوانح عمریوں کو اپنے موجودہ کارناموں سے مقابلہ کریں اور شرم سے گردن جھکائیں۔

کیسا برا زمانہ آیا ! میخواری اور بدکاری کو لوگ جرم نہیں سمجھتے ۔ برا نہیں جانتے ۔ چھپانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اس کا بیان کرنا اور اعلانیہ ارتکاب کرنا فخر اور مباہات خیال کرتے ہیں ۔ حتی کہ اسی کے تذکروں سے اس وقت جلسوں کی رونق سمجھی جاتی ہے ۔ افسوس صد افسوس ! شرم ! ہزار شرم ! ۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

قتل ۔ سرقہ ۔ نزعین ۔ رشک ۔ اسقاط حمل ۔ حبس بیجا ۔ جبر ناجائز ۔ یہ سب جرائم تو بدکاری کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں ۔ ان سب سے الگ ہو کر صحت جسمانی کے متعلق غور کیجئے ۔ شہر کے کسی طبیب یا ڈاکٹر سے پوچھیئے تو معلوم ہو گا کہ سو میں ۔ نوے باشندے بدکار ہیں اور نوے بدکاروں میں سب نہیں تو پچاسی ضرور ایسے ہیں جو بدکاری کی وجہ سے امراض متعدی میں مبتلا ہیں ۔ ذرا طبیبوں سے اس بارے میں گفتگو کریئے تو معلوم ہو گا کہ قانون قدرت کی خلاف ورزی نے بالفعل کیسی سخت مصیبت نوع انسانی پر ڈال رکھی ہے جیسے بعض ناکارے درخت پھل لگے نہیں کہ سڑنے شروع ہوئے ۔ یہی کیفیت نوجوانوں کی ہے آپ ان کو ہنستے کھیلتے دیکھتے ہیں ۔ وہ آپس میں کلیلیں کرتے ہیں تو آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ خوش ہیں ۔ ہے ۔ ہے ۔ ہرگز نہیں ذرا بھی نہیں ۔ پردہ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو کہ ان نونہالان چمن کی جڑ کمزور ہے ۔ تنے سڑے ہوئے ۔ پتوں کی سبزی دو ایک روز کی مہمان ہے ۔ جڑیں اندر سے کھوکھلی ہیں ۔ عنقریب یہ چمن سے الگ کر دیئے جائیں گے یا چوب خشک کی طرح زمین میں گڑے کھڑے رہیں گے ۔ ان نوجوان حسینوں کے حسن کو زمانہ شباب میں طبًا اور عقلًا کیسا کچھ تسکین بخش ہونا چاہیئے ۔ خفقان قلب کے لئے معجون شیخ سے زیادہ پر اثر ۔ بے کسی اور تنہائی میں سب سے بڑا مونس ۔ لیکن بے اعتدالیوں کے باعث وہ زہر ہلاہل سے بھی زیادہ برا ہے اور مونس کی جگہ وہ سانپ اور بچھو سے بھی زیادہ پرخطر ہے ۔ کتنا بڑا کفران نعمت ہے ۔ خدا کی نعمت کو جو ہم اپنی بے اعتدالیوں اور بدتمیزیوں سے بگاڑتے ہیں سخت باز پرس ہم سے ہو گی اور زیادہ تر قوم کے ریفارمروں اور پیشواؤں سے جو باوجود قدرت کے قومی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیتے ۔

اب تمام دنیا میں گورنمنٹوں نے طرز حکمرانی بدل دیا ہے ۔ پچھلے زمانہ کی طرح اخلاقی امور میں مداخلت کرنے سے وہ حتی الوسع گریز کرتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ لوگ اپنے طور پر اصلاح کی کوشش کریں مہذب ملکوں میں علاوہ کھانے پینے کے کسب معاش ۔ بچوں کی پرورش مختصر یہ کہ غم روزگار کے سوا قومی اصلاح

یا قومی بہی خواہی کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کام ہر شخص کو کرنا ہوتا ہے ہندوستان کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بھی اس طرف توجہ کی ہے۔ کہیں تعلیم کے لئے کمیٹیاں ہوتی ہیں کہیں عقد بیوگان کی فکر ہے کچھ لوگ مذہب کی پرانی متبرک رسموں کے زندہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ کسی کو ناپسندیدہ رسموں کے مٹانے کی ادھیڑ بن ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری اور میخواری کے مٹانے کی طرف بھی لوگ توجہ کریں۔ اس کے متعلق کمیٹیاں ہوں تو کم سے کم اتنا اثر ضرور ہوگا کہ لوگ ان برائیوں کا اعلانیہ ارتکاب کرنا برا سمجھیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے یہ ایک مشہور بات ہے کہ برے کام کا اعلان کرنا برائی کو کئی درجہ بڑھا دیتا ہے۔

فصل نمبر ۲۳

شراب خواری

دنیا کے اکثر مذاہب اور کل اخلاقی سوسائٹیوں نے شراب خواری کو ناجائز ٹھہرا رکھا ہے پھر بھی نادان ہی نہیں کتنے ہی ذی عقل اس کے ہاتھوں تباہ ہیں انگریزی سوسائٹی سے ہم کو ذاتی واقفیت نہیں لیکن سنتے ہیں کہ انگریزوں میں اس کا رواج اس طرح پر ہے جیسے ہم لوگوں میں چائے یا حقہ کو چھوٹے بڑے سب ہی بے تکلف اس کا استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ انھیں مذہبی قید نہیں ہے اور ملکی آب و ہوا کے اعتبار سے لبسا اوقات دواً بھی استعمال کرنی پڑتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی تسلیم کریں گے کہ انگریز عموماً اس کی مقدار پر لحاظ رکھتے ہیں اور بہ نسبت ہندوستانیوں کے وہ بہت کم اس کی بدولت برباد ہوتے ہیں۔

انگریزوں کی تقلید سے جہاں بہت سی بھلائیاں ہم لوگوں میں آئیں وہاں یہ برائی بھی پیدا ہوئی کہ شراب خواری کا دستور بڑھتا جاتا ہے جس سے قوم کے بہی خواہوں کو سخت تشویش ہے کیا شراب خواری کا دستور ہندوستان میں پہلے نہ تھا؟ ضرور تھا لیکن چند متمول شہروں میں محدود تھا اور عوام کے دلوں میں اس کی طرف سے رکاوٹیں تھیں اب یہ بلا ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں پھیلتی جاتی ہے اور دلوں سے رکاوٹ اور آنکھوں سے حیا گھٹتی جاتی ہے اس کے اسباب پر ہم کو غور کرنا نہیں ہے وجہ تو کھلی ہوئی ہے کہ جہاں مذہبی قیود سے انسان آزاد ہوا۔ برائیوں نے ساتھ پکڑا ہمیں ان برائیوں کے نتائج بد کا فوٹو کھینچنا ہے جسے دیکھ کر شاید کچھ تنبیہہ حاصل ہو اور نہ بھی ہو تو ہم سوسائٹی کے فرض سے ادا ہوئے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں دو قومیں زیادہ آباد ہیں ہندو اور مسلمان ہندوؤں کے تمدنی برتاؤ سے ہم خوب واقف ہیں اعلیٰ قسم کے ہندوؤں میں شراب خوار ذات سے باہر کر دیئے جاتے ہیں اور بھگتوں کا ایک متبرک فرقہ اس کو نجس جانتا ہے مسلمانوں میں تو یہ مذہباً حرام کی گئی ہے۔

عقل ہی ایک ایسی شے ہے جو انسان اور حیوان میں امتیاز پیدا کرتی ہے اور انسان کا نیچر اس طور کا رکھا گیا ہے کہ ایک دم کے لئے اس سے عقل جدا کر لی جائے تو اس کو زندگی بسر کرنا دشوار ہو جائے شراب کا پہلا کام ہے عقل کا سلب یا کم کرنا اس لئے ذی خرد اس کے قریب جانا انسان کے نیچر کا بگاڑنا سمجھتے ہیں اور ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے کہ ایک حقیر چیز کی خاطر جوہر انسانی ضائع کیا جائے۔

کبھی کبھی ہم کو خیال آتا ہے کہ شراب پینے والے کوئی بڑے دل و دماغ کے لوگ ہوں گے اور اپنی جرأت اور بہادری کے سامنے پس وپیش یا عاقبت اندیشی کو ہیچ جانتے ہوں گے۔ ہمیں کوئی اندھیری کوٹھری میں بھیجنا چاہے تو بے چراغ لئے ہم ہرگز نہ جا سکیں گے سانپ بچھو کیڑے مکوڑے سبھی طرح کے جانوروں کا خوف لگا رہے گا شراب پی کر دنیا میں رہنا اندھیری کوٹھری میں بے چراغ جانے سے ہرگز کم نہیں ہے دنیا کی کوٹھری کے لئے نیچر نے عقل ہی کو چراغ بنایا ہے کیا یہ شرابی شراب پیتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ اس کے بعد شدت نشہ میں وہ کسی جرم کے مرتکب نہ ہو جائیں یا کسی بلائے ناگہانی میں نہ پھنس جائیں کیا یہ شرابی دوسرے شرابیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ شراب پینے کے بعد ان کو بھی یہی سوانگ بھرنا پڑتا ہے کہیں سڑکوں پر پڑے ہیں۔ کتا منہ چاٹتا ہے۔ قے کی ہے اور پھر اسی نجاست میں کپڑے لت پت ہیں۔ گھر میں ماں بہن بیٹی سب ہی طرح کی عورتیں ہوتی ہیں۔ کہیں ستر عورت کھل گیا عورتیں منہ پھیر کر الگ ہو گئیں۔ بہنیں کھڑی ہیں اور آپ پڑوسن کا سراپا سنا رہے ہیں۔ کوئی عورت سامنے آگئی اور آپ سر ہو گئے۔ نہ چھوٹے بڑے کا خیال نہ اپنے بیگانے کا پاس۔

ناسمجھ بچوں کو چھری سے کھیلنے نہیں دیتے۔ لڑکوں کو کوئیں یا دریا کے کنارے جانے سے روکتے ہیں۔ روئی کو آگ سے بچاتے ہیں۔ نمک کو پانی سے دور رکھتے ہیں لیکن دل و دماغ اور عقل انسانی کو شراب سے جو مضرتیں پہنچتی ہیں ان کا خیال یہ شرابی نہیں رکھتے اور ایسی موٹی بات نہیں سمجھتے۔ سمجھتے کیوں نہیں لیکن شامت اعمال سے دھیان نہیں کرتے۔

شراب پینے والوں پر لوگ بھروسہ نہیں رکھتے۔ امانت کی صفت ان میں تسلیم نہیں کرتے۔ عوام کی نظروں میں ان کا وقار نہیں ہوتا۔ اپنے بیگانے عزت نہیں کرتے۔ سیکڑوں طرح کے ذاتی اور مالی نقصانات اس کی بدولت انھیں اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور ان کے عوض میں ملتا کیا ہے؟ تھوڑی دیر کے لئے سرور جو طبی اور مذہبی خیال سے ہر طرح مضر صحت اور مخرب اخلاق ہے۔ ہاں ایک بات اس کی بدولت حاصل ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بے فکروں کے نزدیک شراب خوار سخی سمجھا جاتا ہے۔ ہم نے بے فکروں کی قید اس لئے لگائی کہ سمجھ دار اور اہل مذہب ایسے سخی کو جو مسرف کا خطاب دیتے ہیں اور اسراف سیکڑوں طرح کی برائیوں کی خود جڑ ہے چوری، دغا بازی، دروغ گوئی، خیانت یہ تمام باتیں اسراف کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

غرض کہ شراب خواری اسلام میں ام الجرائم سمجھی گئی ہے اور اس کے لئے سزا مقرر ہے شراب پینے والوں کو ۸۰ کوڑے لگائے جاتے ہیں اور غلام ہونے کی صورت میں صرف ۴۰ کوڑے۔ جرم شراب خواری قابل راضی نامہ یا صلح نامہ نہیں ہوتا۔ حاکم وقت گویا مدعی ہوتا ہے طریقہ سماعت شہادت اور ضابطہ عدالت یہ ہے کہ جب کوئی شراب انگوری پئے ہوئے گرفتار ہوا اور اس کے منہ سے بو آتی ہو یا یہ کہ سوائے شراب انگوری کے کوئی اور شراب پی کر بدمست ہو اور دو شخص شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود ایک بار اقرار کرے تو ہوش درست ہونے کے بعد اور یہ معلوم کرکے کہ اس نے اپنی خوشی سے پی تھی اس کی سزا ہوتی ہے۔

فصل نمبر ۲۴

جھوٹی قسمیں

جھوٹ بولنا یا جھوٹا وعدہ کرنا یا وعدہ خلافی کرنا یا جھوٹے واقعے کو قسم کھا کر سچ باور کرانا یہ سب شرع محمدی میں بڑا گناہ قرار پایا ہے گو حاکم وقت کو دست اندازی کا اختیار نہیں دیا گیا ہے جب تک کہ اور طور پر حق العباد کا اتلاف لازم نہ آتا ہو مگر اخروی عذاب سے شرع میں بہت ڈرایا گیا ہے جھوٹ بولنا کسی حالت میں مسلمانوں کو روا نہیں ہے۔ جھوٹ بولنے کے بعد نادم ہونا چاہیئے۔ خدا سے پناہ مانگنا چاہیئے توبہ کرنا چاہیئے کہ وہ غفور الرحیم ہے۔ لیکن اگر کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا کر پھر اس کی خلاف

ورزی کی گئی ہے تو شارع محض توبہ کرنے کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ تاوان ادا کرنے کا حکم دیتا ہے یہ تاوان حاکم وقت کے ذریعہ سے نہیں وصول کیا جاتا بلکہ خاطی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی سزا اس طرح کرے کہ ایک بردہ آزاد کرے یا دس مساکین کو کھانا کھلائے یا دس مساکین کو کپڑا پہنائے اور اگر ناداری اجازت نہ دے تو پیہم تین روزے رکھے اور اس عمل کو کفارہ گناہ کہتے ہیں۔

بطور کفارہ کے اگر اسلام نے کچھ خرچ کرنا واجب ٹھہرایا ہے تو اس کی صورت یہ ہے جو بیان کی گئی یہ نہیں کہ چھپکلی بدن پر گرے اور لوگوں نے تجویز کیا کہ اتنا آٹا اور اتنا تیل خیرات کیجئے سفر میں چلے تو فقیروں کے لئے امام ضامن کا پیسہ باندھ لیا۔ کشتی پر سوار ہوئے تو کچھ حضرت خواجہ خضر کی نذر کی۔ ہمارے اعتقادات کی کمزوریوں نے یہ کفارے لازم کئے ہیں اور اگر شرک بھی اس ضعف ایمان کے ساتھ ہے تو سمجھیے کہ ضلالت اور گمراہی کی یہ راہیں ہیں

ایک نئے خیال والے کی دختر کا نکاح تھا۔ نئے خیال والے کیوں کہا جائے یوں کہیئے کہ ایک پکے مسلمان واقف احکام الٰہی کے گھر برات آنے والی تھی۔ سمدھی سے اس نے کہلا بھیجا کہ لوگ کم آئیں مجھے جو کچھ خرچ کرنا ہے وہ لڑکی کے جہیز میں خرچ کروں گا جواب آیا کہ اتنے ہاتھی اتنے گھوڑے اتنے کہار اتنے آدمی ضرور آئیں گے اور آپ کو سامان کرنا ہوگا۔ بیچارے مولوی نے جواب میں لکھا۔ بھئی ہزاروں آدمی اور جانوروں کو کھانا کھلانے کا حکم جو مجھ کو دیا گیا ہے وہ میرے سر آنکھوں پر ہے " سنگ آمد وسخت آمد" پر عمل کرنا ہی ہوگا لیکن مجھ کو یہ تو بتلا دیا جائے کہ کس گناہ کا یہ کفارہ ہے جھوٹی قسم کھانے میں تو صرف دس مساکین کا کھلانا محکوم ہے کیا لڑکی کا پیدا کرنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے کہ ہزاروں مساکین کے علاوہ جانوروں کا کھلانا بھی لازم قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ کہنا بے موقع نہیں ہے کہ برات لے جانے کا دستور اور بیٹی والے سے بجبر ناخواندہ مہمانوں کی مہمان داری کرانے کا قاعدہ شرع کے خلاف ہے بیاہ شادی میں اگر کوئی خرچ شرع نے روا رکھا ہے تو وہ طعام ولیمہ ہے یعنی شوہر اپنے بیاہ کی خوشی میں اور بیوی ایسی نعمت پانے کے شکر میں اگر اپنے چند احباب کو بقدر وسعت کھلائے تو مسنون ہے دوسروں سے کھلانے کی فرمائش نہ مستحب ہے نہ مسنون ہے تعزیرات ہند کے مطابق استحصال بالجبر البتہ ہے۔

فصل نمبر ۲۵

جرائم پر نصوص قرآنی (قتل و قصاص وغیرہ)

مومنو! اگر کوئی مارا جائے تو جان کے بدلے جان کا حکم ہے آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کسی کو اس کا بھائی مسلمان معاف کر دے تو دستور کے مطابق خوش معاملگی کے ساتھ خوں بہا ادا کرنا چاہیئے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے یہ آسانی اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔[1] سورہ بقرہ رکوع ۲۲۔

مسلمانوں کو کسی مسلمان کا دیدہ و دانستہ مار ڈالنا روا نہیں ہے اور جو کوئی ایسا کرے وہ ایک مسلمان بردہ آزاد کرے اور وارثان مقتول کو اگر وہ درگزر کریں خونبہا دے۔ اگر مقتول تمہارے دشمنوں میں سے ہے اور وہ خود مسلمان ہے تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول ان میں سے ہے جن کے ساتھ تمہاری صلح ہے تو قاتل کو چاہیئے کہ وارثان مقتول کو خونبہا ادا کرے اور ایک مسلمان بردہ بھی آزاد کرے اور جس کو مقدرت نہ ہو وہ لگاتار دو مہینے تک روزے رکھے۔ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے اللہ علیم اور حکیم ہے جو کوئی مسلمانوں کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے گا اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ کی پھٹکار پڑے گی اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے[2] سورہ نساء رکوع ۱۳۔

---

[1] یایہا الذین آمنو کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب علیم۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر زبردست کمزور کو مار ڈالتا تھا تو اس سے باز پرس نہیں ہوتی تھی اور کمزور اگر زبردست کو قتل کرتا تو قاتل کے گھر کے کئی آدمی ہلاک ہوتے کوئی عورت قتل کی مرتکب ہوتی یا کوئی غلام مرتکب ہوتا تو اس کے گھر کے مردوں اور آقاؤں سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ ناانصافی ہے جو قتل کرے اسی کو سزا دی جائے۔

[2] وکان المومن ان یقتل مومنا الا خطاء ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اہلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وہو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ وان کان من قوم بینکم وبینہم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اہلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاوہ جہنم خالدا فیہا وغضب (باقی ۲۷۶ پر)

ہم نے توراۃ میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان - آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک - کان کے بدلے کان - دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے زخم - پھر کوئی معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہو گا گناہ کا - خدا کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دینے والے بے انصاف ہیں[۱] - سورہ مائدہ رکوع ۷ -

زنا ؛ - مسلمانو! تمہاری عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو انکی بدکاری پر اپنے لوگوں میں سے چار کی گواہی لو - اگر وہ تصدیق کریں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے[۲] - نساء ۳

عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو درّے مارو اگر تم اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں تمہیں ان پر ترس نہ کرنا چاہیئے - سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے - پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسّی درّے مارو اور کبھی ان کی گواہی نہ قبول کرو یہ لوگ بدکار ہیں[۳] - سورۂ نور رکوع ۱ -

---

(بقیہ ص ۲۷۵) اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیما -

[۱] وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الظلمون وقفینا علی اثارہم بعیسی ابن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التورٰیۃ واٰتینا الانجیل فیہ ہدی ونور ومصدقاً لما بین یدیہ من التورٰۃ وہدی وموعظۃ للمتقین ولیحکم اہل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الفسقون -

[۲] والتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم فان شہدوا فامسکوہن فی البیوت حتی یتوفٰہن الموت او یجعل اللہ لہن سبیلاً - (یہ راستہ آگے چل کر سورہ نور میں یوں محکوم ہوا ہے)

[۳] الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بہما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ولیشہد عذابہما طائفۃ من المومنین - الزانی لاینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لاینکحہا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المومنین - والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوہم ثمٰنین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا واولئک ہم الفسقون

احادیث میں یوں مذکور ہے کہ کنوارے مرد یا کنواری عورت سے ارتکاب زنا ہو تو سو درّے اور بیاہے ہوئے ایسا کریں تو وہ سنگسار کیے جائیں - کتب سیر میں یوں مذکور ہے کہ زنا کی حالت میں سنگسار کرنا حضرت موسیٰ کے وقت سے محکوم

چوری :- مرد چوری کرے یا عورت چوری کرے تو اس کی پاداش میں ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ تعزیر خدا کی طرف سے ہے وہ زبردست حکمت والا ہے[۱] سورہ مائدہ رکوع ۶۔

رشوت :- آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس رسائی کا ذریعہ ٹھہراؤ کہ لوگوں کے مال میں سے تھوڑا بہت جو کچھ ہاتھ آ جائے ناحق ہضم کر و[۲]۔ سورہ بقر رکوع ۲۳۔

شراب خواری اور قمار بازی :- پیغمبر! لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہدے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ بھی ہیں مگر فائدہ سے گناہ (نقصان) بڑھ کر ہے[۳] سورہ بقر رکوع ۲۷۔

مسلمانو جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہو اس کو سمجھ سکو (یعنی نشہ اتر جائے)[۴] سورہ نساء رکوع ۷۔

مسلمانو! شراب - جوا - بت اور پانسے ناپاک شیطانی کام ہیں - ایسے ہر کام سے تم بچتے رہو تاکہ نجات پاؤ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تم میں باہمی دشمنی پیدا کرا دے اور یاد الہٰی سے تمہیں باز رکھے - کیا تم یہ سن کر بھی باز نہ آؤ گے[۵] سورہ مائدہ رکوع ۱۲۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) تھا توریت میں حکم تھا لیکن عملدرآمد نہیں تھا ایک مالدار یہود کے لڑکے نے کسی عورت سے زنا کیا یہودیوں نے چاہا کہ دونوں صرف رسوا کر کے چھوڑ دیئے جائیں ہلاکت کی سزا نہ دی جائے اور آنحضرت سے بیان کیا کہ تورات میں یہی حکم ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تورات میں ضرور رجم کی سزا ہوگی یہودیوں نے ہیر پھیر کر کے اپنا مطلب تورات سے نکالنا چاہا لیکن عبداللہ ابن سلام کی موجودگی میں وہ کامیاب نہ ہو سکے تورات نے بھی رجم کا ہی فتویٰ دیا اور دونوں سنگسار کیے گئے۔

[۱] والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ [۲] ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ [۳] یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما۔ [۴] یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔

[۵] یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون۔

باب سوم

عبادات

فصل نمبر ۲۶

وضو اور غسل

ہاتھ پاؤں اور منہ دھونے کا نام وضو ہے۔ خاص خاص صورتوں کے سوا۔ ۲۴ گھنٹے میں پانچ مرتبہ وضو کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔ یورپین ۲۴ گھنٹے میں ایک مرتبہ ضرور نہاتے ہیں ہنود کبھی عموماً ایک مرتبہ اور کبھی کبھی دو مرتبہ ہر روز نہاتے ہیں۔ مسلمانوں کا پانچ مرتبہ وضو کرنا ثبوت اس امر کا ہے کہ مسلمانوں میں تمام قوموں سے زیادہ صفائی کا خیال رہتا ہے۔ نہانے میں ایک عیب یہ ہے کہ کبھی کبھی حالت جسم اور بارہا موسم یا ملکی آب وہوا روز روز نہانے سے برے نتائج پیدا کرتی ہے لیکن وضو خاص خاص امراض کے سوا کسی حالت میں مضر صحت نہیں سمجھا جاتا اور تفریح طبع جو نہانے کی علّت غائی ہے وہ وضو سے بخوبی حاصل ہوتی ہے جنابت میں مسلمان ضرور غسل کرتے ہیں۔ اور ساتویں روز جمعہ کو مذہباً ان کو نہانے کی تاکید ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ منہ ہاتھ اور پاؤں دھونا اس کے ساتھ مسواک کا برابر استعمال کرنا ساتویں روز غسل کرنا خوشبو لگانا کس درجہ مناسب اور معتدل احکام طریقہ اسلامی کے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ معزز ہنود روز غسل کرتے ہیں اور یوروپین اصحاب بھی روز غسل کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ تارک الصلوٰۃ مسلمان جو نماز کی غرض سے وضو نہیں کرتے یا کبھی کبھی افیون کے اثر سے ساتویں روز غسل میں بھی پہلو تہی کرتے ہیں ناصاف معلوم ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس وقت ضعف ہے اس لئے اسلام کے تمام ڈھیر ڈھیلے ہیں۔ جس قوم کو اپنی صفائی پر ناز تھا تمام روئے زمین کے لوگ جس کی صفائی کا دم بھرتے تھے آج وہ تمام ہندوستان کے باشندوں میں گندے اور نامبارک سمجھے جاتے

ہیں۔ سمجھنے والوں کا قصور نہیں ہے۔ قصور ہمارا ہے کہ جو چیز ہم میں قابل قدر تھی وہ ہم نے الگ۔۔ کردی انسان انسان سب برابر ہیں خوبیوں کی چادریں ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتی ہیں جب مسلمانوں نے اپنی قومی شعار کی چادریں اتار پھینکیں تو ان کا قومی امتیاز بھی جاتا رہا۔ اس موقع پر میں ایک نقل بیان کرتا ہوں جس کو سن کر ناظرین افسوس کریں گے۔

میں (مصنف کتاب) ایک روز صبح کی گاڑی میں لکھنو پہنچا اور ایک ضرورت سے مجھ کو اس وقت چوک جانا ہوا۔ ایک گھنٹہ دن چڑھ چکا تھا جب ایک مسلمان کاریگر کی دکان پر جا کھڑا ہوا میرے پیچھے ایک ہندو دلال بھی آپہنچا۔ کاریگر سو رہا تھا اس کی بیوی جاگتی تھی۔ بیوی نے مجھے مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا لیکن وہاں اس قدر گندگی تھی کہ میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پانی کے گھڑے میلے کپڑے۔ حقہ کی راکھ، کھانے کے برتن آلات حرفت سب ایک ہی جگہ تھے۔ وہ عورت آنکھیں ملتی جاتی تھی اور میرے بیٹھنے پر اصرار کر رہی تھی میں نے نہایت ہمدردی سے پوچھا کہ اگر پانی کے گھڑے الگ رکھ دیئے جائیں اور سویرے سے یہ مقام جھاڑ ڈالا جائے کہ ذرا گندگی دور ہو جائے تو تمہارا کچھ ہرج ہے؟ بیٹھنے کو فرمائش کرتی ہو لیکن بیٹھنے کے لائق جگہ نہیں بنائیں۔ میں یہ کہتا ہوا وہاں سے چلا۔ دلال نے مجھ سے کہا "حضور مسلمان ایسے ہی گندے ہوتے ہیں" دلال مجھے ضرور ہندو سمجھا اور وہ محض اس لئے کہ مجھ کو اس نے گندگی سے متنفر پایا۔ اب نتیجہ اس حکایت کا صاف عیاں ہے اس ہندو دلال کے ذہن میں یہ امر جما ہوا تھا کہ مسلمان صاف نہیں رہتے اور جو کوئی گندگی سے متنفر نظر آئے اس کی نسبت مسلمان نہ ہونے کا قیاس کرنا چاہیئے۔ یہ حکایت لکھنو کی ہے جہاں سے مسلمانی حکومت اٹھے ہوئے نصف صدی سے کچھ زائد زمانہ نہیں ہوا حکومت عیب پوشی کرتی رہی حکومت جانے پر عیوب کھل پڑے۔ ہماری خوشنما صورت اسی وقت دیکھنے کے قابل ہو سکتی ہے جبکہ ہم احکام اسلام کے پورے طور پر پیرو ہوں ہم نے نماز کو ڈھکوسلا اور ملاؤں کی تقلید سمجھ کر چھوڑ دیا۔ گھنٹہ دن چڑھے سو کر اٹھنے پر بھی کھانے کے وقت تک منہ دھونے کی نوبت نہیں آئی ایک طرف تو ہم ہیں دوسری طرف ہندو ہیں کہ مذہباً ہو یا رواجاً نور کے تڑکے آنکھ کھلتے ہوئے اٹھے لٹیا ہاتھ میں دھوتی کندھے پر رکھی حاجت بشری سے فارغ ہو کر دریا پر اشنان کیا۔ چوٹی جھاڑتے دھوتی کندھے پر ڈالے

چلے آتے ہیں۔ حالت کتنی ہی بدنما ہے مگر بدن صاف ہے۔ صبح کی ہوا کھا چکے ہیں دل و دماغ کو تفریح حاصل ہو گئی ہے۔ جی خوش ہے۔ طبیعت کام کرنے پر مائل ہے۔ مکھی وہاں نہ ہوگی تو کیا ہمارے یہاں ہوگی جہاں سبے نکروں نے پہر دن چڑھے تک مسواک نہیں کی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ حالت مسلمانوں کی اب ہے اس سے پہلے یہ حالت ان کی نہ تھی اور اب بھی جہاں کہیں احکام شرع پر ان کا عمل ہے حالت افلاس میں بھی یہ صفائی اور پاکیزگی ہیں آپ اپنی نظیر ہیں۔ اس اجڑی حالت کا بھی ایک نقشہ ملاحظہ کیجئے۔

مجھ کو ایک مرتبہ مئو کی راہ سے گورکھپور آنے کا اتفاق ہوا۔ ریل کے اوقات پہلے سے معلوم نہ تھے اس لئے سفر ایسی ٹرین میں ہوا کہ مئو اسٹیشن پر مجھ کو پانچ گھنٹہ کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ مئو ضلع اعظم گڑھ میں مشہور قصبہ ہے۔ جولاہے اس میں بستے ہیں۔ اعظم گڑھ کے مشہور بلوہ کی وجہ سے مئو اور بھی مشہور ہو گیا ہے کہ یہاں کے چند جولاہوں نے اس بلوہ میں ہندو بلوائیوں کے جم غفیر کا مقابلہ نہایت استقلال کے ساتھ کیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اس مشہور قصبہ کی سیر کرنا چاہیئے۔ یہ قصبہ متعدد ٹولوں میں تقسیم ہے اور سب ٹولے مل کر ایک شہر کا مقابلہ کرتے ہیں اس شہر میں سب سے پہلے میری نظر ایک جولاہے پر پڑی جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا سوت بٹ رہا تھا۔ میں سیدھا اس کے پاس پہنچا اور ایک نہایت معمولی مسافر کی حیثیت سے جا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے نام پوچھا میں نے بتایا۔ اس نے کچھ زائد دریافت کرنا چاہا تو میں نے اغماض کیا۔ بہرحال اس نے یہ سمجھ کر کہ میں مسلمان مسافر ہوں اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ تھوڑی دیر میں شربت لے کر آیا۔ شربت تو اپنی نوعیت میں اعلیٰ درجہ کا نہ تھا لیکن اس کا برتن نہایت صاف اور لانے کا طریقہ نہایت پسندیدہ تھا۔ میں نے بلا ضرورت اس کے پینے کا جبر گوارا کیا اور میزبان کی خاطر شکنی پسند نہیں کی اپنے میزبان کا گھر میں نے نہایت صاف پایا۔ دیواریں پاکیزہ مٹی سے لپی ہوئی گندگی کا کہیں نام نہیں۔ میرا جی وہاں بہت خوش ہوا۔ میں نے قصبہ کے حالات دریافت کرنے شروع کئے۔ سنتے سے میں نے رائے قائم کی کہ اگر یہاں انہیں جولاہوں کے چندے سے کپڑا بننے، سوت کاتنے اور روئی درست کرنے کی مشینیں لگائی جائیں تو بہت مناسب ہوگا۔ میں نے اس کے متعلق جو اپنے خیالات ظاہر کئے تو میرا میزبان بہت محظوظ ہوا اور اپنی آڑھت میں ایک متمول جولاہے کے گھر

مجھے لے گیا۔ وہاں بیسیوں آدمی جمع تھے جو اپنے تھان بیچنے کے لئے لائے تھے یہ وہ مقام تھا جہاں کم پونجی والے زائد پونجی والوں کو مال دے آتے تھے اور وہ اپنے طور پر باہر روانہ کرتے تھے یا بیوپاریوں کے ہاتھ اکٹھا فروخت کرتے تھے۔ میری تقریر سننے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور بہت توجہ سے میری بات سنی میری یہ رائے تھی کہ متمول لوگ بڑے بڑے حصہ خرید کریں اور ادنیٰ درجہ کے لوگ چھوٹے چھوٹے حصے لیں لیکن تحریک کل جولاہوں - جو لوگ اب منٹی اور کلکتہ جاتے ہیں وہ آئندہ خود اپنی مشین میں کام کریں۔ یورپین کاریگر جو بلائے جائیں ان سے متمول جولاہوں کے لڑکے کام سیکھیں اور کام سیکھنے پر مشین بالکل اپنے ہاتھ میں رکھیں یہ بات ایسی تھی کہ کہیں سے نامقبول نہ ہو سکتی تھی۔ جولاہوں نے بے انتہا پسند کیا افسوس ہے کہ مجھ کو پھر وہاں جانے کی فرصت نہیں ملی ورنہ اگر میں دو چار مرتبہ کوشش کرتا تو ضرور ایک صنعت قائم ہو جاتی۔ بہرحال میں ان لوگوں سے مل کر نہایت خوش ہوا۔ وہ لوگ نہایت صاف ستھرے تھے کپڑے پھٹے ہوئے بھی تھے تو صاف اور پاک تھے چہرہ پر گرد یا میل نہ تھی روشنی معلوم ہوتی تھی ہاتھ پاؤں صاف تھے یہ محض وضو کرنے کی برکت تھی علاوہ ان کے اجسام کے تمام در و دیوار قصبہ کے صاف تھے۔ گلیاں اور راستے ایسے صاف تھے کہ بڑے شہروں میں بھی جہاں میونسپلٹی کا قانون جاری ہے یہ صفائی نہیں دیکھی۔ مسجدیں اس قصبہ کی زائد تر تمام تھیں لیکن نہایت پاکیزہ حالت میں تھیں دیواریں صاف تھیں فرش زمین پر نہ خاک تھی اور نہ تنکا تھا۔ مٹی کے بدھنے صاف تھے۔ ڈول چرسے کا بھی درست تھا شہر کی مسجدوں سے کہیں زیادہ وہاں رونق تھی۔ وجہ اس کی کیا تھی، صرف یہ کہ کل باشندے نمازی ہیں سب وضو کرتے ہیں صاف رہتے ہیں اور جب خود صاف ہیں تو صاف چیزیں بھی پسند کرتے ہیں اسلام کی صفائی ان کے در و دیوار سے ٹپکتی ہے اور سوا اس شہر یا قصبہ جہاں کے اکثر باشندے پہروں چرخے تک آنکھوں کا میل صاف نہیں کرتے کیا خود صاف رہیں گے اور کیا گھر کو صاف رکھیں گے۔ اب جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان میلے ہیں اور میلی حالت میں رہتے ہیں وہ مئو کے غریب فاقہ کش جولاہوں کی حالت دیکھیں۔

جملہ معترضہ کے طور پر مقصد بالا زبانی بیان کی گئیں اب اصلی مضمون کی طرف مراجعت کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ وضو قرآن میں محکوم ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے۔ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین ۔ نحوی ترکیب نے اس آیت کے معنوں میں اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہاتھ منہ دھونا بالاتفاق فرض ہے۔ سر پر مسح کرنا یعنی سر کی گرد بھیگے ہوئے ہاتھ سے جھاڑ ڈالنا بھی بالاتفاق فرض ہے اختلاف صرف پاؤں میں ہے۔ اکثر علمائے اسلام پاؤں کا دھونا فرض بتاتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ پشت پا کی گرد جھاڑ ڈالنا چاہیئے۔ یعنی پاؤں پر مسح کرنا۔ کافی ہے۔

غسل حالت جنابت میں فرض ہے۔ حیض اور نفاس کے بعد بھی فرض ہے۔ پیغمبر خدا عیدین اور جمعہ کے دن برابر غسل کرتے تھے۔ اس لئے ان ایام میں غسل ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مردے کو دفن کرنے سے قبل غسل دینا واجب ہے۔ احرام باندھنے سے پہلے بھی غسل واجب ہے۔ عیدین، جمعہ اور حج کا غسل بظاہر اس لئے ضروری ہے کہ گندگی سے ہوا کے خراب ہو جانے کا احتمال رہتا ہے اور دوسروں کی تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے۔

غرض کہ نہانے دھونے کے احکام اسلام میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں اور شارع نے بڑا اعتدال ملحوظ رکھا ہے۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہایت صفائی کے ساتھ آدمی رہ سکتا ہے جسم کو صاف اور طبیعت کو مفرح رکھنے کے لئے اسقدر پانی کا استعمال کافی ہے جتنا کہ اسلام نے ضروری ٹھہرا دیا ہے اور اگر کچھ اور مبالغہ کیا جائے تو کہیں بھی شرع میں ممانعت نہیں ہے۔ دن بھر میں دس مرتبہ غسل کیا جائے تو شرع کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں جہاں پانی بآسانی میسر نہیں آتا وہاں پانی کو فضول گرانا اس طرح کہ ذی حق ان سے محروم رہیں البتہ داخل اسراف ہے اور یہ ایک بالکل جدا مسئلہ شرع کا ہے۔

فصل نمبر ۲۷

تیمم اور مسح

بجائے دھونے کے تیمم اور مسح کر لینا بھی جا بجا محکوم ہے۔ صرف حدیث نبویؐ سے یہ ثابت نہیں ہے قرآن میں بھی محکوم ہے۔ بعض اس کی صحت نہیں سمجھتے اس لئے تصریح کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

جہاں کہیں پانی میسر نہ آئے اور اس لئے وضو اور غسل ممکن نہ ہو وہاں شرع محمدیؐ وضو یا غسل کی جگہ

تیمم کا حکم دیتی ہے۔ کف دست کو پہلے پاک مٹی یا خاک پر پھیر کر دونوں ہاتھوں پر اور منہ پر پھیرنا تیمم کہلاتا ہے۔ علم طب سے جو واقف ہیں ان پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان کے تمام جسم میں مسامات ہیں اور ان مسامات سے بدن کا زہر نکلا کرتا ہے۔ بدن کا دھونا اس زہر کے رفع کرنے کے لئے طبّاً ضروری ہے وہ زہر گو اپنی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے ایسا نہیں ہے کہ اس کا ایک جگہ عرصہ تک رہ جانا تیزاب کا کام کرے لیکن پھر بھی اس کا رفع ہونا بے انتہا تفریح بخشتا ہے۔ صرف ہاتھ اور پاؤں سے وہ دفع کیا جائے جب بھی بہت تسکین ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وضو یعنی ہاتھ، پاؤں منہ کا دھونا نصف غسل کا کام دیتا ہے۔ جس طرح شارع نے بجائے غسل کے وضو قائم کیا ہے اسی طرح پانی نہ ملنے کی حالت میں بجائے تمام بدن کے مل ڈالنے کے صرف ہاتھ اور منہ کا رگڑ ڈالنا یا پونچھ ڈالنا بنایا ہے۔ ہاتھ یا کپڑا نم کرکے جسم پر رگڑا جائے تو وہ ضرور مٹی مل لینے سے اچھا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ شارع نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا ہے اسی طرح بجائے ہاتھوں کے رومال سے منہ پونچھنا شاید زائد فرحت بخش ہو لیکن شرع اسلام کے قواعد آسانی اور سہولت پر مبنی ہیں۔ جن کے پاس کپڑا ہو اور جن کے پاس کپڑا نہ ہو دونوں سے یکساں تعلق رکھتے۔ کپڑے والوں کے لئے تیمم کا طریقہ جدا رکھنا اور جنکے پاس کپڑے نہ ہوں ان کے لئے دوسری طرز رکھنا اس اصول کے خلاف تھا جس نے تمام ہی نوع انسانی کو ایک رشتہ میں باندھنا چاہا تھا اور جس نے ایک رشتہ میں عملی طور پر باندھ کر دکھا بھی دیا اب ایک بات یہ رہی جاتی ہے کہ مٹی ملنے کی کیا ضرورت ہے ویسے ہی ہاتھ پھیر لئے جائیں تو کیسا۔ تفریح اس سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کہنا بے شک صحیح ہے لیکن بعض وقت بغیر مٹی کے منہ اور ہاتھ کی چکناہٹ رفع نہیں ہوتی۔ مٹی میں ایک خاص قوت پاک کرنے کی ہے اور یہ تو کوئی مسئلہ بہت باریک نہیں ہے تجربہ سے اسکو تعلق ہے۔ پہلے وضو کیجئے پھر تھوڑی دیر میں مٹی سے تیمم کیجئے پھر ذرا ٹھہر کر خالی ہاتھ منہ پر پھیرئے تجربہ خود بتادے گا کہ وضو میں سب سے زیادہ تفریح ہے اس کے بعد تیمم کا درجہ ہے پھر خالی ہاتھ پھیرنے کا۔ واضح رہے کہ تیمم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام منہ میں خاک لپیٹ لی جائے منہ پر بعد تیمم کے خاک ظاہر نہیں ہوتی اور اگر کبھی خاک ظاہر ہوئی بھی تو اس کو آسانی سے جھاڑ سکتے ہیں۔ تیمم سے مقصود ہے کثافت کا رفع کرنا اور تفریح پیدا کرنا۔ چہرہ کا خاک آلودہ کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ چہرہ تیمم سے کبھی بدنما ہوتا ہے۔

تر ہاتھوں کو سر پہ پھیرنا مسح راس کہلاتا ہے اور وضو کا ایک رکن یہ بھی ہے۔ سر پہ ہاتھ پھیرنے کی غایت صرف بالوں کی گرد کا صاف کرنا ہے۔ صفائی جسم اسلام میں بہت ضروری رکن ہے اس کے متعلق جو توضیح وضو کے بیان میں کی گئی ہے قابل ملاحظہ ہے۔

میں نے ایک محفل میں دیکھا کہ ایک یورپین جنٹلمین جیبی رومال سے اپنے جوتے کی خاک جھاڑ رہا تھا ملازم اس کا موجود نہ تھا اس لئے منہ پونچھنے کے رومال سے اس نے جھاڑن کا کام لیا اس نے رومال کا گردآلودہ ہونا گوارہ کیا لیکن بھری محفل میں جوتے پر گرد کا رہنا پسند نہ کیا۔ اس وقت دفعتاً میرا ذہن منتقل ہوگیا مسح علی الخفین کے مسئلہ کی طرف یعنی مجلس نماز میں جو کوئی جوتا پہن کر جانا چاہے اس کو چاہیئے کہ نم ہاتھ جوتوں پہ پھیرے اور اس طرح اس کی گرد جھاڑ ڈالے اسی کو اصطلاح شرع میں مسح علی الخفین کہتے ہیں یعنی جن لوگوں کے پاؤں میں بوٹ ہوں اور ان کو اتارنا منظور نہ ہو وہ وضوع کے وقت بجائے پاؤں دھونے کے صرف بوٹ پر نم ہاتھ پھیر لیں یعنی اس کی خاک جھاڑ ڈالیں تو کافی ہے۔

فصل نمبر ۲۸

اذان

جب مدینہ کے مسلمان تعداد میں بڑھتے گئے تو نماز کے لئے بلانے میں کسی قدر اہتمام کرنا پڑا دس بیس سو تک تو خیر ایسی کوئی ضرورت نہ ہوئی لیکن جب مومنین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تو اعلان بغیر کام چلتا نظر نہیں آیا لوگوں کا انتظار کیا جاتا تو انتظار کرنے والوں کو جدا تکلیف ہوتی اور باوجود انتظار کے بھی لوگ پچھڑ جاتے ان کو الگ گلہ ہوتا۔ اب خیال یہ پیدا ہوا کہ لوگوں کے خبر کرنے کے لئے کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔ مختلف تجویزیں پیش ہوئیں کسی نے آگ جلانے کی صلاح دی کہ آگ کی روشنی دیکھ کر لوگ جمع ہو جایا کریں گے کسی نے یہ کہا کہ ناقوس یا گھنٹہ سے اعلان کیا جائے۔ اسلام کی ابتدائی حالت جیسی سادہ اور دلکش تھی وہ ان ڈھکوسلو کی پابند نہ ہو سکی کثرت رائے اس پر قرار پائی کہ بلند مقام پہ کھڑا ہو کر کوئی شخص پکار دیا کرے بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب پکارنے کے الفاظ کیا ہوں۔ چند شخصوں نے کچھ الفاظ بتائے اور کہا کہ انھوں نے عالم خواب

ہیں ان الفاظ کے ساتھ اذان دیتے سنا ہے وہ الفاظ منظور کیے گئے اور آج تک نماز سے پہلے انہیں الفاظ سے نمازیوں کو پکارتے ہیں۔ یا یہ کہ ان کو نماز شروع ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

"اللہ اکبر۔ اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان محمد الرسول اللہ۔ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ"

"اللہ اکبر" (یعنی خدا سب سے بڑا ہے) اس کے بعد موذن "اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد الرسول اللہ" کہتا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں "میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے دوسرا معبود نہیں، ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں) اس کہنے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ سننے والے سمجھ جائیں کہ پکارنے والا کوئی مسلمان ہے اور ادھر دھیان کریں کہ یہ مسلمان کیا کہتا ہے اس کے بعد موذن اصلی مطلب زبان پر لاتا ہے۔ یعنی وہ پکارتا ہے" حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح "۔ (بھائیو! نماز کو آؤ کہ اس میں فلاح ہے) اس کے بعد وہ تکبیر اور تحلیل یعنی" اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ" کہکر اپنی صدا کو ختم کرتا ہے۔

نمازیوں کی جماعت کو فوجی قواعد سے تشبیہ دیں تو اذان کو بے تکلف بگل کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں بگل فوج کو اتنا مستعد نہیں کرتا جتنا پہلے زمانے میں اذان مسلمانوں کو بیدار کرتی تھی اذان سننے کے ساتھ ہی ہر شخص اپنے گھر سے نکل پڑتا تھا گویا اذان کمند تھی جو لوگوں کو کھینچ لاتی تھی۔ ناظرین نے کسی گنجان آبادی میں آگ لگتے دیکھا ہوگا تو انکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ابھی تک ہوگا کہ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہی تمام محلے کے لوگ اپنے گھر سے نکل پڑے اور چند منٹ میں وہ لوگ جلتی ہوئی آگ کے گرد آتش پرستوں کی طرح حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ بس یہی کیفیت اذان سننے والے مسلمانوں کی تھی جب تک اسلام اسلام کی حالت پر تھا اس گئی گزری حالت پر بھی عرب اور اس کے گرد نواح میں اذان دینے والے عرب ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے ہیں اکثر انگریزی سیاح متفق اللسان ہیں کہ صبح کے وقت اذان کے سادے سادے چند الفاظ کچھ ایسی کیفیت پیدا کرتے ہیں، جو بالکل سننے ہی سے تعلق رکھتی ہے بیان میں وسعت نہیں ہے کہ ان الفاظ سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں، یا جو سماں بندھتا ہے وہ پورے طور پر بیان ہو سکے۔

ہم نے اب تک یہ دکھایا کہ مسلمانوں میں اذان کیا چیز ہے اور اس کے بعد یہ دکھاتے ہیں کہ اب لوگ اسے کیا سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کی آدھی مسجدیں تو ایسی ہیں جن میں برسوں اذان نہیں ہوتی اور جو مسجدیں آباد ہیں ان میں بھی اکثر دل کی حالت یہ ہے کہ محلّہ کے کسی ایک نمازی سے اسے رونق ہے وہی بیچارہ موذن امام مقتدی سب کچھ ہے گھڑی رات رہے آکر اذان دیتا ہے اور پھر گھڑی دن چڑھے اشراق کی نماز پڑھ کر نکلتا ہے۔ لیکن کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جو اس غریب کا ساتھ دے فجر اور عشا کا کیا ذکر ظہر عصر اور مغرب کی نمازیں بھی محلے والے شریک نہیں ہوتے۔ موذن نے اذان دی لیکن اذان دینے سے اس کا مقصود کبھی یہ نہیں ہوتا کہ لوگ آواز سن کر جمع ہوں۔ یہ مقصود ہونے کیوں لگا۔ جب وہ جانتا ہے کہ پڑوس والے اس کو دھیان میں نہیں لاتے۔ اذان دینا شعار اسلام ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ بے اذان دیئے نماز پڑھ لی جائے۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ جب موذن کو یقیناً معلوم ہے کہ برسوں حی علی الصلوٰۃ کہتے گزر گئی لیکن کسی فرد بشر نے بھی کبھی اسے بلاوا تصور نہ کیا اگر وہ صرف اتنا کہہ دیتا کہ ارے بھائی ذرا سن جاؤ تو کتنے آدمی جمع ہو جایا کرتے نماز پڑھتے یا نہ پڑھتے مگر بلانے سے ضرور آ جاتے۔ تو اب یہ گفتگو ہے کہ جان بوجھ کر ہر رکن دین کی توہین کرانی کہاں تک مناسب ہے۔ اب تیسری قسم میں وہ مسجدیں داخل ہیں جہاں موذن الگ ہیں امام جدا نوکر ہیں یا معین ہیں۔ جماعتیں ہوتی ہیں۔ مصلیوں سے صحن مسجد بھر جاتا ہے۔ جہاں اسلام کا چرچا عرصہ تک رہا ہے اور مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہاں مسجدیں زیادہ تر اسی قسم کی ہیں۔ اول اور دوم قسم کی مسجدیں زیادہ تر ہندوستان کے ان حصوں میں ہیں جہاں مسلمان کم آباد ہیں مذہبی جوش میں مسجدیں بنوا دی گئی ہیں لیکن گرد و نواح کے باشندوں میں اسلام نے اسطرح جگہ نہیں پکڑی کہ مسجد کے آباد رکھنے والے اکٹھا ہو سکیں خیر ان کا تو کوئی شمار نہیں تیسری قسم کی مسجدیں جہاں ہیں اور پانچوں وقت بلا ناغہ ان میں اذان ہوتی ہے وہاں کے مسلمانوں کی نسبت بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ سو میں پچاس لیسے ہوں گے جو اذان کی ماہیت سے واقف ہوں اذان پر کیا موقوف ہے بہت سے ارکان مذہب ایسے ہو رہے ہیں کہ لوگ بطور رسم و رواج کے ان کی پیروی کرتے ہیں اصل مذہب کے طور پر انکو ماننے والے کم ہیں۔ یوں سمجھیئے کہ قرآن تو مسلمانوں کا دین ہے ایمان ہے۔ جو کچھ ہے وہی ہے کٹی تہ کپڑوں

ہیں لپیٹ کر اسے سب سے اونچے طاق پر اور وہاں بھی سب کتابوں کے اوپر لوگ رکھتے ہیں لیکن جو کچھ عظمت ہے اسکی جلد اور کاغذ کی ہے اس کے معنوں کی بھی وقعت دل میں ہو ایسے مسلمان بہت کم ہیں تو یں لو تے گھر مسلمانوں کے ایسے ہیں جو اپنے کو شرک سے مستثنیٰ نہیں کہہ سکتے۔ توریث کے عمدہ قانون کو دل سے برا جاننے والے اکثر ملیں گے عورتوں کے حقوق جو قرآن میں قائم ہیں ان کو دل سے ناپسند کرنے والے بہت ہیں یہ لوگ رسم و رواج کے مقابلہ میں آیات قرآنی کو باوقعت نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کو ان خوبیوں کی وجہ سے جو اس میں ہیں (یعنی بہترین قانون مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق) بہت کم لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ ہاں باپ دادا کو چومتے چاٹتے دیکھا ہے اس لئے ظاہری تعظیم کرنے میں منافقوں کی طرح سچے مسلمانوں کو شرما سکتے ہیں جب اصل قرآن کی یہ حالت ہے تو اذان کی نسبت یہ پوچھنا کہ اس کے سچے استعمال کو لوگ کہاں تک ٹھیک طور پر جانتے ہیں۔ عبث ہے آیات قرآنی کو سمجھ کر ان پر عمل کیا جائے ایسا بہت کم ہے اور بہت زیادہ رائج ہے کہ داولے کے طور پر لوگ ان کو استعمال کرتے ہیں اکثر گھروں میں دعا اور تعویذ سلب مرض میں حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے کہیں زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے اور سچا اسلام گویا انھیں عقیدوں کے ساتھ محدود بانا جاتا ہے ہمارے کہنے کا منشا یہ نہیں ہے کہ آیات قرآنی کو دوا کی جگہ کام میں لانا نادانی ہے خدا کی قدرتوں میں کسی کو دخل نہیں ہے اور نہ تاثیر اشیاء پر کسی فرد بشر کو پورا عبور ہو سکتا ہے لیکن اسقدر تو ہم ضرور کہیں گے کہ یہ آیات دوا کی طرح کام میں لانے کے لئے نہیں بنائی گئی تھیں ان کے بنانے کے اصل اغراض کچھ اور تھے جن پر دھیان کرنے والے اب بہت کم ہیں مثلاً " ان اللہ علی کل شئی قدیر " (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) جنگل میں کسی مسافر پر شیر حملہ کرے اس کو بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور اس لئے وہ دل کڑا کر کے کہے کہ اللہ سب پر غالب ہے (ان اللہ علی کل شئی قدیر) اور شیر پر تلوار کا وار کرے یوں اس آیت قرآنی سے اپنے خیالات کی مضبوطی اور دل میں جرات پیدا کرے تو کہا جائے گا کہ اس نے شارع کے اغراض کی تکمیل کی لیکن بجائے حملہ کرنے کے وہ چپ چاپ آنکھ بند کر کے بیٹھ رہے اور منہ سے اس آیت کو پڑھتا جائے اور عقیدہ یہ رکھے کہ اس آیت کے اثر سے شیر کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور وہ مجھے دیکھ نہ سکے گا تو یہ ضرور کہا جائے گا کہ آیت کا استعمال اچھے طور پر نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس آیت میں آنکھ پھوڑنے کی بھی تاثیر ہو ہم کو کسی کے ذاتی عقیدہ سے

بحث نہیں ہے لیکن یہ ہر شخص سمجھے گا کہ اس کا وضع کرنا شیر کی آنکھ پھوڑنے کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ اس سے لوگوں کی عقیدت اللہ کی طرف بڑھے اور دلوں میں مضبوطی پیدا ہو اس کو دوسرے طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ کسی کو نہایت عمدہ کپڑا سر میں باندھنے کے لئے دیا جائے اور وہ اس سے اپنا میز صاف کرے گو میز صاف کرنے کا کام بھی اس کپڑے سے نکل سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا تھا اور اس لئے یہ ضرور کہا جائے گا کہ اس شے کا بُرا استعمال کیا گیا۔

جہاں مختلف امراض کی دوا میں آیت قرآنی سے کام لیا جاتا ہے وہاں چیچک کو دور کرنے میں لوگ اذان کو موثر سمجھتے ہیں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کام کے لئے اذان کب سے پُر اثر سمجھی گئی ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا خیال اس بارے میں غلط ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ منہ ہاتھ دھونے (وضو کرنے) نماز پڑھنے کا کام کرنے اور صفائی رکھنے سے یعنی عمدہ مشاغل سے کثافتیں پیدا نہیں ہوتیں اور اس لئے مسلمان جہاں رہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے یہ بلائیں (بیماریاں جو کثافت سے پیدا ہوتی ہیں) پاس نہیں آتیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کہنا کہاں تک شاعرانہ خیال کا پیرایہ رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ انھیں خیالات نے لوگوں کو ادھر متوجہ کیا ہو۔ یہ کہنا کہ جو الفاظ نماز کے لئے بلانے کو وضع کئے گئے تھے ان سے ہیضے کے بھگانے کا کام لینا نئی بات نہیں ہے غلط ہے۔ ابتدا میں اس کام کے لئے اذان کبھی موضوع نہیں ہوئی لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز کے بعد (اور وہ بھی دن کی نماز کے بعد نہیں) تمام نمازیوں کا مل کر اذان دینا اور اس سے دفع امراض وبائی کا خیال رکھنا کس زمانے کی اختراع ہے۔ جہاں لوگ اذان کو اذان نہیں سمجھتے خیر وہاں تو کوئی ایسا حرج نہیں ہے لیکن جہاں اذان کو اذان سمجھتے ہیں وہاں اس طرح پکارنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ نماز ہو چکنے کے بعد پھر نمازیوں کو بلاتے ہیں اور دل میں مقصود یہ رکھتے ہیں کہ ہماری آواز پر نمازی نہ آئیں بلکہ بلا نکل جائے۔

فصل نمبر ۲۹

نماز

نماز فارسی ترجمہ صلوٰۃ کا ہے۔ نہایت ضروری رکن اسلام کا ہے تمام مذاہب میں اخلاقی امور اصول موضوعہ یا اصول متعارفہ کی طرح پائے جاتے ہیں۔ مثلاً چوری، دغابازی، زنا، کبر، حسد، رشک، جھوٹ تمام مذاہب میں مذموم ہیں راستبازی خوش معاملگی، حب قومی تمام مذاہب میں پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح خدا کے وجود کے متعلق بھی موحدین مسلمانوں سے متفق ہیں پھر جو چیز اسلام کو ممتاز کرتی ہے وہ عقائد میں رسالت کا ماننا اور عملیات میں نماز کا پڑھنا ہے اسلام نے جو طریقہ بندگی قرار دیا ہے یعنی نماز پڑھنا وہ تمام دوسری قوموں اور مذاہب کی پرستش کے طریقہ سے جدا ہے پہلے ہم بتائیں گے کہ نماز کیا چیز ہے اور اس کے احکام کیا ہیں پھر یہ بتائیں گے کہ اس میں مصالح کیا ہیں۔

ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے کہ وہ رات اور دن میں پانچ مرتبہ بطرز خاص خدا کی یاد کرے اس خاص طرز پر یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چار مرتبہ خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ جھکے اور جھکنے کے بعد سجدہ کرے نماز کے اوقات یہ ہیں۔ ۱۔ صبح دن نکلنے سے قبل ۲۔ دوپہر کے بعد شام تک ۳۔ شام سے دن چھپنے تک ۴۔ دن چھپے سے اندھیرا ہونے تک ۵۔ اندھیرا ہو جانے سے صبح تک۔ بعض حالتوں میں اور بعض ائمہ کے نزدیک ہر حالت میں ۲ کو ۳ کے ساتھ اور ۴ کو ۵ کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں۔ صبح کا وقت بہت تنگ ہوتا ہے اٹھنے اٹھنے میں دن نکل آنے کا احتمال رہتا ہے اس لئے آسانی کے خیال سے بجائے ۴ رکعتوں کے اس وقت [illegible] رکھی گئیں اور دن چھپے کا وقت بھی تنگ ہوتا ہے ذرا دیر ہوئی کہ تاریکی چھا گئی اس لئے ایک اس وقت بھی کم کرکے صرف تین رکعتیں رکھی گئیں ان پنج وقتہ نمازوں کو جماعت سے یعنی بہت سے مسلمانوں کا ایک ساتھ ہو کر پڑھنا نہایت درجہ کی سختی کے ساتھ محکوم ہے۔ بیمار پر مرنے دم تک نماز فرض رہتی ہے بیمار بیٹھ کر یا لیٹ کر آنکھوں کے اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ جنگ میں بھی وقت آ جائے تو نماز معاف نہیں ہے۔ آدھی فوج لڑتی ہے اور آدھی نماز پڑھتی ہے پھر آگے کی فوج پیچھے نماز کو چلی آئی اور پیچھے کی آگے چلی گئی۔ تمام شہر کے لوگ ایک جگہ [illegible] کے دن نماز پڑھتے ہیں اور ایام حج میں تمام دنیا کے مسلمان مکہ میں اکٹھا ہو کر عید الاضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں مردہ کو دفن کرنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس میں رکوع و سجود نہیں ہوتا اگر جماعت ہو تو [illegible]۔

سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس کو نماز کسوف و خسوف کہتے ہیں قحط کی حالت میں شہر کے باہر جمع ہو کر نماز پڑھنا اور خدا سے دعاء مانگنا مسنون ہے۔ خوف کی حالت میں بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ طہارت کی حالت میں ستر عورت چھپا کر اور وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہونا چاہیئے۔ نماز میں زائد تر "اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے۔ اس میں سورۂ الحمد بھی پڑھنا فرض ہے اس کے علاوہ کچھ اور بھی آیت قرآنی پڑھتے ہیں جس میں موقع محل اور حضور قلب کے اعتبار سے طوالت بھی ہو سکتی ہے اور اختصار بھی ہو سکتا ہے یہاں موقع ہے کہ نماز کے تمام عربی الفاظ اور عربی عبارت کا ترجمہ کر دیا جائے۔

"اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے)

"ثنا اور تعوذ" (اے اللہ تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیرا مرتبہ بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی راندے ہوئے شیطان سے۔)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" (رحم والے بڑے مہربان اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں)

"سورۂ فاتحہ" سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جو پروردگار عالمین ہے۔ بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے قیامت کے دن کا مالک ہے اے اللہ ہم تجھی کو بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم کو سیدھی راہ پر چلا جن پر تیرا فضل ہے انکی راہ نہ ایسی راہ جس پر تیرے غضب کے مارے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔[1]

"سورۂ فیل" تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا انکا مکر غلط نہیں کر دیا؟ ان پر غول کی غول چڑیاں بھیجیں جنھوں نے ان پر پتھر کی کنکریاں پھینک کر ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔[2]

"سورۂ قریش" قریش جاڑے اور گرمی میں سفر کرنے کے خوگر بنائے گئے ہیں اب ان کو اس کے شکر میں چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے پروردگار کی اطاعت کریں کہ وہی ان کو بھوک میں کھانا کھلاتا ہے اور خوف سے ان کو امن دیتا ہے۔[3]

---

۱ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ ۲ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدہم فی تضلیل وارسل علیہم طیرا ابابیل ترمیہم بحجارۃ من سجیل۔ فجعلہم کعصف ماکول۔

۳ لایلف قریش ایلفہم رحلۃ الشتاء والصیف فلیعبدوا رب ہذا البیت الذی اطعمہم من جوع وامنہم من خوف۔

"سورۂ ماعون" تو نے قیامت کے جھٹلانے والے کو دیکھا۔ یہی تو یتیم کو دھکیلتا ہے اور محتاج کے کھانے کی تاکید نہیں کرتا۔ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں ریا کرتے ہیں اور ماعون کو روکتے ہیں [۱]

"سورۂ کوثر" ہم نے تجھ کو کوثر دی۔ اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر تیرا دشمن بے نام و نشان ہو جائے گا [۲]

"سورہ کافرون" تو کہہ۔ کافرو! میں تمہارا معبود نہیں پوجتا اور نہ تم میرا معبود پوجتے ہو نہ ہم تمہارا معبود پوجیں گے اور نہ تم ہمارا معبود پوجو گے۔ تم کو تمہارا دین ہے اور مجھ کو میرا دین [۳]

"سورۂ نصر" جب اللہ کی مدد اور فتح آئی تو تو نے دیکھا کہ لوگ، فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہیں تو اب اللہ کی خوبیاں اور اسکی پاکی بیان کر اور اس سے بخشش مانگ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے [۴]

"سورۂ لہب" ہلاک ہو جائیں گے دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ خود بھی ہلاک ہو۔ اس کا مال اور اس کی کمائی اس کے کام نہ آوے اب وہ اور اس کی چغلی کھانے والی بیوی جس کے گلے میں کھجور کی رسی ہے یہ دونوں دہکتی آگ میں داخل ہوں گے [۵]

"سورۂ اخلاص" تو کہہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے۔ نہ جنا گیا۔ اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے [۶]

"سورۂ فلق" تو کہہ کہ مخلوق کی برائی۔ شب تار کی ظلمت کی برائی گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں کی برائی اور حاسد کے حسد کی برائی سے میں پروردگار صبح کی پناہ میں آیا [۷]

---

[۱] ارایت الذی یکذب بالدین۔ فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یراءون ویمنعون الماعون۔

[۲] انا اعطینک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک هو الابتر۔

[۳] قل یایها الکفرون۔ لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم۔ ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔ [۴] اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفره انه کان توابا۔ [۵] تبت یدا ابی لهب وتب۔ ما اغنی عنه ماله وما کسب سیصلی نارا ذات لهب وامراته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد۔

[۶] قل هو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد۔ ولم یولد ولم یکن له کفوا احد

[۷] قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد۔

"سورۂ ناس": تو کہہ میں آدمیوں کے رب آدمیوں کے بادشاہ اور آدمیوں کے معبود کی پناہ میں آیا وسوسہ ڈالنے والے خناس کی برائی سے جن ہو یا آدمی[1]

"سمع اللہ لمن حمدہ": (اللہ سنتا ہے جو اسکی تعریف کرتا ہے۔)

"ربنالک الحمد": (اے ہمارے پروردگار تعریف تیرے لئے ہے)

"سبحان ربی العظیم": (میرا پروردگار عظیم اور پاک ہے)

"سبحان ربی الاعلیٰ": (میرا پروردگار اعلیٰ پاک ہے)

"التحیات الخ": تحیات صلوات طیبات اللہ کے لئے ہے۔ اے نبی سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے دوسرا معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول (بھیجے ہوئے) ہیں۔[2]

"اللہم صل الخ": اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم پر تو بیشک لائق حمد ہے اور بزرگ ہے اے اللہ برکت نازل کر محمدؐ اور آل محمدؐ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل کی ابراہیم اور آل ابراہیم پر تو بے شک لائق حمد اور بزرگ ہے[3]

"دعائے قنوت": اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے بخشائش چاہتے ہیں تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری نیک تعریف کرتے ہیں تیرا شکر ادا کرتے ہیں تیری ناشکری نہیں کرتے اور تیرے نافرمانوں کو الگ کرتے اور چھوڑ دیتے ہیں اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے ہیں اور بندگی کرتے اور تیری رحمت کے امیدوار رہتے ہیں تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

---

[1] قل اعوذ برب الناس۔ ملک الناس۔ الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔

[2] التحیات والمبارکات والصلوٰۃ والطیبات للہ۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

[3] اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید اللہم بارک علی محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

تیرا عذاب نافرمانوں کا شامل حال ہے[1]

نماز پڑھنے کے مصالح دینی و دنیوی پر نظر کیجئے۔

انسان آخر کہیں سے آیا ہے اور اس کو پھر کہیں جانا ہے یہاں کے چند روزہ قیام میں اپنے اصلی وطن کو بھلا دینا نہ چاہیئے۔ اس اصلی وطن کا حال تو جب تک انسان دنیا میں ہے معلوم نہیں ہو سکتا لیکن ہر مذہب میں مانا گیا ہے کہ لانے والا خدا ہے اور اس لئے خدا کی یاد اور اس کا دھیان رکھنا گویا اس رسی کو تھامے رہنا ہے جو اس عالم میں ہم کو لائی ہے اور جس کے ذریعہ سے ہم کو پھر یہاں سے جانا ہے۔ انسان کے ہمراہ نفس امّارہ کی بلا ایسی بے ڈھب ہے کہ انسان سے زیادہ کمزور کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے ذرا چوکا اور گیا اگر کوئی چیز اس کی بچانے والی یا جادہ مستقیم پر اس کی قائم رکھنے والی ہے تو وہ یاد خدا ہے۔ خدا کی دو بڑی قدرتیں پیدا کرنا اور مارنا خدا کے نام کے ساتھ ساتھ ذہن میں آتی ہیں خدا کی یاد حیات و موت کی یاد سے گویا وابستہ ہے خدا کا دھیان بغیر موت کے دھیان کے نہیں آسکتا اور نہ موت کا دھیان بغیر خدا کے دھیان کے آسکتا ہے خدا کا دھیان کرنا گویا موت کا دھیان کرنا ہے دنیا کی تمام برائیاں پیدا ہوتی ہیں موت کے بھول جانے پر اور موت کی یاد ان برائیوں سے باز رکھتی ہے۔ موت نہایت لازمی چیز ہے لیکن ہر شخص جب تک زندہ ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کو مرنا نہیں ہے موت ایسی لابدی اور بدیہی چیز ہے جس سے انسان ایسا ذی عقل غافل ہے۔ یہی بڑا ثبوت انسان کی کمزوری کا ہے جب یہ معلوم ہوا کہ موت کی یاد دنیا کی تمام برائیوں سے انسان کو بچا سکتی ہے تو انسان کے لئے موت کی یاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز اخلاقی حیثیت سے کارآمد نہیں ہے خدا کی یاد کرتے کرتے خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس وقت خدا کا دھیان بغیر موت اور حیات کے خیال کے بھی ہوتا ہے گو یہ خاص خاص مدارج ہیں جیسا کہ حضرت یوسف کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب زلیخا نے بے حجاب ہونے کے قبل بت کی آنکھ چھپانا چاہا تو حضرت یوسف کو گیان ہو گیا اور وہ سوچنے لگے کہ زلیخا اپنے بت سے شرم کرتی ہے اور میں خدا سے شرم نہ کروں۔ بہرحال تمام دنیا کے مذاہب خدا کی یاد کو ایک بڑا رکن مذہب کا خیال کرتے ہیں قرآن میں جا بجا خدا کو یاد کرنے کا حکم ہے اور اس تاکید کے ساتھ کہ اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہر وقت خدا کی یاد کرو اس یاد کرنے کے علاوہ نماز پڑھنے کا بھی جا بجا حکم ہے۔ جس کو حدیث نبوی اور فعل نبی کے ساتھ ساتھ دیکھنے سے وہ طریقہ

---

[1] اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق۔

نماز کا شروع معلوم ہوتا ہے جس کو مختصر طور پر ہم نے اوپر بیان کیا ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ نماز ہی ہیں یاد خدا ہو سکتی ہے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز کی صورت خاص قائم نہ ہوتی تو خدا کی یاد کا طریقہ اتنا مہذب اور موکد طور پر قائم نہ رہتا جتنا اک اب قائم ہے۔ دیگر مذاہب کے طریقہ پرستش یا طریقہ یاد الٰہی کو دیکھئے خدا کا راگ گاتے ہیں باجا بجاتے ہیں پانی خدا کی یاد میں گراتے ہیں۔ پھول پتی چڑھاتے ہیں کبھی کبھی روشنی بھی یاد الٰہی کے وقت کرتے ہیں حبس دم کر کے بیٹھتے ہیں مراقبہ کرتے ہیں کسی چیز کو دھیان کرنے کے لئے خدا فرض کر لیتے ہیں اور پھر اظہار خلوص کرتے ہیں یہ طریقے تو سادہ سادہ ہیں۔ اس کے علاوہ علم طب جاننے والے یاد خدا کے لئے علم تشریح میں بے انتہا نکتے پاتے ہیں علم نباتات میں بھی لاتعداد باتیں خدا کی یاد دلانے والی ہیں۔ اس کے جاننے والے خدا کی یاد اور معرفت کا بڑا سبق لیتے ہیں۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

علم ہیئت کے جاننے والوں کو بھی بہت سی باتیں خدا کی صنعت کی ایسی معلوم ہیں کہ وہ خدا کو اس ذریعہ سے یاد کرنا چاہیں تو بڑے پکے مومن ہو جائیں۔ غرض کہ بہت سے طریقے خدا کی یاد کے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اسلام کے خلاف نہیں ہیں اور حکم قرآن کے موافق ہیں اللہ کی یاد کرنے میں ان طریقوں پر عمل کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ نماز کی صورت میں جو طریقہ شرع اسلام نے مخصوص کر دیا ہے وہ سب طریقوں سے افضل ہے یا نہیں۔ دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں ہے ہر ایک کا وجدان بہترین شہادت ہے صرف توجہ دلانا ہمارا کام ہے۔ خیال کیجئے! خدا کا دھیان دل میں کر کے دست بستہ باادب کھڑے ہو جائیے۔ رکوع کیجئے۔ سجدہ کیجئے۔ الفاظ جو عموماً پڑھے جاتے ہیں ان کا ترجمہ اوپر کر دیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ خدا کی وحدانیت اور اس کے جلال و جمال کی تصدیق پر مبنی ہیں اور حضور قلب کے لئے جو بندگی کی جڑ ہے کتنا عمدہ ذریعہ ہے اب ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ یاد الٰہی کا طریقہ اس سے بڑھ کر دوسرا نہیں۔

اب دنیوی مصلحت پر نظر ڈالیے نماز نے اخوت اسلامی کی ایسی پختہ جڑ قائم کی ہے اور مسلمانوں کو باہمت اور باقاعدہ رکھنے کی اتنی عمدہ تدبیر بنائی ہے کہ اس کی نظیر نہ اس وقت ہے نہ کبھی تھی نہ آئندہ خیال میں آ سکتی ہے۔ پانچ وقت مسجد میں موذن اذان نہیں دیتا گویا فوج کی حاضری کے لئے بگل بجاتا ہے۔ بگل سننے کے ساتھ ہی جس طرح تمام فوج والوں کو یکجا ہو جانا واجب ہے اسی طرح محلے کے تمام مسلمانوں کو یکجا ہو جانا چاہیئے نماز ایک طریقہ قواعد فوج کا ہے۔ پیغمبر صف سیدھی کرنے میں بے انتہا توجہ فرماتے تھے۔ فوجی قواعد کی بنیاد اسلام سے ہے

اس سے پہلے لڑائیوں میں صف آرائی کا قاعدہ ناقص تھا یا بالکل نہ تھا۔ عیدین میں کلکتہ کے میدان قلعہ میں جا کر مسلمانوں کی نماز دیکھئے تو معلوم ہو کہ کس درجہ باشوکت اور باقاعدہ مسلمانوں کے قواعد معلوم ہوتے ہیں اسلام کی رو سے تمام مسلمان فوج کے سپاہی تھے اور یہی نماز ان کی فوجی قواعد تھی جمعہ کی نمازیں گویا کل شہر کے باشندوں کی ایک جگہ قواعد ہوتی ہے۔ سال میں دو مرتبہ عیدین کے روز سالانہ قواعد ہوتی ہے جس میں آس پاس کے مسلمان بھی جمع ہوتے ہیں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مکہ میں جا کر حاضری دینا لازم رکھا گیا ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان آخر اب بھی ہیں اور ہند کے بڑے بڑے پرانے اسلامی شہروں میں ابھی تک جمعہ اور جماعت کا دستور چلا جاتا ہے اس نماز کے دینی اور دنیاوی فائدے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتے وہ کیا الٰہی اخلاقی بھلائیاں ان مسلمانوں میں ہیں جو اور بے نمازی قوموں میں نہیں ہیں یہ سوال اس وقت کیا جاتا جب اسلام کے اچھے دن تھے تو جواب دینا ہم کو آسان تھا اور اس وقت کوئی سوال ہی کرنے والا پیدا نہ ہوتا اب بھلائیاں آنکھوں سے ہلکی طور پر دکھائی دیتی تھیں اور غیر قوموں کے جوق در جوق اسلام میں شریک ہونے سے آپ اپنی دلیل تھیں اس وقت جب مسجدوں میں بجائے اخوت اسلامی بڑھانے کے لوگ دوسروں کی غیبت کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ آمین بالجہر اور رفع یدین پر لڑنے جھگڑنے کو آتے ہیں اور دوسروں کی تحقیر کرنے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں تو ہم بھلائیاں کیا دکھا سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ نئی نسل نماز پڑھنے والے جب توحید کے دلدادہ نہیں ہیں خدا اور خدا کے رسولؐ کی بتائی ہوئی شریعت کے دلدادہ نہیں تو پھر اس جمعیت میں نہ وہ برکت ہے نہ وہ بھلائیاں جن کے تذکرہ سے کتابیں بھری پڑی ہیں مگر پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس گری ہوئی حالت میں بھی اس جماعت اور نماز کی وجہ سے جو حالت مسلمانوں کی ہے آج دنیا کی دوسری گری ہوئی قوموں سے بدرجہا اچھی ہے۔

جس طرح انگریزوں کا قومی شعار ہے کہ جب چار آدمی اکٹھا ہوئے تو کھانے کا چرچا ضرور ہوتا ہے اسی طرح اگلے مسلمان اپنی ہر جماعت میں نماز ضرور پڑھتے تھے دیکھئے محلہ کی پنج وقتہ حاضری میں نماز ضروری ہے۔ ہفتہ وار باشندوں میں بھی نماز ضروری ہے رمضان کے روزوں کے ختم ہونے کی عیدیں جب جمع ہوتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں قربانی کی تیاری کرنے سے قبل نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ مردہ دفن کرنے کو جمع ہوتے ہیں جب بھی نماز پڑھتے ہیں مینہ کے لئے دعا مانگتے ہیں بھی نماز پڑھتے ہیں عرب کے قرب و جوار میں شمس پرستی کا مذہب تھا شمس ہی کو لوگ خدا جانتے تھے رات کو اس کا چھپ جانا عوام کے لئے اس کے زوال کی کافی نشانی نہ تھی آفتاب و ماہتاب کے غروب سے جو تیرگی

ان کی خلیل اللہ سمجھتے تھے لوگوں کے دل وہ سبق بھول گئے تھے اس لئے مسلمان ان میں گرہن لگنے پر خدا کی پرستش کرتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ خالق عالم جس نے سورج کو اندھیرا کر دیا قابل پرستش ہے نہ کہ سورج کی فانی اور زوال پذیر روشنی۔ سورج گرہن اور چاند گرہن بے شک قدرت ایزدی کا ایک کرشمہ ہے ہنود بھی اس تقریب میں پرستش کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ہنود سورج اور چاند کی پرستش کرتے ہیں اور مسلمان اس خدا کی پرستش کرتے ہیں جس نے ان کی روشنی ماند کر دی اور دعا کرتے ہیں کہ خدا اپنے غضب سے ہم کو بچائے۔

علاوہ ان نمازوں کے اور بہت سی نمازیں مسلمان اپنی خوشی سے بھی پڑھتے ہیں جن کو نماز نفل کہتے ہیں فرض نمازوں کے آگے پیچھے بھی نفلیں پڑھتے ہیں دوسرے وقتوں میں بھی جب جی چاہا پڑھتے ہیں روزہ میں بعد نماز عشاء جماعت سے تراویح پڑھتے ہیں۔ مگر ان نفلوں میں سب سے اچھی نفل آدھی رات والی ہے جس کو تہجد کہتے ہیں اسلام میں سختی نہیں رکھی گئی ہے آدھی رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا اکثروں کو گراں گزرتا ہے اس لئے فرضیت کا حکم نہیں ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد برابر پڑھتے تھے جن لوگوں کو تہجد پڑھنے کی عادت ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں جو تفریح قلب کو حاصل ہوتی ہے وہ مفرحات جالینوس کھانے سے بھی نصیب نہیں ہو سکتی رات کا سناٹا نیلگوں آسمان ستاروں کی قندیلیں ان کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کا سماں۔ ہوائیں سبکی اور تازگی باد صبا کی ابتداء عالم سے گرد وغبار رفع لبوں کی جنبش سے جو کثافت دن کو ہوا میں پیدا ہو گئی تھی وہ سب دفع زمین سے آسمان تک نور ہی نور پھر اس وقت جو خدا کی نماز پڑھے گا۔ خدا کا راگ گائے گا اور طور پر خدا کو یاد کرے گا وہی اس مزے سے واقف ہو سکتا ہے۔ پاؤں پھیلا کر سونے والے کیا جانیں کہ ان کی بے ہوشی میں ہوش والوں نے کیا کمایا۔

ہم نے اوپر لکھا ہے اور لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ معمولی سمجھ کا آدمی ذرا غور کرنے سے خود معلوم کرے گا کہ خدا کی عبادت کا طریقہ نماز سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم خاص طور پر نماز جنازہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں ہندوؤں کے جنازہ کے آگے "رام نام ست ہے" کی آواز بلند ہوتی ہے بعض مسلمان اس آواز سے عموماً گھبراتے ہیں مگر اس پیارے نام اور پیاری صدا سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ جنازہ کے ساتھ نقیب پکارتا جاتا ہے "رام نام ست ہے" اس کو ذرا اور بڑھا کر قرآن میں خدا فرماتا ہے کہ "کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام" (دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں صرف ذات باری جو صاحب جلال واکرام ہے باقی رہ جائے گی) خلاصہ یہ کہ گو ہم "رام نام ست" کی آواز بہت پسند کرتے ہیں لیکن انصاف کے ساتھ دیکھنے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ جنازے کو سناٹے کے ساتھ اٹھانے

ہیں اور سب مسلمانوں کے یکجا ہو کر نماز پڑھنے میں اور نماز پڑھنے کے بعد مردہ دفن کرنے میں جو شان پیدا ہوتی ہے وہ راستے میں بولنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ جنازہ چلا ہر ایک سکوت میں ہے سب کے چہروں پر عبرت چھائی ہوئی ہے چپ تعزیہ کی سی کیفیت ہے پھر صف بستہ ہو کر نماز جنازہ پڑھی بعد ازاں سلام پھیر کر مردہ کو خدا کی حفاظت میں سونپ کر گھر واپس آئے اس طرز میں رنگ ہی دوسرا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رب کی پہچاننے والی یہی ایک قوم مسلمانوں کی ہے۔ شرع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۷ برس کی عمر میں لڑکوں کو نماز پڑھانا چاہیئے اور دس برس کی عمر تک جو لڑکے ادھر راغب نہ ہوں ان کو مار کر پنج وقتہ نمازی بنانا چاہیئے ہر ملک اور ہر فرقہ میں لڑکوں کو عمدہ کام کے لئے مارنا واجب ہے اور جب نماز کی تعلیم ایک عمدہ تعلیم اخلاق ہے تو اس پر زیادہ سختی کرنا بیجا نہیں ہو سکتا۔ اس کو ہم یوں بھی سمجھا سکتے ہیں کہ لڑکے جہاں اسکول میں پڑھنا لکھنا سیکھتے ہیں وہاں وہاں کرکٹ جمناسٹک اور قواعد بھی سیکھتے ہیں۔ اسکول سے نکل کر لڑکا گھر بھاگ جائے اور قواعد میں شریک نہ ہو اس پر تنبیہ ہیڈ ماسٹر کی رو سے اسی طرح پنج وقتہ نمازیں مسلمان بچوں کا مسجد میں نہ جانا اولیا کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ ان کی تنبیہ کریں۔

فصل نمبر ۳۰

روزہ

روزہ (صوم) اسلام میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دوسرے ادیان میں بھی تھا اور ہے۔ عرب، شام غرض روم اور مصر کے انبیا برابر اس کی تاکید کرتے تھے ہندوؤں کے مذہب میں بھی روزہ کا حکم ہے۔ اس میں ضرور کوئی نفع ہے جب ہی اکثر شریعتوں نے اسے روا رکھا ہے چار فائدے اس میں کھلے کھلے ہیں اور ممکن ہے اور بھی ہوں۔ اول سب سے بڑی نعمت تندرستی اور ہوا کے بعد غذا اور پانی ہے پھر اس کے بعد عورتوں کی صحبت ہے اور انہیں چیزوں کا صبح سے دن چھپے تک اپنے اوپر حرام کرنا روزہ ہے۔ یہ چیزیں نایاب نہیں ہیں اہل دولت حاجت سے بھی بالاتر ہیں اور بافراط پاتے ہیں اور اسی لئے وہ ان کی اصلی عزت سے ناآشنا رہتے ہیں ؎

منعم کے شکر میں کبھی ہلائیں کبھی کبھی ۔۔۔ تمہارا لئے لذتِ دنیا زباں نہیں

جس خدا نے یہ نعمتیں بندوں کو دیں وہ ضرور مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ روزہ کسی کے شکر کا بھوکا نہیں

ہے لیکن ہم کو شان عبودیت کا اظہار کرنا چاہیئے خدا ایسے دانندۂ راز خفی و جلی کا جھوٹا شکریہ بھی زیبا نہیں بھوک نہیں ہے جبراً و قہراً کھانا پیٹ میں ٹھونس رہے ہیں۔ جی نہیں چاہتا۔ دوسروں کے اصرار سے کھاتے ہیں اور الحمد للہ کہتے جاتے ہیں۔ خدا کا شکر کرنا ہے تو خدا کی نعمت کی قدر کرو۔ جب نہایت ہی صادق اشتہا ہو تو کھانا کھاؤ اور پانی پیو کہ بری سے بری غذا تم کو اچھی لگے اور ہر بن مو سے تمہارے خود بخود خدا کی احسان مندی اور شکر گزاری کا اظہار ہو۔

دوم۔ مشہور ہے کہ کھانا خوش ذائقہ نہیں ہوتا بھوک اسے خوش ذائقہ بناتی ہے ہر شخص عمدہ غذا کا طالب ہے اور دولت کے ساتھ عمدگی کے مدارج بڑھتے جاتے ہیں۔ ناداری کی حالت میں مہینوں گوشت نہیں ملتا تھا اور حالت سدھرتے ہی بکری کا گوشت دونوں وقت ملنے لگا پھر اور ترقی ہوئی تو مرغ کا گوشت بھی دسترخوان پر آنے لگا اب معمولی مرغ کے گوشت کا مزہ بھی جاتا رہا مرغ دانہ خور کی تلاش ہوئی۔ گھر کے اندر ہی مرغ پلنے اور دانہ کھلانے کا سامان کیا گیا تھوڑے دنوں بعد اس کا بھی مزہ ساقط ہو گیا جو مزہ پہلے بازار کے معمولی گوشت میں تھا اب وہ مرغ دانہ خور میں بھی نہیں ہے اب یہ رائے ہوئی کہ مرغ اور بٹیر کی یخنی پینی چاہیئے اور اس میں بھی رفتہ رفتہ یہ تکلف ہوا کہ کباب کے یخنی کے عرق بننا چاہیئے جو پانی کی طرح پی لیا جائے بالآخر عرق میں دانہ ہائے انگور بھی شامل ہوئے اور معدہ نے جواب دیا۔ اب دنیا کی کسی چیز میں مزہ نہیں۔ روزہ دار مسلمان ان کھٹراگ سے بری ہیں بعد نماز مغرب سوکھی روٹی کھانے والے اور مرغ دانہ خور کے کباب کھانے والے دونوں اپنے کھانے میں پورا مزہ پاتے ہیں ایک دوسرے کے کھانے پر رال نہیں ہے ہر ایک اپنی حالت میں خوش ہے کھانے پینے میں جو مزہ روزہ داروں کو ملتا ہے دوسرے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

سوم۔ ہر مسلمان کو فوج کے سپاہیوں کی سی جفاکشی اور مستعد زندگی رکھنا چاہیئے دنیاوی کام جتنے ہیں سب میں محنت کی ضرورت ہوتی ہے ہر سال میں ایک مہینہ رمضان کا اس جفاکشی اور مستعدی کی مشاقی کے لئے رکھا گیا ہے۔ دن کام کرنے کا وقت ہے اس لئے دن ہی میں روزہ فرض ہوا ہندوؤں کی طرح رات کا روزہ مسلمانوں میں فرض نہیں ہے آج کل انگریزی فوجوں میں ہندوستانی انگریزی سپاہیوں سے زائد ممدوح ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ کھانے پینے کا اہتمام کم کرتے ہیں اور انگریزوں کی طرح یہ نہیں چاہتے کہ معدہ کبھی خالی نہ ہو۔ ہندوستانی سپاہی رات دن میں صرف دو مرتبہ کھاتے ہیں اور وقت پڑ جائے تو ایک

مرتبہ بھی نہیں کھاتے۔ مرہٹوں کی لڑائی میں بعض اہل الرائے کہتے ہیں کہ ان مرہٹوں سے جہاں بھیگے ہوئے چنے
خود اور گھوڑے دونوں کی غذا ہوتی ہے لڑنا آسان نہیں ہے انگریزی آلات حرب اور قواعد فوجی میں یورپین
سپاہیوں کو فوقیت ہے مگر تکلیف برداشت کرنے میں ہندوستانی سپاہی کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ غرض کہ تکلیف
برداشت کرنا سپاہیوں کا ایک جوہر ہے دنیا کے تمام کاموں میں محنت اور جفاکشی لازم ہے جو شخص جفاکش اور
محنتی نہیں ہے وہ گویا اپنی خلقت میں ناقص ہے روزہ سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ بھوک کی تکلیف برداشت
کرنے کے عادی رہیں وقت آ جائے تو گرسنگی ان کے کاروبار میں حارج نہ ہو۔ ابھی حال میں ترکوں اور یونانیوں
کی لڑائی ہوئی ہے نصف صدی سے یوروپین طاقتوں نے ترکوں کو مرد بیمار کا خطاب دے رکھا تھا اس لڑائی
نے ثابت کر دیا کہ ترک ابھی تک اپنی حالت سنبھالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ترکوں نے اس لڑائی میں بڑی نمایاں فتح
حاصل کی اگر یورپ کی سلطنتیں بیچ میں نہ پڑتیں تو یونان ترکوں کے قبضہ میں آ جاتا یورپ کے اخباروں نے اس
فتح کا سبب یہ لکھا ہے کہ گو سامان رسد کی کمی دونوں طرف تھی لیکن ترک روزہ رکھ کر لڑنے کے عادی تھے ان
کے مقابلہ میں یونانی جو دن بھر میں کئی مرتبہ کھائے بغیر ہتھیار نہیں اٹھا سکتے تھے ٹھہر نہ سکے۔

چہارم۔ بڑوں کے تمام افعال بے کسی استثنا اور بغیر کسی امتیاز کے خوشنما ہوتے ہیں اسی اعتبار
سے انگریزوں کا پانچ چھ مرتبہ کھانا آج کل بہت پسند کیا جاتا ہے اور ہندوستان کے مسلمان اکثر مغرب کی
جدید تہذیب سے صوم کی روکھی سوکھی صورت کو جدا پا کر اپنے خیالات پراگندہ کرتے ہیں۔ انگریز صبح اٹھ کر
کافی پیتے ہیں پھر چاشت کا کھانا (بریک فاسٹ) دو بجے ٹفن یا لنچ۔ شام کو ڈنر اور کبھی کبھی سوتے وقت
سپر یہ سب پانچ ہو گئے۔ انگریزی تعلیم پائے ہوئے نوجوان اس اندھا دھند کی تقلید کے عادی ہیں صبح سے
شام تک منہ بند کئے ہوئے بیٹھنے کو لغو تصور کرتے ہیں اور مضر صحت جانتے ہیں۔ بیشک یہ [illegible]
ثابت ہوتی ہے جو شخص چھ مرتبہ کھانے کا عادی ہو وہ اگر دن رات میں دو ایک مرتبہ کھائے تو اس کی صحت کو نقصان
پہنچتا ہو جائے لیکن ایسی خراب عادت ہی کیوں ہو خود کو اسقدر کھانے کا پابند کرنا گویا بڑی زحمت مول لینا ہے
کھانا طاقت پیدا کرنے کے لئے ہے نہ کہ وبال جان ہونے کے لئے بار بار کھانے سے طاقت میں کوئی
مدد نہیں ملتی ایک مرتبہ پیٹ بھر کر کھا لینا اور اس کا ہضم کر لینا زیادہ بار بار کھانے سے اچھا ہے یہ ہم اچھی طرح
سمجھتے ہیں کہ شکاری جانوروں کے کھانے کا وقت معین ہوتا ہے اور مواشی رات دن چرا کرتے ہیں ایک مرتبہ

پیٹ بھر کر کھالینا اس سے کہیں اچھا ہے کہ ہر تیسرے گھنٹہ کچھ نہ کچھ ضرور کھایا جائے۔ بار بار کھانا طبی اصول سے بھی نامناسب ہے۔ انگریز ذرا ذرا کھاتے ہیں۔ پیٹ بھر کر کھائیں تو ہرگز صحت قائم نہ رہ سکے۔ طب یونانی کی رو سے غذا دو دن میں تین مرتبہ کھائی جائے تو البتہ ہضم صحیح ہوگا۔ یعنی ہر سولہ گھنٹے بعد غذا کھانا مناسب ہے۔ روزہ کے دنوں میں ملک اور موسم کے اعتبار سے پیٹ خالی رکھنے کا اوسط زمانہ ۱۴ گھنٹے ہے۔ ۱۶ گھنٹے سے دو گھنٹہ کم یہ خیال کرنا کہ روزہ مضر صحت ہے بالکل غلط ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ روزہ سے صحت میں مدد ملتی ہے۔ صوم رمضان جذب و اخراج رطوبت میں مسہل کا کام دیتا ہے اور معدہ کو خود بخود ہر سال درست کر دیتا ہے یہ روزہ فاقہ کشی نہیں ہے مسہل ہے۔ چورن ہے۔ جوارش جالینوس ہے۔ جسم کی تمام برائیاں معدہ کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس روزہ کے ذریعہ سے معدہ درست رہتا ہے تو روزہ کو وبال جان نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ حفظان صحت کا بڑا اصول اس روزہ کے ذریعہ سے اسلامی فوج اور اسلامی جماعت میں قائم کیا گیا ہے۔

ہم یہ تسلیم کریں گے کہ آغاز صوم میں کبھی کبھی زکام یا دردسر کی شکایت ہو جاتی ہے وہ بھی روزہ رکھنے سے نہیں بلکہ زیادہ تر افطار کی بے اعتدالیوں سے۔ لیکن اس نقص کے ساتھ جب فوائد دیکھے جائیں جو معدہ کی قوت ہضم بڑھانے کے متعلق مترتب ہوتے ہیں تو یہ چھوٹی چھوٹی شکایتیں وسواس شیطانی سے زائد درجہ نہ رکھیں گی۔

پنجم۔ انسان میں دو قوتیں متزاد ہیں قوت بہیمی اور قوۃ ملکوتی۔ ان دونوں کو اعتدال کے ساتھ رکھنا، تکمیل انسانیت ہے ہر مذہب کی غایت ان قوتوں کے اعتدال کا قائم رکھنا ہے۔ مذہب اسلام کہتا ہے کہ اس اعتدال کو مذہب اسلام ہی زائد مدنظر رکھتا ہے نہ تو اسلام کا روزہ بہت سخت ہے اور نہ ایسا ہے کہ خلوے معدہ بھی نہ ہونے پایا کہ غذا پہنچ گئی یا صرف خاص خاص غذاؤں کا پرہیز ہوا۔ پھر تو وہ روزہ داری نہ ہوئی اسپتال کی تیمارداری ہوئی کہ گوشت روٹی کی جگہ دودھ مقرر ہوگیا۔ غلہ کی جگہ صرف میوہ جات کھانے لگے روزہ دار کو صبح کے ناشتہ کے وقت ذرا سا خیال آب و دانہ کا ہوتا ہے پھر اس وقت کے گزر جانے پر اشتہا کا ذہب جاتی رہتی ہے اور ایک قسم کی تفریح اور بدن میں سبکی معلوم ہوتی ہے۔

اندرون از طعام خالی دار   تا درو نور معرفت بینی

اس طرح قوت ملکوتیہ میں ترقی ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس کا مقصد ہے۔ شکم کو ہر وقت عمر عیار کی زنبیل نہ رکھنا

چاہیئے۔ دوپہر کے بعد جو خاص لطف روحانی حاصل ہوتا ہے اس کو روزہ دار ہی جانتے ہیں اور بالخصوص وہ روزہ دار جو خوشی سے روزہ رکھتے ہیں اسلام میں افطار صوم کا وقت تکلیف شروع ہونے سے قبل آجاتا ہے ضعف جسمانی جو مضر صحت ہو سکتا ہے پیدا ہونے نہیں پاتا ایام روزہ میں علاوہ صحت جسمانی کی ترقی کے اخلاق حسنہ بھی ترقی کر جاتے ہیں یہاں ان لوگوں کا تذکرہ نہیں ہے جنھوں نے فطرتی ضروریات کے علاوہ اپنی غلطی سے افیون یا تمباکو وغیرہ اشیائے منشی کا عادی بنا رکھا ہے اور اچھی خاصی حالت میں دائم المریض ہوتے ہیں ایسے لوگ روزہ میں غصہ بہت کرتے ہیں اور روزہ کے شاکی بھی رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو وہ لطف محسوس نہ ہو جو روزہ سے پیدا ہوتا ہے یا ان کے اخلاق میں روزہ کی وجہ سے وہ ترقی نہ ہو جو ہونا چاہیئے مگر ان مستثنیات سے روزہ کے اصول میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ اس کی بہتری میں حرف آسکتا ہے۔

فصل نمبر ۳۱

عبادات کے متعلق نصوص قرآنی

وضو اور تیمم:- ایمان والو جب تم کو نشہ ہو تو جب تک اپنی بات نہ سمجھنے لگو نماز کے قریب نہ جاؤ اور ناپاک ہو تو باستثناء حالت مسافرت کے بلا غسل کے نماز کے قریب نہ جاؤ اگر تم بیمار یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے یا عورتوں کو چھوئے اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اپنے منہ اور ہاتھ پر مسح کرو۔ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے[1] سورۂ نساء رکوع ۷۔

نماز:- ایمان والو جب نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھو ڈالو سروں کا مسح کر ڈالو اور ٹخنوں تک پیر دھو ڈالو اور اگر جنب ہو تو پاک ہو جاؤ اگر تم بیمار یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے یا عورتوں سے تم نے جماع کی اور پانی نہ ملا تو زمین پاک کا قصد کرو اور اپنے منہ اور ہاتھوں کو اس سے ملو اللہ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تم پر تنگی ڈالے لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر ادا کرو[2]

---

[1] یایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوہکم وایدیکم ان اللہ کان عفوا غفورا۔

[2] یایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنبا فاطہروا وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوہکم وایدیکم منہ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون۔

روزہ ۔ ایمان والو تم پر روزے کا حکم ہوا جیسا کہ تم سے اگلوں پر ہوا تھا۔ شاید تم پرہیزگار ہو جاؤ چند گنتی کے دن روزہ رکھو تم میں جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں رکھ لے اور جنکو طاقت[1] نہیں ہے روزہ رکھنے کی ہو تو وہ ایک فقیر کو کھانا کھلا دیا کریں اور کوئی خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو اچھا ہی ہے۔ تمہیں عقل ہے تو روزہ رکھنے میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔ روزہ رکھنے کا دن رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور راہ و تمیز کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ اس مہینہ میں جو مقیم ہو وہ روزہ رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو اتنے ہی روزے اور دنوں میں رکھ لے اللہ تم پر آسانی ہی کرنا چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا۔ گنتی کے دنوں کو پورا کرو اور اللہ نے تم کو راہ بتائی اس پر اسکی بڑائی کرو۔ شاید تم احسان مانو۔[2] سورہ بقر رکوع ۲۳۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ ۔ نماز پڑھو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔[3] سورہ بقر رکوع ۵۔

صبر اور نماز سے استعانت چاہو۔ اس میں دشواری ہے مگر ان عاجزی کرنے والوں کے لئے نہیں جن کا یہ خیال ہے کہ اپنے رب سے ان کو ملنا ہے اور اس کے پاس پھر جانا ہے[4] سورہ بقر رکوع ۵۔

نماز پڑھو زکوٰۃ دو جو کام اچھا کرو گے اللہ کے پاس اسے پاؤ گے تمہارے کام کو اللہ دیکھتا ہے۔[5] بقر رکوع ۱۳۔

---

[1] ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جو روزہ نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کوئی دوسرا غلہ لوگوں نے تخمینہ کیا ہے لیکن پھر یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ بعض یہ معنی وہ بیان کرتے ہیں جو "طاقت نہیں ہے" کو "طاقت ہے" سے لیتے ہیں اور جو "طاقت نہیں ہے" ترجمہ کرتے ہیں ان کو تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ "طاقت نہیں ہے" کا ترجمہ کرنے والے لا (نفی) کو محذوف مانتے ہیں یا باب افعال کے خاصہ سے نفی کے معنی پیدا کرتے ہیں۔

[2] یاایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ایاما معدودت فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس وبینت من الہدی والفرقان فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ہدکم ولعلکم تشکرون۔

[3] واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔

[4] واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملقوا ربہم وانہم الیہ راجعون۔

[5] واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیر۔

خیال رکھو اپنی نمازوں کا خصوصاً بیچ والی نماز کا۔ اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو اگر تمہیں کوئی ڈر ہو تو پیادہ یا سواری پر چلتے ہوئے نماز پڑھو اور جب امن پاؤ تو اللہ کا شکر کرو کہ تمہیں جو معلوم نہ تھا اس نے سکھایا۔[1]

تم ملک میں سفر کرو تو نماز کا قصر کرنا تم کو گناہ نہیں ہے۔ اگر یہ ڈر ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے بیشک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں۔ اور جب تو اے پیغمبر! مسلمانوں میں ہو اور نماز کے لئے ان کو کھڑا کرے تو چاہیئے کہ ایک جماعت انکی تیرے ساتھ ہتھیار لئے کھڑی رہے پھر جب سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے اور چاہیئے کہ اپنا بچاؤ اور اپنا ہتھیار ساتھ رکھیں۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیار اور اپنے اسباب سے غافل ہو تو وہ تم پر ٹوٹ پڑیں۔ تم کو مینہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ہتھیار کھول ڈالو مگر اپنا بچاؤ کرلو اللہ نے ذلت والا عذاب کافروں کیلئے تیار کیا ہے۔ جب نماز پڑھ چکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یاد کرو۔ اطمینان کی حالت میں نماز ادا کرو۔ بیشک یہ نماز مومنوں پر وقت مقرر کیا ہوا حکم ہے ان کا پیچھا کرنے سے تم ہمت نہ ہارو اگر تم بے آرام ہو تو وہ بھی تمہاری طرح بے آرام ہیں اور تم کو جو امید اللہ سے ہے ان کو نہیں ہے اللہ دانا و حکمت والا ہے۔[2] سورہ نساء رکوع ۱۵۔

مسلمان وہی ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب آیات الٰہی انکو سنائی جائیں تو ان کے ایمان میں ترقی ہو اور ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ کریں۔ نماز پڑھیں اور جو ہم نے

---

[1] حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی و قوموا للہ قٰنتین فان خفتم فرجالا او رکبانا فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون۔ سورہ بقرہ رکوع ۳۱۔

[2] واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکفرین کانوا لکم عدوا مبینا۔ واذا کنت فیہم فاقمت لہم الصلوۃ فلتقم طائفۃ منہم معک ولیاخذوا اسلحتہم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرہم واسلحتہم ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم ان اللہ اعد للکفرین عذابا مہینا۔ فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم فاذا اطماننتم فاقیموا الصلوۃ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتبا موقوتا۔ ولا تہنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون وکان اللہ علیما حکیما۔

ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کریں[1] سورۂ انفعال رکوع ۱۔

دن کے شروع اور آخر اور اوائل شب میں نماز پڑھو۔ نیکیاں گناہ دور کرتی ہیں ذکر کرنے والوں کے لئے یہ یاددہانی ہے[2] سورہ ہود رکوع ۱۰۔

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نمازیں پڑھا کرو اور صبح کو بھی نماز صبح کا وقت نور ظہور کا وقت ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد بھی پڑھو۔ یہ تمہارے لئے نفل ہے عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود میں پہنچا دے[3] سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹۔

اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کچھ روزی نہیں مانگتے۔ ہم تمہیں روزی دیتے ہیں۔ اچھا انجام پرہیزگاری کا ہے[4]۔ سورہ طہٰ رکوع ۸۔

ایسے لوگ صبح و شام اس کی عبادت کرتے ہیں جنکو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جب آنکھیں الٹ جائیں گی[5]۔ نور رکوع ۵

نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو رسولؐ کی اطاعت کرو کہ تم پر رحم کیا جائے[6]۔ سورہ نور رکوع ۷۔

پیغمبر یہ کتاب جو تمہاری طرف دی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھو۔ نماز بےحیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ یاد خدا بڑی چیز ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے[7] سورہ عنکبوت رکوع ۵

---

[1] انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم واذا تلیت علیہم ایتہ زادتہم ایمانا وعلی ربہم یتوکلون الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقنہم ینفقون۔ [2] واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من الیل ان الحسنت یذہبن السیات ذلک ذکری للذاکرین۔ [3] اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقران الفجر ان قران الفجر کان مشہودا ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ [4] وامر اہلک بالصلوۃ واصطبر علیہا لا نسئلک رزقا نحن نرزقک والعاقبۃ للتقوی۔ [5] فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار۔
[6] واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔ [7] اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون۔

بھاگنے کا صاف راستہ بھی مل گیا۔ دور تک مسلمانوں نے دشمنوں کا تعاقب ... کیا اور جب پھر کر آئے تو راہ میں چشمۂ ذی قردہ کے پاس دیکھا کہ آنحضرتؐ مع اپنے صحابیوں کے مسلمانوں کی مدد کے لئے تشریف رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے پھر تعاقب کرنا چاہا مگر آنحضرتؐ نے رائے نہ دی اور وہیں سے واپس آئے۔

آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ قریش کچھ مال لے کر شام کی طرف جاتے ہیں۔ زید بن حارثہ کو اس مہم کے لئے آنحضرتؐ نے تعینات کیا۔ بمقام عیص قریش کا کارواں ملا۔ مال مسلمانوں نے لوٹ لیا اور اہل کارواں کو گرفتار کر لیا۔

اسی سنہ میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ بنو بکر بن سعد خیبر کے یہودیوں کے ساتھ سازش کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں حضرت علیؓ ابن ابی طالب باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے۔ بمقام فدک دشمنوں سے مقابلہ ہوا دشمنوں کو ہزیمت ہوئی اور مسلمان مال غنیمت کے ساتھ کامیاب واپس آئے۔

اسی سال ایک مرتبہ زید بن حارثہ کو شام کا سفر پیش آیا۔ ان کے ساتھ بہت کچھ مال تجارت تھا۔ وادیٔ قریٰ میں قبیلہ فزارہ کے لوگوں نے حملہ کر کے مال اور اسباب ان سے چھین لئے اور کچھ ساتھی ان کے شہید بھی ہوئے۔ یہ ہزیمت پا کر مدینہ میں آئے اور یہاں سے کافی مدد لے کر دشمنوں کے مقابلہ کو گئے اور فتحیاب واپس آئے۔

آنحضرتؐ نے خواب میں اپنے کو مع اصحاب کے حج کرتے ہوئے دیکھا صبح کو حج کا ارادہ کیا۔ کچھ تو زیارت کعبہ کا شوق اور کچھ وطن میں جانے کی خوشی۔ اکثر مہاجر اور ان کے ساتھ انصار بھی سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ کوئی پندرہ سولہ سو مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ چلے اور ستر اونٹ قربانی کے لئے ساتھ لئے۔ یہ خبر قریش کو پہنچی اور انہوں نے مزاحمت کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ کو بھی قریش کا ارادہ معلوم ہوا۔ مکہ کے قریب ایک منزل پر چاہ حدیبیہ کے پاس مسلمان ٹھہر گئے اور وہیں سے ایلچیوں کی آمد و رفت شروع ہوئی بالآخر

الاسلام

حصّہ اوّل

اس میں ہر پہلو سے اسلام کا نعمت خدا ہونا دکھایا گیا ہے۔ تمام مسائل اسلام بیان کئے گئے ہیں اور ان کی خوبیوں کی توضیح کی گئی ہے — معترضوں کے جواب بھی شستہ زبان میں دیئے گئے ہیں اور تمام غلط فہمیاں رفع کی گئی ہیں۔

از

علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ ——— کراچی

قیمت: دس روپے مجلد